بسم اللہ الرحمن الرحیم

## اسلامیات


حمد — مظہر بخاری — 7
نعت — مظہر بخاری — 7
پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں — ادارہ — 8


## انشاء نامہ


کچھ اِدھر اُدھر سے — ابن انشاء — 12


## انٹرویو


پھر روشن ہوئیں یادوں کی شمعیں — نوریہ شفیق — 14


## ناولٹ


اے عشق قضا نہ کرنا — شفق افتخار — 124
تیرے نام کی ٹھوکر — کنیز زہرہ — 166
بادِ نو بہار — مہوش طالب — 188


## مکمل ناول


کہو نا پیار ہے — سباس گل — 52
ولی — مریم ماہ منیر — 96


## سلسلے وار ناول


اُمید صبح جمال — اُم مریم — 18


## افسانے


اک دیا جلائے رکھنا — اقرا الیاس — 21
درد کی راہیں — فصیحہ آصف خان — 45
آگہی کے بعد — عشاء بھٹی — 161
ویلنٹائن ڈے — ثنا کنول — 213
بے پردہ — رابعہ افتخار — 219



انتباہ: ماہنامہ حنا کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، اور نہ کیسی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار قسط کے طور پر کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے، خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کاروائی کی جا سکتی ہے۔

ام مریم

## چوتھی قسط کا خلاصہ

پہلی بار آئے پیغام پہ ہونے والی رنجگلعن نے عمامہ کو ڈسٹرب کر دیا ہے، اسی اضطراب میں جب اس پہ انکشاف ہوتا ہے کہ بابا آفاق کو اس سے ملانے گھر لے آئے ہیں تو وہ ان سے بھی مس بی ہیو کر جاتی ہے۔

آیت کو بروقت طبی امداد مل جانے کے باعث اس کی جان خطرے سے باہر آ جاتی ہے مگر وہ اس حادثے کے بعد معیز کے رویئے میں لچک محسوس کر رہی ہے۔

صندلین کے لئے آنے والا پروپوزل اسے پھر سے ہسٹریک کر جاتا ہے، اب کی مرتبہ وہ حسین کی موجودگی میں خودکشی کی کوشش کرتی ہے، حسین بجائے نرم پڑنے کے مزید بدگمان ہو جاتا ہے، دادی سے ہونے والی بحث کا نتیجہ اس بات پہ نکلتا ہے کہ دادی خود حسین کو اس رشتے سے آزادی کا پروانہ انتہائی غصے میں تھما دیتی ہیں۔

سلو والدہ کو اچانک شادی کی رضامندی دے کر حیران کر دیتا ہے، مگر جس لڑکی سے شادی کا عندیہ دیتا ہے اسے دیکھ کر والدہ پہ غشی طاری ہو جاتی ہے۔

## اب آپ آگے پڑھیے

## پانچویں قسط

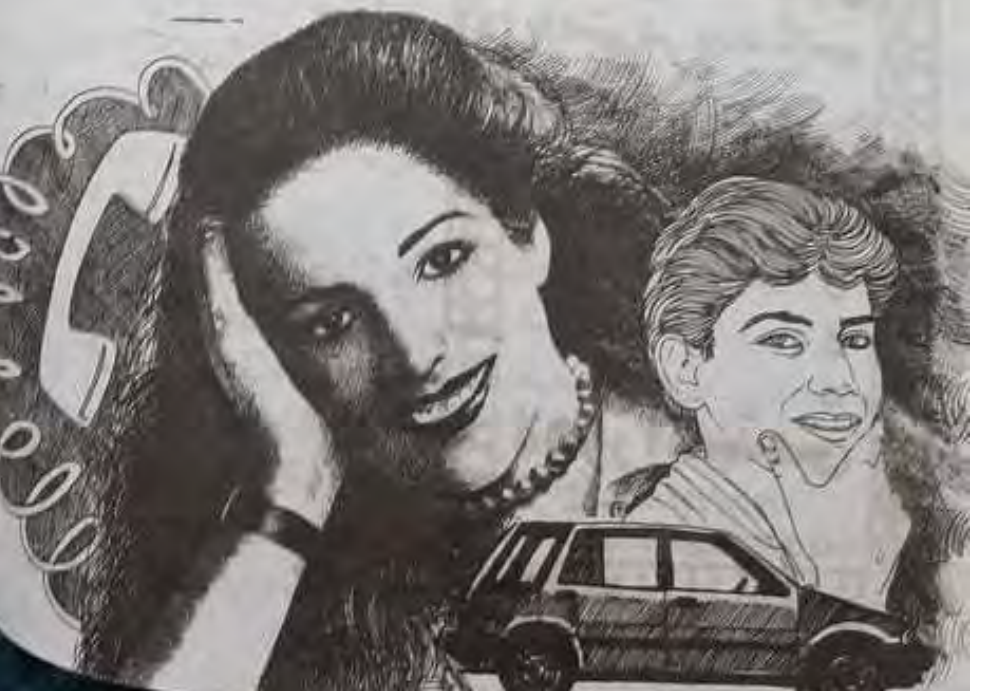

ان کے گرتے وجود کو سلمان نے بوکھلا کر بازوؤں کا سہارا دیا۔
''والدہ..... کیا ہو گیا، آنکھیں کھولیں پلیز۔'' وہ ان کی حالت پہ سٹپٹا گیا تھا، کچھ نہ سوجھا تو انہیں وہیں صوفے پر لٹا کر خود پانی لینے بھاگا۔
(خدانخواستہ ایسی خوفناک کے شکل تو نہیں محترمہ کی کہ والدہ اس نوبت کو پہنچ جائیں بلکہ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو کسی بھی ہوش مند کے اپنی ڈھٹائی کے باعث ہوش ضرور اڑا سکتی ہیں)۔
والدہ کو بازو کے گھیرے میں لے کر ان کا سر ذرا سا اٹھائے وہ ان کے ہونٹوں پہ گلاس لگاتا ہوا فکر مند ہو رہا تھا، انہوں نے ڈوبتی نظروں سے ایک بار پھر اسے دیکھنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہو سکی، ہر منظر دھندلا تھا، یہاں تک کہ سلمان کا خوبرو چہرہ بھی۔
''آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو کیا ضرورت تھی اتنے کام کرنے کی، اماں اپنا خیال رکھا کریں میری جان۔'' گلاس سائیڈ پہ رکھ کر وہ ان کا سر اپنے شانے سے لگائے ہاتھ نرمی سے تھپتھپا رہا تھا، ان کا دل بھرا سا گیا، کاش، اے کاش وہ واقعی ایسا فرمانبردار اور سعادت مند بیٹا ہوتا جیسا اس سے نظر آ رہا تھا، اس کے نام کے ساتھ لگ جانے والے لفظ غنڈے بدمعاش اور اشتہاری نے تو انہیں جیتے جی مار ڈالا تھا۔
''آئیں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتا ہوں آپ کو، ابھی بھی ٹھیک نہیں لگ رہی ہیں مجھے آپ۔'' انہیں بازو کے حصار میں لے کر اٹھتا ہوا وہ ایک دم کسی فیصلے پہ جا پہنچا تو والدہ واقعی گھبرا گئیں، سر زور سے نفی میں ہلانے لگیں۔
''مم..... میں بہتر ہوں، رہنے دو۔''
''کیوں رہنے دوں، آپ بالکل بھی ٹھیک نہیں ہیں، ابا حضور کو تو آپ کا خیال قیامت تک نہیں آ سکتا، خدمتیں کروانے کو یاد رہتیں ہیں آپ انہیں بس۔''
اب وہ کلس رہا تھا، جیب تھپتھپا کر چابی کا تعین بھی کیا کہیں آتے ہی عادت کے مطابق ادھر ادھر تو نہیں ڈال دی، باپ سے گلے ازل سے تھے، شاید ختم ہوتے، دونوں ایک دوسرے کی صورتوں سے نالاں رہتے، ایک یہ دکھ بھی والدہ کے دکھوں میں اضافے کا باعث تھا، وہ ترستی رہی تھیں اس منظر کو جو سیروں کے حساب سے اس خاتون خانہ کا خون بڑھا دیتا ہے کہ جب شوہر گھر آ کر بچوں کے لاڈ اٹھاتا ہے اور بچے باپ کی شفقت میں خوش ہو رہے ہوتے ہیں۔
''چل لیں گی کہ سہارا دوں، چابی ہے میرے پاس گاڑی کی۔'' وہ پھر سے چلنے کو تیار تھا، انہوں نے ہول کر جان سے پیارے بیٹے کو دیکھا۔
''کہیں جانے کی ضرورت نہیں، کہہ جو دیا، لاؤ مجھے وہ تصویر تو پھر سے دکھاؤ۔'' انہوں نے اٹھنے کی بجائے پاؤں بھی اٹھا کر صوفے پہ رکھتے ہوئے تسلی سے کہا تو سلمان انہیں دھیان سے دیکھنے لگا۔
''آر یو شیور؟'' وہ تذبذب کا شکار ہوا تو والدہ چڑ چڑے پن کا۔
''کتنی بار کہا ہے یہ انگلش دنگلش میں میرے ساتھ بات نہ کیا کر۔'' وہ ایک دم خفت کا شکار

ہوتا ہنس پڑا۔

''اوہ، اچھا سوری، میرا مطلب تھا آپ پر یقین ہیں کہ طبیعت ٹھیک ہے؟'' اس کا سوال انہیں سرد آہ بھرنے پہ مجبور کر گیا، محض سر ہلایا اور ہاتھ سے موبائل کا اشارہ کیا تھا، سلمان اب کے واقعی مطمئن ہوا اور کوٹ کی جیب سے سیل فون پھر برآمد کر کے تصویر سمیت ان کے سامنے کر دیا، اب کے اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی، مگر والدہ کی حالت پھر سے جیسے غیر ہونے لگی، انہیں محسوس ہوا آنکھوں کے آگے پھر سے تارے ناچنے لگے ہوں، صورتحال ہنوز تھی، ذرا بھی جو بدلی ہو، وہ عمامہ تھی، سو فیصدی عمامہ، وہی لڑکی جس کو سلو کے لئے پسند کر کے آئی تھیں مگر.....

انہوں نے مضطرب ہوتے اپنا گھومتا سر تھام لیا، اب کے سلمان بھی چونکا تھا، ایک نظر ماں کو دوسری قیمتی فون کی ایل سی ڈی پہ براجمان اس پریوں کی شہزادی کو دیکھا تھا اور تخمے میں پڑ گیا۔

''کیا بات ہے اماں، آپ کی خرابی طبیعت کی وجہ یہ تصویر تو نہیں ہے۔'' وہ جیسے کسی نتیجے پہ جا پہنچا تھا، اماں کا دل تو بھرایا ہوا ہی تھا، اب کے ضبط نے بھی رخصت چاہی، پھر جو پھوٹ کے روئی وہ الامان، سلمان کے تو ایک بار پھر ہاتھ پیر پھول گئے، اسے اب قطعی سمجھ نہیں آ سکی انہیں کیسے سنبھالے تو جھلا گیا۔

''آپ ایسے آخر کیوں ری ایکٹ کر رہی ہیں اماں کو گویا پانی پت کی لڑائی کی سپہ سالار یہی محترمہ تھیں اور اسی وقت اس جنگ میں کام آ گئی تھیں، اسے دیکھ کر آخر آپ کو کبھی غشی تو کبھی رونا کیوں آ جاتا ہے؟''

وہ ایسا ہی تھا، لحاظ مروت سے بہت کم واسطہ رکھتا تھا، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ رکھتا ہی نہ تھا تو زیادہ بجا تھا، یہ تو ماں سے بہت لحاظ برت لیا تھا مگر ضبط کب تک بحال رکھتا آخر کو رخصت ہوا۔

''آئے ہائے..... روؤں نہ تو اور کیا کروں میں نصیبا پٹی، اس وقت میں کیسے کیسے نہ ترلے ڈالتی رہی تیرے کہ سلو اک نظر دیکھ لے، تصویر دیکھ لے تو اینٹھا رہا، نہ مانا، یہی تو تھی وہ لڑکی، جسے میں رشتہ ڈالنے کے بعد انکار کر آئی تیری ضد کی وجہ سے۔'' انہوں نے یونہی روتے ہوئے دہائی دی تو سلمان اک پل کو ٹھٹکا تھا، چند ثانیے ان کی بات پہ غور کرتا رہا پھر ہونٹ بھینچ لئے سیل فون دوبارہ ان کی آنکھوں کے آگے لہرایا۔

''دھیان سے دیکھیں اماں، ممکن ہے آپ کو کسی قسم کی کوئی غلط فہمی ہو رہی ہو۔'' وہ ایکا ایکی بے حد سنجیدہ ہو چکا تھا، اماں نے تاسف سے تصویر کو نہیں اسے دیکھا تھا۔

''مجھے ہرگز کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی سمجھے، ایسے دلکش چہرے روز روز نظر نہیں آتے جو مجھے غلط فہمی ہو۔'' انہوں نے اب کے بے حد ناراضگی کا مظاہرہ کیا، سلمان نے کاندھے جھٹکے، سیل فون جیب میں واپس رکھا اور سامنے صوفے پہ بیٹھ کر سابقہ اطمینان سے سگریٹ سلگا لی۔

''کاش اس وقت تم نے انکار نہ کیا ہوتا تو اب پچھتاوا نہ ہوتا، ایسی پیاری بچی کہ اس گھر میں آ جاتی تو نصیب بدل جاتا ہم سب کا، ارے روشنی ہو جاتی اس کے وجود سے اس گھر میں۔'' اماں کف افسوس مل رہی تھیں، اس پر ملول انداز کو سلمان نے مسکرا کر دیکھا۔

''کیوں پریشان ہوتی ہیں، وہ اب بھی آپ کی ہی بہو بنے گی مگر..... اس گھر کو بھلا کیوں

روشن کرے گی اپنے وجود سے، کیا میرا اپنا گھر نہیں ہے جو میں رکھوں گا؟" جواب ایسا تھا کہ اماں کا منہ کھل گیا، انہوں نے اپنے سلمان کو دیکھا گویا اس کے دماغ کے پھر جانے کا یقین ہوا ہو۔

"کیا کہا تم نے؟" انہوں نے ناراضگی سے پوچھا، سلمان کی مسکراہٹ، اس سوال پہ گہری ہونے لگی۔

"وہی جو آپ نے سنا۔"

"تم بتاؤ، کیا کہا تم نے؟" آپ کے والدہ کے لہجے میں ناراضگی کے ساتھ دبا دبا غصہ بھی آیا تھا۔

"حالانکہ میں اپنی بات دہرانا خلاف شان سمجھتا ہوں مگر آپ چونکہ میری ماں ہیں تو اس گستاخی کو گستاخی نہیں سمجھ رہا، دہرا دیتا ہوں، آپ کے دھیان سے سنیں اماں کہ وہ لڑکی جو سلمان بٹ کی نظروں کو بھا گئی ہے کسی اور کی کیسے ہو سکتی ہے، ایسا ممکن نہیں، آپ دوبارہ وہاں رشتہ ڈالیں، بلکہ تو میں میرا پورا تعارف کروا دیجئے گا، اول تو انکار ہو گا نہیں، اگر ہوا تو پھر آپ اس معاملے سے نکلیں اور ہم سمجھے۔" اماں کا متغیر چہرہ اور پھٹی آنکھیں دیکھ کر وہ ایک دم ہنس دیا۔

"لگتا ہے ابھی بھی نہیں سمجھیں میری بھولی اماں، پیاری اماں، میرا صاف اور سیدھا مطلب ہے کہ پھر آپ اس کام سے فارغ، ہم خود ہینڈل کر لیں گے، ڈونٹ وری۔" ٹانگ سے ٹانگ اتری، کالر جھٹکا گیا، گلاسز پھر سے آنکھوں پہ چڑھ گئے، مطلب وہ پھر سے اڑان بھرنے کو تھا، اماں ہول کر اس کی راہ میں آ گئیں۔

"سلو!"

"جی حکم۔" وہ ان کے سامنے اچھا خاصا خم ہوا، چہرے پہ بدستور مسکراہٹ رقصاں تھی، جبکہ اماں کا دل ہول رہا تھا، سینے میں پکڑ دھکڑ سی مچ گئی تھی گویا۔

"دیکھو... تم ایسا کچھ نہیں کرو گے، وہ شریف لوگ ہیں۔" وہ بہت عجلت میں بولیں، سلمان نے اب کے سر خم کیا تھا۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پہ، مگر ایسا تب ہو گا اگر وہ لوگ واقعی شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے انکار نہیں کریں گے تو ہمیں کیا پڑی ہے بدمعاشی کا مظاہرہ کرنے کی، بہت عزت سے ان کی بیٹی اپنائیں گے، وہ چاہیں تو ہم بگھی پہ بھی جا سکتے ہیں لڑکی لینے اور ان کی خواہش ہو تو ڈولی میں اپنی لڑکی رخصت کر دیں، ہم ان کی ہر شرط ماننے کو تیار ہیں۔"

ان کا اپنا مخصوص انداز تھا، اطمینان بھرا اگر دوسروں کا چین لوٹ لینے والا، اماں سینے پہ ہاتھ رکھے کھڑی تھیں، آنسو گالوں پہ اتر آئے، جنہیں دیکھ کر وہ ناراض سا ہوا۔

"کیسی ماں ہیں؟ بیٹے کا گھر بسانے کی خواہش جان کر خوشی کے بجائے......"

"سلو میرے بیٹے کسی کی آہ نہیں لیتے، میں جانتی ہوں اب وہاں سے انکار ہو گا۔" وہ اب باقاعدہ رونے لگیں، سلمان انہیں سنجیدگی سے دیکھتا رہا۔

"ہو جانے دیں، آپ بس ایک کارروائی نبھا لیں اور ہاتھ جھاڑ لیں، کہ مجبور ہے، پھر آپ

ریٹائرڈ اور ہم......"

"سلو......اور بھی لڑکیاں ہیں دنیا میں یہ کوئی آخری......"

"ہم جانتے ہیں والدہ، اور بھی ہیں، بہت ہیں، ہر روز ہم یہی تو کام کرتے ہیں، جو تمہی ہی تو برتتے ہیں، مگر گھر بنانے کو صرف حسن کی ضرورت تھوڑی ہوتی، گھر بنانے کو نسل بڑھانے کو کسی خالص پن کی کورے پن کی ضرورت ہوتی اور وہ ہمیں عمامہ بی بی میں بھا گیا ہے، اب کیا کریں، ہم تو ایسے ہی ہیں، تھوڑے کوڑے تھوڑے بگڑے، جیسے بھی ہیں، عمامہ بی بی کو بھانا تو پڑے گا، چلتے ہیں، امید ہے آپ ہمارا کام جلدی کریں گی اور ہمیں کسی ذاتی زحمت سے بچالیں گی، باقی آپ خود مالک ہیں اپنی مرضی کی، آپ کو کیا کہیں گے بھلا؟"

بدمعاشی سے بات کرتے اس نے آخر میں دانستہ خود پہ بے چارگی طاری کر لی، اماں کو ہاتھ ہلایا اور یہ جا وہ جا، اس کی پجارو کی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنتی اماں غمزدہ بیٹھی رہیں، یوں تو اس کے ہمیشہ ہی جانے پہ افسردہ ہو جایا کرتی تھیں مگر اس بار ان کا دل بری طرح زخمی ہوا جا رہا تھا۔

☆☆☆

چلو اب بال کھولیں اور کریں کچھ وجد کی باتیں
چلو خوابوں کی مٹی میں حقیقت کو ملائیں ہم
چلو قبریں بنائیں ہم
چلو نمکین اشکوں سے بنائیں عطر حسرت کا
چلو اب تربت احساس پھر چھڑکیں لہو اپنا
چلو چادر چڑھائیں ہم مزار ذات پر اپنی
کہیں سے پتیاں لاؤ
فراق یار سے مہکی ہوئی کچھ پتیاں لاؤ
چلو شمع جلائیں ہم سرہانے گور کے اپنے
چلو اب بال کھولیں ہم اور کریں کچھ وجد کی باتیں
چلو اب رقص کرتے ہیں تمناؤں کے مرقد پر
کریں کچھ بین خوابوں کا
کریں کچھ ماتم یتیمی
چلو تعویذ لکھیں ہم اور اس پہ رقم یہ کر دیں
کہ ابن آدم اس مٹی میں سوتا ہے
یہی تو کھیل باقی ہے جو سب کے ساتھ ہوتا ہے

خالی جھولا ادھر ادھر جھول رہا تھا، وہ نیچے سبز گھاس پہ بیٹھی تھی، گھاس کریدتی اور کبھی یہ عمل ترک کر کے فضاؤں میں گھورنے لگتی، ہزاروں مرتبہ یہ سوال خود سے کر چکی تھی وہ حسین کے بغیر رہ سکتی ہے؟ جواب انکار میں ہوتا، اپنی انا کو بھی پس پشت ڈال بیٹھی مگر بات بنی نہیں تھی، یہاں تک کہ اس نے دادو سے بھی لڑائی کر دیکھی۔

''آپ بجائے اس کے کہ اسے بلیک میل کریں اسے اس عورت سے بچانے کے بجائے آپ نے الٹا اسے اس رشتے سے ہی آزاد کر دیا، بہت خوب دادو، میں کتنی پاگل تھی کہ سمجھتی رہی آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں، میری خوشی کی خاطر ہر حد تک جا سکتی ہیں، اب بھی، میں غلط تھی، کاش میں مر ہی گئی ہوتی، زندہ رہ کر مجھے حاصل وصول بھی کیا ہے۔'' وہ انتہائی جذباتی کیفیت سے گزر رہی تھی، دادو نے بے اختیار اسے سینے سے لگا لیا تھا۔

''مجھے غلط مت سمجھو صندل، ابھی وہ اتھرا ہوا ہے، قابو میں نہیں آئے گا، لیکن ایک وقت آئے گا کہ یہ ابال یہ جوش مدھم پڑ جائے گا، تمہیں بھی میرے ساتھ اس وقت کا صبر سے انتظار کرنا ہو گا بیٹے۔'' انہوں نے کتنے رسان سے پیار سے سمجھایا تھا مگر اس کی بدگمانی میں ذرا برابر فرق نہیں آ سکا، تنے ہوئے ذہن کے ساتھ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی، کچھ دیر یونہی ٹہلتی رہی، ذہن میں طوفان مچا ہوا تھا، غم و غصے کی شدت سے پاگل بنائے دے رہی تھی۔

(کچھ بھی ایسا کروں کی ضرور حسین شاہ کہ تمہیں حاصل کروں، اب میں ہاروں گی نہ پیچھے ہٹوں گی)۔

معاً وہ ٹہلتے ہوئے ایک دم تھم گئی، کام والی ملازمہ نے ٹی وی چلا رکھا تھا، ڈرامہ میں وقفہ آیا تو مختلف اشتہار چلنے لگے تھے، اس کے چونکنے کا باعث ایک اشتہار ہی تھا۔

''بابا بنگالی، ہر طرح کے جادو ٹونے کا توڑ، سنگدل سے سنگدل محبوب آپ کے قدموں میں، محبت کی شادی کامیابی کے ساتھ، بیٹی کے طلاق کا معاملہ ہو یا کاروبار کی بندش ہر کام گارنٹی کے ساتھ ایک عمل سے پکا۔'' آگے مزید تفصیلات اور فون نمبر ایڈریس وغیرہ تھا، صندلین جو سنگدل محبوب قدموں میں سن کر ہی مبہوت ہو گئی تھی چونکی اور لپک کر عجلت میں لپ پنسل سے ہی فون نمبر نوٹ کیا، اب اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی، اسی شام اس نے فون پہ رابطہ بحال کیا تھا، جواب میں ایک کھر کھری آواز والے مرد نے کال ریسیو کی، صندلین نے جھٹ مدعا کہہ سنایا۔

''سمجھیں آپ کا کام ہو گیا، مگر ایک صدقے کا کالا موٹا تازہ بکرا دو سونے کے تعویز اور پچیس ہزار روپیہ آپ دیں گی تب۔''

صندلین تو پوری کائنات وار سکتی تھی حسین شاہ کو پانے کی خاطر، فوراً حامی بھر لی، ساتھ ہی البتہ اپنی مجبوری بتا دی کہ وہ یہ ساری چیزیں خرید کر نہیں لا سکتی، کھر کھری آواز والے بابا نے بھی جواباً حوصلہ دے دیا کہ یہ اتنا اہم مسئلہ نہیں، اس سارے سامان کی مالیت ڈیڑھ لاکھ بن رہی ہے تو وہ رقم کی ادائیگی کر کے عمل کروا لے، صندلین کے صحیح معنوں میں پیر زمین پہ نہیں ٹک رہے تھے، مگر اب مسئلہ اس بابا بنگالی تک پہنچنے کا تھا۔

''بی بی صیب ...... او بی بی صیب ...... ام کب کا آپ کو آوازیں دیتی آپ سنتا کیوں نہیں بھلا؟''

اسے خیالات سے چونکانے کا باعث یہ خالص پٹھانی لہجہ تھا، وہ حیران ہو کر سر اٹھاتی گیٹ کی جانب دیکھنے لگی، جہاں وہ نوجوان اچک اچک کر اسے متوجہ کر رہا تھا۔

''کیا تکلیف ہے؟'' ناگواری کی شکنیں ماتھے پہ لئے وہ پھٹ پڑی۔

''ام کو کیا تکلیف ہوگا بی بی ام اچھا بھلا ہے، آپ گیٹ کھولو ام اندر آئے گا۔'' جواب میں معصومیت سے فرمایا گیا تو وہ جھلا اٹھی۔

''کیوں اندر آئے گا؟ تم ہو کون؟''

''بی بی ام انسان اے جن بھوت نہیں، ڈرو مت، ام نوکری کو آیا، آپ گیٹ تو کھولو۔''

''ہمیں نوکر نہیں چاہیے، تم جا سکتے ہو۔'' اس نے بے زاری قائم رکھی۔

''ام کو بڑے صاحب نے بھیجا ہے، ڈرائیور کی نوکری کی خاطر، ام تو ایسے نہیں جائے گا، انہوں نے بولا تھا تمہارا نوکری پکا ہے۔''

وہ پٹھان کا بچہ اینٹھا، صندگین حسین کے والد کا حوالہ سن کر گہرا سانس بھر کے رہ گئی، تذکرہ تو دادی نے بھی اس سے کیا تھا کہ بڑے پاپا ان کی سہولت کی خاطر گاڑی بمعہ ڈرائیور بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

''آؤ مرو اور جو بھی بات کرنی ہے دادی سے کرو، میرے سامنے مزید بک بک نہ کرنا۔''

گیٹ کھول کر اسے جھاڑتی وہ اپنی راہ ہو لی تھی، جبکہ شیر خان منہ کھولے اس آفت کی پرکالہ کو حیران سا جاتے دیکھتا رہا، اب اس کی جانے بلا دادی کون تھیں اور اسے کہاں دستیاب ہو سکتی تھیں۔

☆☆☆

میں اپنی ایڑھی پہ تیزی سے گھومتا ہوں
کہ چہار جانب تمام منظر بدل کے
نظارہ مسلسل میں ڈھل گئے ہیں
عجب منظر ہے
اک فسوں ہے
ایک سپنا جو صرف اپنا ہے
تم نہیں ہو
کہو تو یہ گردش ماہ و سال
اپنی ایڑھی پہ روک لوں میں
جو اک تسلسل ہے منظروں کا
وہ توڑ دوں میں؟
مگر یہ تب ہو سکے گا ممکن
اگر میرے ساتھ تم رکو تو
اگر میرے ساتھ تم رکو تو

موسم بدل چکا تھا، اب رات کے علاوہ سردی کا راج دن میں بھی قائم ہونے لگا تھا، دن چھوٹے اور مختصر اور راتیں طویل تر ہو گئی تھیں، سارا دن مصروفیات اور بھاگ دوڑ لگی رہتی، صبح جاگنگ پھر یونیورسٹی اور اس کے بعد اکیڈمی روٹین بہت لف تھی وہ بے حد تھک جاتی، رات کو کہیں

جا کے فرصت میسر آئی تب بھی اتنا ٹائم ہی ہوتا کہ کھانا سب کے ساتھ

اسے اسٹڈی کرنا ہوتی تھی، یہ سال بہت اہم تھا اور کامیابی کا حدف اس کا جنون۔

''کبھی گھر کے معاملات میں بھی جھانک لو کیا ہو رہا ہے، سب کچھ پڑھائیاں ہی نہیں ہوتیں۔'' اس وقت بھی وہ اسد کے بلانے پہ کھانے کی میز پہ ابھی آ کر بیٹھی ہی تھی کہ مام نے اسے دیکھتے ہی کاٹ دار طنزیہ انداز اپنایا، وہ کچھ چونک گئی۔

''کیا ہو رہا ہے گھر میں؟'' اس نے ابرو اچکا کر ان کی بجائے پپا کی طرف دیکھا، ماں سے بھی ابھی تلک خفا تھی، باپ کے معاملے میں برتی گئی ان کی حد سے زیادہ لاتعلقی اسے ان سے قلبی و ذہنی فاصلے پہ لے گئی تھی۔

پپا نے اس سوال پہ احتراز برتا اور محض کاندھے اچکا دیے، جانتے تھے اگر انہوں نے کوئی جواب دے دیا ہے تو یہ براہ راست طبل جنگ بجانے کے مترادف ہوگا۔

''مجھ سے بات کرنا بھی گوارا نہیں، تو اب میں دشمن ہو گئی تمہاری۔'' مام نے زور سے چمچ پلیٹ میں پٹخا، ان کی ناگواری میں ہر لحظہ اضافہ ہو رہا تھا۔

''یہاں ایسا کسی کا کوئی مطلب نہیں تھا مام، سو پلیز کام ڈاؤن، آپ بتلایئے کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔'' آیت نے از حد رسان کا مظاہرہ کیا، اس کے باوجود مام اسے گھورتی رہی تھیں۔

''یہ اچانک اتنی یونیورسٹی کو کیوں پیاری ہوتی جا رہی ہو تم کہ اور کچھ سوجھتا نہیں ہے اب۔'' اس سوال پہ آیت نے متحیر نظروں سے انہیں دیکھا، کیسا فضول اور بے جا اعتراض کا نقطہ تھا، اس نے سرد آہ بھری۔

''مام میرے ایگزیم نزدیک ہیں، آپ جانتی تو ہیں اس بارے میں۔'' وہ چڑ گئی، اب اس نے بھی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''ایگزیم پہلے بھی آتے جاتے رہے ہیں تمہارے سب جانتی ہوں کن چکروں میں ہو تم۔'' انہوں نے غصے میں میز پہ ہاتھ مارا، آیت نے ہونٹ بھینچ لیے، ایک نظر اسد کو دیکھا جو مسکراہٹ دبائے بیٹھا تھا اس کی اس کلاس پہ۔

''آپ کیا کہنا چاہتی ہیں مام، بہتر ہوگا اپنا اور میرا موڈ اور وقت برباد کیے بغیر کھل کر بات کر لیں۔'' اب اسے بھی غصہ آنے لگ گیا تھا، اسے لگ رہا تھا مام ہر گزرتے دن کے ساتھ سائیکو ہوتی جا رہی ہیں۔

''میری اطلاع کے مطابق تمہارا وہ ہینڈسم کزن تمہاری یونیورسٹی میں اپائنٹ ہوا ہے لیکچرار کے طور پہ۔'' ان کے لہجے میں موجود تضحیک کا عنصر اور از حد رعونت نے پپا کے چہرے پہ غیر محسوس سرخی پھیلا دی۔

''تو آپ اس وجہ سے یوں ٹمپر لوز کیے پھر رہی ہیں؟'' آیت نے طنزیہ استفسار کیا، انہوں نے نفرت سے ہنکارا بھرا۔

''میری جوتی بھی نہیں جلتی اس بات سے، وہ کیا ہے کہ جوتے جتنے مرضی قیمتی خرید لیں مگر پہنے پیروں میں ہی جاتے ہیں، مہنگے ہو جانے سے انہیں سر پہ کوئی نہیں رکھے پھرتا۔'' ان کے لہجے

"جب آپ کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے مام تو پھر کیوں اپنا خون جلا رہی ہیں؟" اس کا لہجہ ٹھنڈا ہونے کے باوجود مام کو بھڑکانے کا باعث بن گیا۔

"میرا مسئلہ تم ہو آیت، میں کسی قیمت پہ تمہیں حویلی والوں کو نہیں دوں گی، تمہارے باپ نے جب یہ کرتوت گھولی اس وقت مجھے لاعلم رکھا، بلکہ میں تو بعد میں بھی کئی سال اندھیرے میں رہی۔" ایک دم کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے چیخیں، آیت سکون سے انہیں دیکھتی رہی۔

"تو سوچ لیں، اگر اس وقت آپ کی لاعلمی و عدم موجودگی میں اہم کام انجام پا گیا تو پیچھے تو معاملے کی بہت معمولی کاروائی رہ گئی، آپ کیا کر لیں گی۔" اسے جانے کیا سوجھی کہ انہیں ٹھہرا کر رکھ دیا، اب کے مام کے ساتھ ساتھ پپا اور اسد نے بھی اسے چونک کر بہت غیر یقینی سے دیکھا تھا۔

"واٹ؟" مام کی آنکھیں حلقوں سے ابلنے کو آئیں۔

"کیا کہا تم نے؟" ان کا رنگ سرخ پڑنے لگا۔

"وہی جو آپ نے سنا۔" آیت بھی اٹھ کھڑی ہوئی، کرسی دھکیل اور پلٹنے کو تھی کہ مام نے طیش میں بے قابو ہوتے اس کا بازو دبوچنے کے انداز میں جکڑا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے آیت۔" آیت نے اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش نہیں کی، اسی سکون سے انہیں دیکھتی رہی۔

"کام ڈاؤن مام، جسٹ ریلیکس۔" اب کے اسد نے مداخلت کی تو ان کا ضبط اور چھلک پڑا، انہوں نے بری طرح سے اسے جھڑکا۔

"تم بیچ میں مت بولو۔" وہ پھریں، پھر دوبارہ آیت کو گھورتے ہوئے غرائیں۔

"ہاں..... تم بتاؤ..... سب خیریت ہے.....؟ وہ پینڈو کزن پسند تو نہیں آ گیا تمہیں؟ ویسے مت بھولو خالی خولی شکل ہی ذرا اچھی ہے اور تو....."

"اسد ٹھیک کہہ رہا ہے مام، آپ کو اپنا دماغ ٹھنڈا کرنے کی ضرورت ہے، ٹینشن فری ہو جائیں، پھر بات کر لیں گے اس موضوع پہ، ویسے آپ کی بات پہ ابھی مجھے غور کرنا ہے، ضرور کروں گی اب۔" آیت انہیں ستانے والے انداز میں مسکرا کر کہہ گئی تو مام نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"کون سی بات؟"

"معیز کی اچھی شکل کے بارے میں، اب تو اور آسانی ہو گئی ہے، یونی میں ہی ملاقات ہو جائے گی۔"

اس کا دل جلاتا انداز مام نے جھلا کر خود ہی اس کا ہاتھ جھٹکا اور دھپ دھپ کرتیں ڈائننگ ہال سے نکل گئی تھیں، تینوں اپنی جگہ پہ خاموش ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، سب سے پہلے آیت نے سر جھٹکا، کاندھے اچکائے اور کمرے سے باہر آ گئی۔

ملازمہ کو آواز دے کر اسٹرانگ چائے کمرے میں بھجوانے کا کہا اور خود اندر آتے ہی کتابیں

لے کر بیٹھ گئی، اس کا ذہن بہت بٹا ہوا تھا مگر وہ کوئی ٹینشن لینا نہیں چاہتی تھی، ساری توجہ پڑھائی پہ مرکوز کرنا تھی، جبھی ہر سوچ کو جھٹک کر کتاب کھول لی مگر پہلے ہی مرحلے پہ پھر ناکامی ہوگئی، دروازہ ناک کرتا ہوا اسد چائے کی ٹرے کے ساتھ اندر چلا آیا تھا۔

''تم کیوں آئے ہو؟'' وہ اسے دیکھتے ہی تیوری چڑھا گئی۔

''ڈیئر سس کے ساتھ مل کر چائے پینے۔'' وہ لگاوٹ ظاہر کرتا مسکرایا، آیت اسے گھورنے لگی۔

''ہرگز نہیں، میرا کپ یہاں چھوڑو اور یہاں سے چلتے بنو۔'' اس کے انداز میں واقعی رعایت نہیں تھی کوئی مگر اسد نے پھر بھی کوئی اہمیت کہاں دی۔

''تم اتنی بے مروت تو کبھی نہیں تھیں لڑکی۔''

''اب ہوگئی ہوں۔'' آیت نے اپنا مگ اٹھا اور ٹرے اٹھانے اور باہر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے نخوت سے جواب دیا۔

''کیوں بھلا؟ معیز بھائی سے پیار ہو جانے کی خوشی میں؟'' اسد دانت نکال کر جس طرح بولا، آیت نے چائے سمیت ہاتھ میں پکڑا مگ بے دریغ اس کی طرف پھینک دیا، چائے راستے میں ہی گر گئی، مگر البتہ اسد کے شانے کی ذرا سی خبر لے سکا۔

''اف..... باپ رے، تم تو خاصی خونخوار ہو چکی ہو۔'' اسد واقعی بوکھلا اٹھا تھا۔

''اب کرتا ایسی بکواس۔'' آیت کا انداز صرف دھمکی دینے والا نہیں تھا، اسد مسکرانے لگا۔

''اچھا جی، خود جو مرضی کہتی رہو، ہم.....''

''اسد..... میرا موڈ خراب نہ کرو، یہ میرا اسٹڈی کا ٹائم ہے۔'' وہ جھلائی۔

''ساری رات پڑی ہے یار، ایسی بھی کیا بے مروتی۔'' اسد نے اب کے اسے مکھن لگانا چاہا اور ساتھ ہی اپنی چائے اسے پیش کر دی، آیت کچھ دیر اسے گھورتی رہی پھر مگ تھام لیا۔

''یعنی تم جان نہیں چھوڑو گے؟'' اس نے گہرا سانس بھر کے مارمائی تو اسد کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''سمجھدار بچی ہوگئی ہو تم تو قسم سے۔'' آیت نے چائے کا گھونٹ بھرا اور اسے یونہی خشک نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''اب بکو جو بھی تمہیں بکنا ہے اور یہاں سے جاؤ۔'' اس کا انداز عاجز آیا ہوا تھا۔

''کہنا کیا ہے یار، محض یہ کہ تم بس اسی تندہی سے اس محاذ پہ ڈٹی رہنا، پھر تتے خیراں ہیں۔''

''کس محاذ پہ؟'' وہ قطعی نہیں سمجھ سکی، اسد اسے کون سا سبق پڑھا رہا ہے۔

''واٹ یو مین؟ کس محاذ پہ۔''

''یہی مام کی مخالفت اور معیز بھائی کی حمایت والے۔'' وہ جس طرح دانت نکوس کر بولا تھا، آیت کا دوسری بار پھر دل چاہا کہ چائے کا مگ اسے کھینچ مارے۔

''مجھے سب پتا ہے جو اس معاملے میں تمہارا فائدہ نکل رہا ہے مگر کان کھول کر سن لو، نہ تو میرا اس بقول اماں کے پینڈو معیز سے کوئی معاشقہ چل رہا ہے کہ میں ایسا کروں، نہ تمہیں زیادہ خوش ہونے کی ضرورت ہے، بہتر ہوگا پہلے کچھ بن جاؤ، پھر عاشقی بھی کر لینا، مگر مشکل ہے مام ایشل کو

ایکسپٹ کریں۔''
بے دریغ اس کی توقعات توڑتی ہوئی وہ اسے پھر سے کمرے سے نکل جانے کا کہہ رہی تھی، اسد کا منہ لٹک گیا۔
''تم بہت......''
''ہاں میں ہوں بہت بے حس بھی خود غرض بھی، اب جاؤ۔'' وہ دھاڑی، اسد نے اسے غصیلی نظروں سے دیکھا۔
''ایشل بہت خوب صورت ہے اور میں صرف اسی سے شادی کروں گا یہ بات میری طرف سے تم مام کو ضرور بتا دینا۔'' ایک دم غصے میں تن فن کرتا وہ کمرے سے چلا گیا، آیت کچھ دیر اس کے ملیش پہ غور کرتی رہی پھر خود بھی غصے میں کتاب بند کر دی، پہلے مام نے اور بعد میں اس اسد نے آ کر اس کا سارا پڑھائی کا موڈ غارت کر دیا تھا۔

☆☆☆

تیرے ٹھٹھرائے ہوئے پیکر میں
گرمی خون کی تضحیک پہ شرمندہ ہیں
ہم گنہ گار تیرے
آرزوؤں کی جواں سالی کی پامالی پر
ہم کہ سنگی قدم پڑتے ہوئے دیکھتے رہتے تھے مگر کیا کرتے
ایک ایک کر کے اتر تیرے لحد لحد
رات دن وقت کے مینار سے غم
اور ہم تکتے رہے تکتے رہے
یونہی چپ چاپ کھڑے تکتے رہے
تیری ہمت تھی کہ ادھڑے ہوئے سینے کو لگا کر جینے
جنگ کے مدمقابل بیٹھے
کشمکش روح جلا دیتی ہے
حیف ہے جو ہم نے بھی دیکھی ہو دھند تیری آنکھوں میں
تیرے ٹھٹھرائے ہوئے پیکر میں
زندگی برف کا بت چھوڑ گئی
موت کے لمس کا پتھریلا پن
زخمی قلب پہ بنتے ہوئے کچھ کہتا ہے
داستانوں سے کرے لفظ کی تعظیم میں
مٹی نے تجھے گود لیا
خاک ہی خاک کو کھا سکتی ہے
ورنہ رہ جائیں نشاں ہونٹوں پر

تیرے ٹھکرائے ہوئے پیکر میں
جاتے جاتے ہوئے موسم کی تھکی ہاری طمانیت ہے
تیرے ٹھکرائے ہوئے پیکر میں
میری سنولائی ہوئی روح بھی ہے
تیرے ٹھکرائے ہوئے پیکر میں
میرا کملایا ہوا درد بھی ہے
تیرے ٹھکرائے ہوئے پیکر میں
میری مرجھائی ہوئی آس بھی ہے
تیرے ٹھکرائے ہوئے پیکر میں
میری گھبرائی ہوئی سانس بھی ہے
تیرے ٹھکرائے ہوئے پیکر میں
میرا ٹھکرایا ہوا مان بھی ہے
تیرے ٹھکرائے ہوئے پیکر میں
میری ٹھکرائی ہوئی جان بھی ہے

شام سے پہلے رات اتر آئی تھی، در و دیوار سے یاسیت ٹپکتی تھی، اسے لگتا تھا وہ راستہ بھول گئی ہے اب کبھی وہ دوبارہ گھر نہیں جا سکے گی، پورا دن ہاسپٹل کی راہداریوں میں خوار ہوتے گزرا لیبارٹری سے مختلف وارڈز میں چکر لگاتے وہ خود نڈھال ہو گئی مگر اصل اذیت اس وقت جسم و جاں میں اترتی محسوس ہوئی تھی جب اس کی ماں کا مرض تشخیص ہوا، انہیں بلڈ کینسر تھا اور دوسری اسٹیج تھی، اگر بروقت علاج نہ کروایا جاتا تو...... وہ اس اکلوتے رشتے سے بھی محروم ہو جاتی، اسے لگا تھا اس کے قدموں تلے زمین ہے نہ سر پہ آسمان۔

صبح جب امی کو اچانک طبیعت خراب ہونے کے باعث وہ قریبی کلینک لے کر آئی تو ڈاکٹر نے انہیں چیک اپ کے بعد ہاسپٹل لے جانے اور سرجن سے کنسرن کرنے کا کہا تھا، کھٹک تو حمہ اسی وقت گئی تھی مگر جو بیماری سامنے آئی اس کے متعلق تو اس کا گمان بھی نہیں تھا، ڈاکٹر نے انہیں فوری ایڈمٹ ہونے اور ٹریٹمنٹ شروع کروانے کی نصیحت کی تھی اور حمہ کے پاس سوائے گھر کے ایسا کچھ بھی نہیں تھا جسے وہ علاج کے لئے بیچ سکتی۔

اب جتنی جلدی ممکن ہوتا وہ گھر کی قیمت لگوا کر ان کے علاج کا بندوبست کرنا تھا، مگر کیا واقعی اتنی جلدی یہ ممکن تھا جتنا جلدی علاج ضروری۔

''محترمہ آپ حواسوں میں ہیں یا گھر سے نکلی ہی اس ارادے سے ہیں کہ کسی کے سر چڑھیں۔'' گاڑی کے ٹائر اس سے کچھ فاصلے پہ بہت زور سے چرچرائے وہ تب بھی نہیں چونکی مگر جب ایک بددماغ بداخلاق بندے نے آ کر ایک طرح سے اس کے کان میں چیخ کر ناگواری سے کہا تب وہ خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''مس...... ہیلو...... کہاں پہنچ گئیں؟ مانا بہت ہینڈسم ہوں میں مگر میرا خیال ہے آپ بھی کچھ کم

قیامت نہیں ہیں۔"
غصے کی جگہ مسکراہٹ نے لے لی، اب وہ بہت پہ شوق نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، حمدہ کا دل ایک دم بھر آگیا، آنکھوں کی نمی نے آنسوؤں کی شکل اختیار کر لی، وہ غم سے نڈھال تھی اور بھرے پیٹ، خوشحال بے فکرے لوگ ہر جگہ انجوائے منٹ ڈھونڈ لیتے ہیں۔
"ارے..... آپ تو رونے لگیں، سوری بھئی اگر آپ کا دل دکھا ہے تو۔" حسین شاہ ایک دم نروس ہونے لگا، حمدہ کچھ نہیں بولی، ایک سائیڈ پہ ہو گئی، گویا اسے جانے کا راستہ دیا۔
"آپ مجھے پریشان لگ رہی ہیں، کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں؟" حسین شاہ اسے بغور دیکھ رہا تھا، حمدہ نے اسے حیران نگاہوں سے دیکھا، وہ کیا چیز تھا، سر نفی میں ہلاتے وہ چہرا پھیر گئی، آنسو ایک بار پھر ابلنے لگے تھے، ایک دم اس پہ ایسی افتاد ٹوٹی تھی کہ اسے خود کو سنبھالنے کا ہنر بھول گیا تھا۔
"مائی گڈنیس، آپ کو لازماً پرابلم ہے اور آپ اب بھول جائیں کہ میں ایسے آپ کو چھوڑ کر جانے والا ہوں، بھلے آپ بعد میں مجھ پہ کوئی کیس کر دینا مگر ابھی آپ کی ہیلپ کیے بغیر میں ہرگز نہیں ٹلوں گا۔" اپنی بات مکمل کر کے حسین شاہ نے ایک دم اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور اپنی گاڑی میں بٹھا کر دم لیا، حمدہ تو اس زبردستی کے مظاہرے پہ ٹھیک سے حیران بھی نہ ہو سکی، البتہ اس کا ہاتھ جھٹک کر غصے سے بے قابو ضرور ہو گئی۔
"آپ کیا پوری دنیا کے ٹھیکیدار ہیں جو لازماً میری مدد کریں گے، آپ ہیں کون اور کس لئے مسلط ہوئے جا رہے ہیں؟" وہ چڑ کر چلائی تو حسین شاہ نرمی سے مسکرانے لگا تھا۔
"یہ غصہ آپ کی نسوانیت کا ہیلا حق ہے۔" حمدہ ایک دم خاموش ہو گئی، اسے گھورنے لگی۔
"میں چیخوں گی آپ نے اگر مجھے اپنی گاڑی سے نہ اتارا تو۔" اپنی کم ہمتی سے آگاہ ہونے کے باوجود اس نے بہت لاچار انداز میں دھمکی دی، اب کے حسین شاہ یکا یک سنجیدہ ہو گیا۔
"آپ مجھ پہ اعتماد کیوں نہیں کر لیتیں، یہ سوچ کر کہ خدا نے مجھے آپ کا مسیحا بنا کر بھیجا ہو گا۔"
"آپ مجھے یہاں اتار رہے ہیں کہ نہیں؟" وہ ضبط کھو کر چیخی، ساتھ ہی دروازہ کھولنے کی کوشش کی، حسین نے اس مرتبہ اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا۔
"نیکی کے جذبات کی قدر کرنے کی بجائے آپ جیسے لوگ ہی ہوتے ہیں جو اسے پروان نہیں چڑھنے دیتے، اپنی بلاؤ، آپ کو مجھ پہ اعتماد نہیں ہے تو ٹھیک ہے آف کورس میں آپ کی کوئی مدد زبردستی کر بھی نہیں سکتا، جا سکتی ہیں آپ۔" اب کے اس نے کہا نہیں تھا، ذرا سا آگے کی سمت جھک کر دروازہ کھول دیا، حمدہ جہاں یکدم پر سکون ہوئی وہیں اترنے میں تجاہل بھی برتا، حسین جو اس کے اترنے کا منتظر تھا، اس تذبذب کی کیفیت کو نوٹس کرتا ہوا اسے ابرو اچکا کر دیکھنے لگا۔
"اب کیا ہے؟"
"مم..... وہ..... دراصل۔" مدعا کہنا اتنا مشکل تھا کہ آنسو رواں ہو گئے، خودداری کا سودا اتنا آسان نہیں، وہ بھی سرراہ کسی اجنبی کے سامنے، مگر اس کا تھا بھی کون، اگر یہ ہمدرد بن رہا تھا زبردستی

تو آزمالینے میں حرج کیا تھا، جبکہ وہ اپنی دوستوں کلاس فیلو تک کے آگے ہاتھ بھی پھیلا چکی تھی۔
''آپ اس قدر کنفیوژڈ کیوں ہیں میم؟'' حسین اب واقعی پریشان ہو گیا تھا، ایک بے حد دلربا مگر روتی ہوئی لڑکی اسے یہ سچویشن ڈسٹرب کرنے کو کافی تھی۔
''پتا نہیں، مگر مجھے آپ سے یہ کہنا چاہیے کہ نہیں، لیکن..... میری مدد کو بلڈ کینسر تشخیص ہوا ہے، میں ان کا ہر صورت علاج کروانا چاہتی ہوں مگر.....''
''آپ کو رقم کی ضرورت ہے؟'' حسین اس کا مدعا سمجھ گیا تھا، وہ ایک دم ہونٹ بھینچ گئی، جانے کیسے بات منہ سے نکل گئی، اب پھر وقار اور حیا دامن سے لپیٹ گئی، اس کا سر پھر جھک گیا، اس کی زبان سل گئی بس ایک زبان تھی آنسوؤں کی جو اپنی کیفیت بیان کر رہی تھی۔

☆☆☆

تمہارے خط میں نیا اک سلام کس کا تھا
نہ تھا رقیب تو آخر وہ نام کس کا تھا
وہ قتل کر کے مجھے ہر کسی سے پوچھتے ہیں
یہ کام کس نے کیا ہے یہ کام کس کا تھا
وفا کریں گے نبھائیں گے بات مانیں گے
تمہیں بھی یاد ہے کچھ یہ کلام کس کا تھا
رہا نہ دل میں وہ بے درد اور درد رہا
مقیم کون ہوا ہے مقام کس کا تھا
نہ پوچھ کچھ تھی کسی کی وہاں نہ آؤ بھگت
تمہاری بزم میں کل اہتمام کس کا تھا
گزر گیا وہ زمانہ کہوں تو کس سے کہوں
خیال دل کو میرے صبح و شام کس کا تھا
ہر اک سے کہتے ہیں کیا داغ بے وفا نکلا
یہ پوچھے ان سے کوئی وہ غلام کس کا تھا

''آپ ناشتہ نہیں کریں گے؟''
ایشال اس کی سہولت کی خاطر ہی ٹرے کمرے میں لائی تھی، اب اکثر لیٹ ہو جانے سے خائف وہ ناشتہ گول کرنے لگا تھا، اسے بھائی کا بہت خیال تھا، جبھی ٹرے کمرے میں لے آئی کہ کچھ نہ کچھ ضرور وہ کھا کر جائے، باقی تیاری میں بھی مدد دیا کرتی تھی، کپڑے استری کیے، موزے سامنے رکھے، جوتے پالش کر دیئے، والٹ، گاڑی کی چابی، موبائل، بیگ۔
''جب تک بھابھی نہیں آ جاتیں میں یونہی آپ کو ٹینشن فری رکھوں گی۔'' اس کی سنجیدگی دیکھتے ہوئے وہ اسے چھیڑنے کو بولی مگر معیز کے چہرے پہ خواہش کے مطابق مسکراہٹ نہ پھیلا سکی۔
''ایسے خواب بہتر ہے نہ دیکھو، ہمارے ستارے نہیں ملتے اور اگر مل گئے تو آپس میں بار بار

کروانے کے لیے [illegible] فری نہیں رہوں گا۔" وہ چڑ کر کہہ گیا تو ایشال نے ناراضگی سے دیکھا تھا اسے۔

"اب ایسی بھی نہیں ہے آیت۔"

"میں اسے ایک ملاقات میں ہی جان گیا ہوں کہ کیسی ہے؟" معیز کا انداز سرد تھا، ایشال زور سے چونکی۔

"واٹ یو مین ایک ملاقات بھائی، کیا ان سے آپ روز کالج میں نہیں ملتے؟" وہ حیران سی حیران تھی، معیز نے اسے تمسخر سے دیکھا۔

"کیوں ملوں گا اس سے میں؟ نہ وہ میرے فراق میں آہیں بھرتی ہوئی پائی گئی ہے نہ میں اس کے عشق میں پاگل ہوا ہوں، پھر اس بے قراری کی وجہ؟" وہ اب غصے میں آ گیا تھا، ایشال شرمندہ نظر آنے لگی۔

"حد ہو گئی بھائی، اتنا برا کیوں منا رہے ہیں بھلا، میں نے تو ایک کامن بات کی تھی کہ دونوں ایک جگہ پہ ہیں تو کیا مضائقہ ملاقات ہو جاتی ہو گی، اس اہم رشتے میں اک دوسرے سے ملنے کے لئے لازمی تو نہیں نہ ان دونوں باتوں کا ہونا ضروری ہے۔" اپنی بات کی وضاحت کے جواب میں اس نے معیز کو سر جھٹکتے دیکھا، پھر جیسے کچھ یاد آنے پہ باہر نکلتا ہوا تھم گیا۔

"تم اپنی تیاری رکھو، تمہارا ایڈمیشن میں وہیں کروانا چاہتا ہوں، بابا کو منانا بھی میرا ہیڈک ہے، بس تمہیں ٹیسٹ کلیئر کرنا ہو گا۔"

"آپ کیوں فکر کرتے ہیں بھائی، آپ کی اسٹوڈنٹ ہوں، اتنی نالائق نہیں ہو سکتی۔" ایڈمیشن کا سنتے ہی اس کی آواز میں چہکار اتر آئی، معیز باہر نکلا تو پہلا سامنا ہی ابا سے ہو گیا جو میٹھی لسی کا پورا گلاس ایک سانس میں خالی کرنے کے بعد منہ صاف کرتے ہوئے ایک لمبا ڈکار لے کر فارغ ہوتے ہی اس پہ چڑھ دوڑے۔

"تجھے میں نے کل ہی کہا تھا کہ اپنے چاچے کے گھر پہ گنے پکڑا جا مگر گٹھڑ ابھی تک وہیں پڑا ہوا ہے، تجھے ایک بار کی کہی بات کی سمجھ نہیں آتی۔"

"ابا جی وہاں کون یہ گنے چوستا ہے، آپ کو یہ بات کیوں سمجھ نہیں آتی؟" وہ بھی آج ضبط کھو کر جواب دے بیٹھا، انہوں نے جواباً اسے خونخوار نظروں سے گھورا۔

"اب تو مجھے بتائے گا کہ..."

"آپ برا نہ مانیں ابا جی، بس بات کو سمجھ لیں اور ہاں، کل سے ایشل میرے ساتھ ہی کالج جائے گی، ایک سال پہلے ہی ضائع ہو گیا ہے، مزید ٹائم برباد نہیں ہو سکتا۔" اس نے لگے ہاتھوں یہ معاملہ بھی نپٹایا، وہ کچھ نہیں بولے، بس اسے گھورتے رہے۔

"کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے میں نہیں ہوں اس کا باپ، یہ میرا باپ ہے، اولاد چار جماعتیں اگر پڑھ جائے تو ماں باپ والدین کو اپنے آگے لگائے پھرتی ہے سنا تھا، اب یقین آ رہا ہے۔" وہ اسے سناتے اماں کو کہہ رہے تھے، معیز ان کی اسی جذباتی بلیک میلنگ کو جانتا تھا اور اس کا حل نکالنا بھی آتا تھا، اسے مگر اس وقت اسے چونکہ تاخیر ہو رہی تھی، جبھی چپکے سے نکل آیا، سارا دن ایک کے بعد

دوسری کلاس لینے سر کھپانے کی بھی فرصت میسر نہیں ان ... ''اس نے والٹ

''بھائی، اماں کی دوائیں ختم ہو گئی ہیں، پلیز آتے ہوئے لیتے آیئے گا۔'' اس نے والٹ نکال کر احتیاطاً نسخہ چیک کیا، موجود تھا، آج کل وہ ایک امتحانی پرچا جات ۔ اسٹوڈنٹ کے لیے گائیڈ بک ترتیب دے رہا تھا اور آج اس پہ زیادہ دیر کام کرنے کا ارادہ تھا، مگر اماں کی دواؤں کی خاطر جلد اٹھ گیا، اگر انہیں دوا وقت پہ میسر نہ آتی تو ان کی طبیعت بہت بگڑ جایا کرتی تھی۔

اپنی فائل اور بیگ سنبھالے وہ پارکنگ کی جانب آیا تو پہلے ہی مرحلے پہ ٹھٹک کر تھم گیا، آیت اپنی گاڑی کا بونٹ اٹھائے اس پہ جھکی نظر آ رہی تھی، کھلتے ہوئے کلرز کا بہت کھلا سا پاجامہ اور بہت یونیک آف وائٹ ٹاپ گلے میں مفلر لٹکائے تراشیدہ بالوں پہ گلاسز اٹکائے وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی، یہ یہاں ان کا با قاعدہ پہلا آمنا سامنا تھا، معیز قدم بڑھاتا اس کی طرف آ گیا تھا، اسے متوجہ کرنے کو دانستہ کھنکارا۔

''خیریت ..... گاڑی میں کوئی فالٹ آ گیا ہے آیت؟'' اس مداخلت پہ وہ چونکتے ہوئے سیدھی ہوئی تھی، اسے روبرو پاتے ماتھے پہ ایک شکن ابھر آئی، جواباً کچھ کہے بغیر وہ پھر سے گاڑی کی سمت متوجہ ہوئی اور ساتھ ہی ہاتھ میں موجود موبائل پہ پھر سے کوئی نمبر ملایا، نظر اندازی بھی توہین کا ہی ایک انداز ہے اور یہ مار کسی انا پرست پہ بہت کاری پڑتی ہے، معیز کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا تھا۔

''آؤ میں ڈراپ کر دوں۔''

وہ بھی چاہتا تو انا کی خاطر اسے نظر انداز کر ڈالتا، پوچھتا بھی نہیں مگر بات یہ تھی وہ اپنی عزت سے کیسے کوتاہی برت لیتا۔

''مسٹر، آپ جایئے، مجھے آپ کی اس مدد کی ضرورت نہیں ہے۔'' ہونٹ سکوڑ کر نخوت سے بات کرتی ہوئی آیت معیز کو اس قابل نہیں لگی کہ زندگی کی راہ گزر پہ اس کے ہمراہ قدم بڑھا سکے۔

''میرا آپ سے کوئی ذاتی عناد یا اختلاف کبھی نہیں رہا آیت بی بی، پھر اس بداخلاقی کی وجہ سمجھ سے بالاتر ہے۔'' معیز گہرا سانس بھر کے جیسے بہت ہارے ہوئے انداز میں گویا تھا، بسا اوقات ہم رشتوں کے ریشم میں اس بری طرح الجھتے ہیں کہ چاہنے کے باوجود سلجھن نہیں نکال پاتے، اک طرف ابا تھے جو ہر صورت اس رشتے کو قائم رکھنا چاہتے تھے، دوسری جانب یہ لڑکی اپنی ماں سمیت ہر کوشش اور مفاہمت کو پھر سے تناؤ کا شکار کر ڈالتیں۔

''ہمارے درمیان ذاتی عناد اور اختلاف کی سب سے بڑی وجہ وہ بندھن ہے جو میری سب سے بڑی ناگواری کا باعث ہے، مجھے اس سے آزاد کر دو، ہر تلخی از خود تمام ہو جائے گی۔''

جواب ایسا تھا کہ معیز کچھ دیر اسے یونہی دیکھتا رہا، بغیر تاثر کے خاموش نظریں جن میں فہمائش کی ہلکی سی رمق تھی۔

''چچا جان کی اس حالت کی ہر ذمہ داری آپ کی والدہ محترمہ ۔ عائد نہیں ہو سکتی، اس کی اصل وجہ آپ تھیں، میں سمجھا تھا آپ کو اس واقعے کے بعد کچھ عقل آئی ہو گی مگر میرا خیال غلط نکلا۔'' معیز کا لب و لہجہ غصیلا ہو چکا تھا، آیت زہر خند سے مسکرائی۔

...ایک بات کان کھول کر سن لیں موصوف کہ میں خود تو کبھی آپ کی عیاشی کی نذر نہیں ہونے دوں گی۔" اگلی سحیہ کے انداز میں اٹھائے وہ کتنی رعونت سے بات کرتی تھی، معیز کو وہ سرکشی اور تکبر کی انتہا پہ لگی۔

"بہت عقلمند ہیں آپ، ثابت کیا آپ نے آپ دانش کو تو مبارک باد بھی وصول کر لیجئے، ہر عورت اپنے شوہر کی تسکین کا باعث تو ہوا کرتی ہے مگر عیاشی کا باعث بھی ہو سکتی ہے یہ آپ سے معلوم ہوا، بہرحال آپ ایسا سوچتی ہیں تو آپ کی اعلیٰ عقل کو سلام پیش کیا جا سکتا ہے۔" اب وہ اس پہ کھلا طنز کر رہا تھا، اس کا مذاق اڑا رہا تھا، آیت کا چہرا غصے کی زیادتی سے جھلس گیا، دہک گیا۔

"شٹ اپ، اپنی نام نہاد دانش کا رعب مجھ پہ جھاڑ کر اگر تم سمجھتے ہو کہ مجھے مرعوب کر لو گے تو ایسا خیال عبث ہے، اپنی راہ لو، مجھے تمہارے مزید منہ نہیں لگنا۔" اب کے وہ بلا دریغ پھنکاری، معیز اسے پرتپش نظروں سے گھورتا رہا تھا۔

"مزید منہ نہیں لگنا، یعنی منہ تو لگتا ہے، تھوڑا سہی، تو پھر اس کا فیصلہ بھی تم اکیلی نہ کرو کہ کتنا لگنا ہے، کم یا زیادہ اسے وقت اور حالات پہ چھوڑ دو، رہی بات تمہیں اس بندھن سے آزاد کرنے کی تو ایسا قیامت تک نہیں ہو سکتا، ہم جس عورت کو ایک بار اپنے نام کر لیں اسے اپنا لیں نہ اپنا لیں برتیں نہ برتیں مگر پھر اس کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام نہیں جڑنے دیا کرتے، مخدوم خاندان معمولی نہیں کہ۔۔۔"

"میں یہاں سے خود چلی جاتی ہوں۔" وہ جھلا کر کہتی پلٹ کر وہاں سے چلی گئی، معیز اسے کچھ دیر دور ہوتا دیکھتا رہا پھر پلٹ کر خود ہی گیٹ کی جانب بڑھ گیا تھا، موڈ از حد خراب ہو چکا تھا۔

☆☆☆

اب جیون کاسہ خالی ہے
اب گنتی کی کچھ سانسیں ہیں
اب تھوڑے دنوں کا میلا ہے
بازار اجڑنے والا ہے
اب مال و زر ختم ہوا
اب تم بازار میں آئے ہو
اس وقت کہاں تھے تم پاگل
جب شہر کی اندھی گلیوں میں
میں تم کو پانے کی خاطر
آوازیں دیتا پھرتا تھا

"ایک تو مجھے اس لڑکی کی سمجھ نہیں آتی، حد ہو گئی، اب یہ اکیلی جہاز میں بیٹھ کر سیکلی کی شادی پہ جائے گی، کوئی مجھے بتائے گا کہ شادی پہ جانا اتنا ضروری کب سے ہو گیا۔"

امی صبح سے بار بار غصے سے بولے گئیں، ثمامہ کان لپیٹے ساری تیاری کرتی رہی تھی تو اس کی وجہ یہی تھی اسے بابا کی فل سپورٹ حاصل تھی۔

''ہو گئی آپ کی پیکنگ بیٹا؟'' بابا شام کو گھر آئے تو ٹکٹ ساتھ لے کر آئے تھے، ان کا پوچھنا غضب ہو گیا، امی کا پارہ پھر سے چڑھ گیا۔

''یہ سب آپ کا بگاڑ ہے، آپ کی شہہ ہے، ورنہ اکیلی لڑکی کا اتنی دور وہاں جانا عقلمندی نہیں کہلا سکتا۔'' انہوں نے جتنے غصے سے کہا بابا جان نے اسی حد تک سکون سے انہیں دیکھا تھا۔

''بیگم صاحبہ ہماری بیٹی سمجھ دار ہے، کیوں خواہ مخواہ ٹینشن پالتی رہتی ہیں آپ، پھر بچی اکیلی نہیں اس کی اور فرینڈز بھی جا رہی ہیں۔'' اس وضاحت پہ انہی مزید چڑنے لگ گئے۔

''واہ... کیا کہنے اس نرالی منطق کے اور فرینڈز بھی جا رہی ہیں، ارے صاحب، خاندان کے بغیر لڑکی اکیلی ہی تصور کی جائے گی چاہے اس کے ساتھ ایک فوج کیوں نہ چل پڑے، حالات دیکھے ہیں آپ نے آج کل کتنے خراب ہو رہے ہیں۔''

''اچھا آپ اپنا موڈ خراب نہ کریں امی، اگر آپ کو اتنا ہی برا لگ رہا ہے تو ٹھیک ہے نہیں جاتی میں۔'' عمامہ کمرے سے نکل کر ان کے پاس آ بیٹھی، ان کا ہاتھ تھام لیا، امی ایک دم سے خاموش ہو گئیں۔

''ہاں جیسے اتنی ہی فرمانبردار ہو تم میری۔'' ان کا انداز نروٹھا ہوا، عمامہ نے گہرا طویل سانس بھرا۔

''چلیں میں پیکنگ کھول کر ٹکٹ واپس کر کے آپ کو اس فرمانبرداری کا یقین دلاتی ہوں۔'' وہ اٹھی اور اسی سنجیدہ انداز میں بابا کو مخاطب کیا تھا۔

''ایک کام میرا تو دوسرا آپ کو انجام دینا ہوگا۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ رکی نہیں تھی، اندر چلی گئی، بابا نے گہرا متاسفانہ سانس بھر کے انہیں دیکھا۔

''بس اب آپ کی تسلی ہو گئی، بیگم صاحبہ؟'' ان کا انداز ملامتی نہیں تھا پھر بھی وہ خفت زدہ سی ہو گئیں۔

''اللہ نے چاہا تو ہماری بیٹی کی زندگی میں بھی خوشیاں اتریں گی جلد۔'' انہوں نے صدق دل سے کہا تھا۔

''اچھا جائیں اب آپ خود ہی عمامہ کو جانے کا عندیہ دیں، میری بات سن کر نخرے کرے گی۔''

''ہاں تو کر لے، ناراض بھی اسے آپ نے ہی کیا ہے۔'' بابا نے اب کے انہیں چھیڑا۔

''لیکن لاڈلی وہ آپ کی ہے زیادہ، مانتی بھی آپ کی ہے میری نہیں۔'' امی نے جتلایا تو بابا مسکراتے ہوئے اٹھ گئے، اس سے قبل کہ کمرے سے نکلتے ملازمہ کے ہمراہ جو خاتون اندر داخل ہوئیں وہ یہاں پہلے بھی پورے اعزاز سے تشریف لا چکی تھیں، مگر تب جیسا ان کا استقبال ہوا تھا اب اس کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا تھا، سلمان بٹ کی والدہ کو روبرو پا کے امی کے چہرے کے تمام خوشگوار تاثرات یکلخت ختم ہو گئے۔

(جاری ہے)

VICTORIA'S SECRET | BODY by VICTORIA
Our #1 Bestselling Bra Collection >

# لگن دیا جلائے رکھنا

اقرا الیاس

UUNOVELS.COM
UUNOVELS.COM
Protected by trial version of Visual Watermark. Full version doe...

"صبح سے اس نے کچھ نہیں کھایا کمرہ بند کیے جانے کون سے گناہ بخشوا رہا ہے۔" فائل اور بیگ نغمہ بیگم کے ہاتھ میں تھماتے انہی کے الفاظ ان کے کانوں میں پڑے جو انہیں سخت ناگوار گزرے مگر وہ بھی کیا کرتی باپ اور بیٹے کی روز روز کی چیخ و پکار سے شاید تنگ آ چکی تھیں، ورنہ روزانہ اس وقت لاؤنج میں کھڑی بیرونی دروازے پر نظریں جمائے رکھتی گاڑی کا مخصوص ہارن بجتے ہی بجلی کی طرح گھوم جاتی ہر چیز چٹکیوں میں پروفیسر احمد صاحب کے آگے لا رکھتی مگر آج سب کچھ ندارد تھا ذہنی طور پر بھی وہ شاخ کی ہری بیل کی طرح چاک و چوبند نہیں۔

"ہاں لو نغمہ بیگم تمہارا بیٹا تم پر ہی گیا ہے۔" پروفیسر صاحب نے بھی گویا ضد میں پی ایچ ڈی کر رکھی تھی، تبھی دونوں کنپٹیوں کو دباتے لاؤنج میں صوفے پر آن بیٹھے نغمہ بیگم کا تو مانو دماغ ہی گھوم گیا، فائل اور بیگ سینٹرل ٹیبل پر پٹخا۔

"مجھ پر کیوں آپ پر گیا ہے پروفیسر صاحب، دونوں باپ بیٹے نے تو جیسے ضد باندھ رکھی ہے ایک دوسرے سے جیتنے کی اور میں بیچاری خواہ مخواہ پس رہی ہوں شوہر کا ساتھ دو تو بیٹا ناراض بیٹے کا ساتھ دو تو شوہر دو ہاتھ آگے۔" وہ تو جیسے کافی بھری بیٹھی تھیں۔

"خیراتی بیچاری تو تم ہو نہیں بیٹے کے ساتھ میرے مخالف کھڑی ہو۔"

"اب ایسی بھی بات نہیں۔" دوسرے ہی پل نغمہ بیگم کا سارا غصہ غائب ہوا۔

"ایسی ہی بات ہے تمہاری ہی شہ پر وہ میرے سامنے اکڑ رہا ہے۔" احمد صاحب کی اس قدر مبالغہ آرائی پر نغمہ بیگم کی آنکھیں پھیلیں۔

"اکڑ رہا ہے۔" اس نے تو کبھی باپ کے سامنے نظر اٹھا کر بات تک نہ کی تھی بلکہ اب بھی نظریں جھکائے باپ سے ضد لگائی تھی یہ نغمہ بیگم کی اپنی سوچ تھی اپنے اکلوتے لاڈلے بیٹے کے لئے۔

"ہاں تو اس میں انوکھا ہی کیا ہے اس کے بچپن کا خواب ہے بیرون ملک جانا اب تو ماشاء اللہ ڈاکٹر بھی بن چکا ہے اگر وہ اپنے بارے میں بہتر سوچ رہا ہے تو اس میں آپ کو کیا اعتراض ہے۔"

"یہی تو میں کہتا ہوں امریکہ جا کر اس نے کون سا انوکھا کام کرنا ہے جو وہ وہاں جا کر کرنا چاہتا ہے وہ یہاں رہ کر بھی کر سکتا ہے روک کون رہا ہے اسے میں بھی تو ہوں نا ایم بی بی ایس کے بجائے سوشل سائنسز کی ڈگریاں لے کر پروفیسر بن کر کرائے کے گھر سے یہ اتنا بڑا بنگلہ بنا لیا ایک کھٹیچر سی سائیکل جس پر بیٹھ کر میلوں پرانا بے رنگ سا یونیفارم اور ٹوٹی جوتی پہنے، گاؤں کی کچی سڑکوں پر دھول اڑاتے سکول جاتا اس سے بہتر گھر گاڑی خرید لی دنیا جہاں کی نعمتوں کی فراوانی کیا کچھ نہیں میرے پاس اور وہ نواب زادہ قیمتی گاڑی لیے آئے روز نت نئے کپڑے پہنے کالج یونیورسٹی جاتا آج یہ دن دکھا رہا ہے باپ کے منہ کو آ رہا ہے۔" بات کے اختتام پر انہوں نے گویا ناک سے مکھی اڑائی تو نغمہ بیگم ان کے اس قدر اطمینان پر تڑخ اٹھیں بیٹا کمرے میں افسردہ پڑا تھا اور باپ کا اطمینان دیدنی تھا۔

"اچھی طرح جانتی ہوں اندھیرے میں ٹاک ٹوئیاں مار مار کر آپ نے جو سب کچھ حاصل کیا پچھلے تیس سالوں سے آپ اس شعبے سے منسلک ہیں اب آ کر کہیں چار سال پہلے سب کچھ سدھرا میرے بیٹے میں اتنا صبر نہیں کہ آپ کی طرح بہتر لے کر بہترین کو ٹھوکر دے مارے۔"

UUNOVELS.COM

پچھلے کئی سالوں کی غربت، فاقہ کشی جانے کیا کیا انہیں یاد آ گیا بھی بیٹے کے معاملے میں بڑھ چڑھ کر بول گئیں، احمد صاحب نے افسوس سے ان کی سکتی سوچ کر دیکھا پھر سر جھٹک کر رہ گئے یہ تو طے تھا کہ یہاں بڑی سے بڑی بھی عدالت لگ جاتی تو وہ اپنے موقف سے کبھی بھی پیچھے ہٹنے والے نہیں تھے۔

"اسے کہہ دینا اگر وہ اپنے فیصلے خود کر سکتا ہے تو باپ کا نام بھول جائے اور کھانے کے بعد اس نافرمان اولاد کو اسٹڈی روم میں بھیج دینا خدا نے ایک ہی بیٹا دیا وہ بھی نا ہنجار اور ناخلف۔"

بالآخر انہوں نے اس اجلاس کا بھی حتمی فیصلہ کیے بغیر بیوی کو حتمی بات سمجھا دی اور اندر کمرے میں دروازے سے کان لگائے وہ اپنے لئے نافرمان، نا ہنجار اور ناخلف بیٹے جیسے القابات سن کر تلملا کر رہ گیا۔

☆☆☆

بات صرف اتنی سی تھی کہ جب سے اس کی ہاؤس جاب مکمل ہوئی تب سے اس پر امریکہ جانے کی دھن سوار تھی حالانکہ یہ اس کا شروع سے خواب تھا جس کی تعبیر احمد صاحب ناممکن بنا رہے تھے اور صاحب بیٹے کی اس بات کو ہمیشہ سے نظر انداز کرتے آئے مگر جب سے اس پر مکمل طور پر بھوت سوار ہوا تو وہ بھی اڑ گئے۔

"جو بھی کرنا ہے پاکستان میں رہ کر کر لے۔" مگر وہ بھی انہی کا بیٹا تھا باپ سے مکمل طور پر ضد باندھ لی حتیٰ کہ خودکشی کی دھمکی تک دے ڈالی احمد صاحب دیر تک اس کی اس بچگانہ بات پر ہنستے رہے اور وہ کڑھتا رہا۔

"شرم کرو ڈاکٹر ہو کر خودکشی کرو گے ڈاکٹر کے نام پر دھبہ ہو گے۔" باپ کی اس بات پر اس نے خودکشی سے تو توبہ کر لی مگر ازلی ضد [illegible]

طرح اپنی بات پر ڈٹا رہا اس بات کو جینے مرنے کا مسئلہ بنا ڈالا پچھلے چار دنوں سے ہسپتال بھی نہیں جا رہا تھا نئی نئی گورنمنٹ کی جاب لگی تھی جو احمد صاحب نے لامحدود سفارشوں کے بعد اس نے کر دی تھی اسی کا ہی غصہ تھا یعنی چراغ تلے اندھیرا۔

"السلام علیکم بابا آپ نے بلایا تھا۔" پھولا پھولا سا خفگی بھرا چہرہ لئے وہ سامنے کرسی پر آن بیٹھا احمد صاحب جو کتاب پڑھنے میں محو تھے سر اٹھا کر موٹے موٹے شیشوں والی عینک کے اس پار اسے دیکھا چہرے پر موجود ہلکی ہلکی سرخی اس بات کی غماز تھی کہ وہ ماں کے سمجھانے پر ایک معرکہ مار کر آیا ہے جبھی جھکی ہوئی نگاہیں اسی معرکے کی مرہون منت تھیں۔

"وعلیکم السلام اور سنا صاحب زادے بڑے خود دار بنا ہے آج کل ڈائٹنگ پلان پر خوب عمل ہو رہا ہے ہمیں تو اس بات کا یقین ہے کہ ہمارا بیٹا خوددار اور سمجھ دار ہے وہ الو کا پٹھا بن ہی نہیں سکتا بقول تمہارے۔" اگلی پچھلی کسر پوری کرتے وہ دانت کچکچا کر بولے اور وہ سر اٹھاتے باپ کی اس ادا پر نثار ہی ہو گیا۔

"یہ ڈائٹنگ پلان آپ ہی کی ستم ظریفی ہے بابا۔" باپ کی اس قدر معصومیت پر وہ جل کر کباب ہوا۔

"تو جی ڈاکٹر ارحم صاحب اصل بات کی طرف آتے ہیں اور آخری فیصلہ سنا دیجئے۔" ہاتھ میں پکڑی کتاب اور عینک اتار کر انہوں نے سامنے ٹیبل پر رکھی جہاں پر پہلے ہی چائے کا ایک مگ اور ان کے دو عدد موبائل پڑے تھے اس چھوٹے سے اسٹڈی روم میں انہوں نے اپنی پسندیدہ بے شمار کتابیں جمع کر رکھی تھیں جنہیں کئی بار پڑھنے کے باوجود بھی تھکتے نہ تھے کتابوں سے

amazon

INSTALL

ان کی محبت اپنی مثال آپ تھی اب بھی وہ صاحب
جالب کی چاروں جانب سناتا ہے کتاب پڑھنے
میں مشغول تھے۔
"بابا میرا جو آخری فیصلہ تھا وہ میں آپ کو بتا
چکا ہوں۔" وہ دو ٹوک لہجے میں بولا تو پروفیسر
صاحب مبہم سا مسکرائے۔
"تو تم نے باپ کو کانٹے کا آلو سمجھ رکھا ہے
میں نے انگلی پکڑ کر تمہیں چلنا سکھایا ہے اب
کنویں میں پھسلا کر تو اکیلے وہ اٹکا نہیں۔"
"اُف بابا یہ میری زندگی ہے اسے
گزارنے کا اختیار بھی میرے پاس ہی ہونا
چاہیے زمانہ بدل چکا ہے بابا ہر کسی کو اس کے بیٹے
کا حق دیا جاتا ہے آپ مجھ سے میرا یہ حق نہیں
چھین سکتے۔" وہ ان کی بات کاٹ کر اکتا کر
چڑانے سرکشی سے بولا۔ لگتا تھا یہ آخری موقع
ہے جسے وہ کسی صورت بھی نہیں کھونا چاہتا تھا
یہاں سارا سارا دن بھی مریضوں کے ساتھ مغز
ماری کرنے کے بعد چند ہزار کے سوا تھکاوٹ
ہمیشہ اس کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آتے کا احمد
صاحب کے جھریوں بھرے چہرے پر شگفتگی
مسکراہٹ کی بڑی جگہ لے اس قدر گستاخانہ
لب و لہجہ ان کے حلق میں جیسے پھندا اٹکا گئے
کو بائیں ہاتھ سے ملتے اس کے ماتھے پر شفقت
سردی کے باوجود پسینے جو کہ اس شہر میں احمد
صاحب کے ہزاروں اسٹوڈنٹ تھے جو آنکھیں
جھکائے ادب سے ملتے بلکہ اونچا عہدہ ملنے کی
خوشی میں پروفیسر احمد صاحب کے ہاتھ چومنے
آتے اتوار والے دن تو ڈرائنگ روم میں ان
کے طالب علموں کا جمگھٹا لگا رہتا اور بیگم چائے بنا
بنا کر ہلکان ہو جاتی مگر شوہر کی اس قدر عزت اور
پذیرائی پر دل سے خوش ہوتی اب باہر دروازے
پر کھڑی بیٹے کے لہجے پر دل تھام کر رہ گئی جاتی

تمہیں جب لگا لاؤنج جائے تو پھر کچھ بھی نہیں بچتا
اس دن کا انتظار تھا جس کے سامنے اونچے
اونچے عہدوں اور عہدوں والے سر جھکا کر
بات کرتے آج کا بیٹا اپنا سر اٹھائے باپ کے
روبرو تھا۔
"تم میرے بیٹے ہو میں نے ہی تمہاری
تربیت کی ہے آج اگر تم یوں اس لہجے میں مجھ
سے بات کر رہے ہو تو یہ میری غلط تربیت نہیں
بلکہ تمہاری خواہشات کا وہ جام ہے جو تم پر اندھا
دھند اثر کر چکا ہے اور پھر لعنت ہے تمہاری ایسی
خواہشات پر جو تمہیں تمہارے باپ ہی کی نظروں
سے گرا دے میری کچھ باتیں یاد رکھنا میرے بیٹے
دنیا میں جو مطمئن زندگی گزار رہا ہے اصل میں
وہی کامیاب ہے دولت میں وہ عزت اور [illegible]
نہیں جو کسی اعلیٰ مقصد کے ساتھ جینے اور اس کی
میں عظیم وہ ہے جو عظیم کام کرے وہ نہیں جو
صرف دولت اکٹھی کرنے کی دھن سوار ہے یوں
[illegible] میں واپس [illegible] ہوں وہاں مجھے دولت بھی
ملی اور عزت بھی مجھے دوبارہ عزت ہے مگر دل [illegible]
سے خدا نہیں بدل جاتا میں جہاں سے گزرتا ہوں
ہر نگاہ مجھے عزت سے دیکھتی ہے میرا ہر اسٹوڈنٹ
مجھے آکر کہتا ہے "سر آپ نا ہوتے تو میں بھی اس
قابل نہ ہوتا" اور میں ان کی اس بات پر مطمئن
ہو جاتا ہوں کہ میں نے اس وطن کو ایسے نوجوان
دیئے جو [illegible] سے ملک کی تعمیر کریں اکہتر سال
پہلے ہمارے آباؤاجداد نے اتنی جدوجہد اور
قربانیاں دے کر اس وطن کو حاصل کیا [illegible] نے آج
تمہیں اس قابل بنایا [illegible] اگر
تمہاری طرح کا ہر ڈاکٹر ہر انجینئر اور میری طرح
کا ہر لیکچرر دولت کمانے کی دھن لئے اس ملک کو
چھوڑتا چلا جائے تو اکہتر سال پہلے ہمارے لئے
قربانیاں دینے والوں کو کوئی سلام تک نہ کرے

UUNOVELS.COM
UUNOVELS.COM

والا رہے، عقل دانش سے محرومی معاشرے کو بانجھ کر دیتی ہے تم کہتے ہو اس ملک نے تمہیں کیا دیا تم بتاؤ تم نے اس ملک کو کیا دے رہے ہو اس ملک میں تین میں سے دو تمہارے جیسے ہر نوجوان کا یہی المیہ ہے، غلط نظام کو ٹھیک کیا جاتا ہے شکست خوردہ ہو کر میدان سے بھاگ جانا بزدلی ہے اگر اس ملک کا نظام ہمارے برعکس ہے تو اسے ہم نے ہی راہ راست پر لانا ہے تم اپنے حصے کا تو دیا جلاؤ کچھ تو روشنی باقی رہے کہ اندھیرے کے باسیوں کو امید کی کرن نظر آئے تو سوچو اگر تمہارے جیسا ہر نوجوان اپنے حصے کا دیا جلائے تو کیا ہر سو روشنی بکھر نہیں سکتی آخری بات جیسے تمہارے خیالات ہونگے ماحول سے تم ویسے ہی نتائج اخذ کر سکو گے انسان کے سوچنے کا انداز ہی اس کی زندگی کو کبھی جنت اور کبھی جہنم بناتا ہے، اپنی زندگی کو اچھا یا برا بنانے کا آدمی خود ذمہ دار ہوتا ہے، انسان کو فوری طور پر فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے کیا وہ صحیح ہے؟ فیصلہ اب تمہارے ہاتھ میں ہے اب بھی اگر تمہیں امریکہ جانا ہوا تو میں تمہیں ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دونگا اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کے سالوں لگاؤں گے تو پھر اس احساس میں کئی گنا اضافہ ہو گا کہ یہ تمہاری زندگی ہے اور تم نے اسے کیسے گزارنا ہے۔" ضبط سے سرخ چہرہ لئے انہوں نے اپنی بات مکمل کی تو ان کے چہرے پر دکھ کی داستان بھی رقم تھی بیٹے پر کیے گئے فخر نے انہیں ملال میں مبتلا کر دیا آنکھ کے دونوں کنارے سرخ اور بھیگ چکے تھے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے وہ گہرے گہرے سانس لینے لگے دوسری طرف ان کی دلیلوں اور وضاحتوں کا گہرا اثر پڑا چہرہ جھکائے وہ شرمندگی اور ندامت کے گہرے سمندر میں غرق ہوا باپ کی آخری بات پر وہ تڑپ اٹھا

باپ کی آنکھ میں چمکتے آنسو بھی دیکھ چکا تھا۔

"سوری بابا جان میرا مطلب آپ کو ہرٹ کرنا ہرگز نہیں تھا، سب کچھ بھاڑ میں جائے میں کہیں نہیں جاؤں گا میں صرف آپ کے پاس رہوں گا میں آپ کو ہرٹ نہیں کر سکتا ہے، میں اپنے حصے کا دیا جلاؤں گا میں کم علم اور کم فہم ہوں بابا مجھے ابھی بھی آپ کی ضرورت ہے میں اپنا فرض نبھاؤں گا میں آپ کا نافرمان بیٹا کبھی نہیں بن سکتا۔" وہ زمین پر بیٹھا باپ کے گھٹنے پر سر رکھے آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب لئے رو دیا باپ کی آنکھوں میں چمکتے آنسوؤں نے اسے زمین پر بیچ ڈالا احمد صاحب صاحب کی دائیں آنکھ سے ایک آنسو پھسلا دکھ اور افسوس کا نہیں بلکہ خوشی کا کہ آج بھی ان کی اپنے وطن کے لئے کی گئی کاوش رائیگاں نہیں گئی تھی۔

☆☆☆


اچھی کتابیں
پڑھنے کی عادت ڈالیں
ابن انشاء
اردو کی آخری کتاب
خمار گندم
لاہور اکیڈمی
چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37321690, 3710797

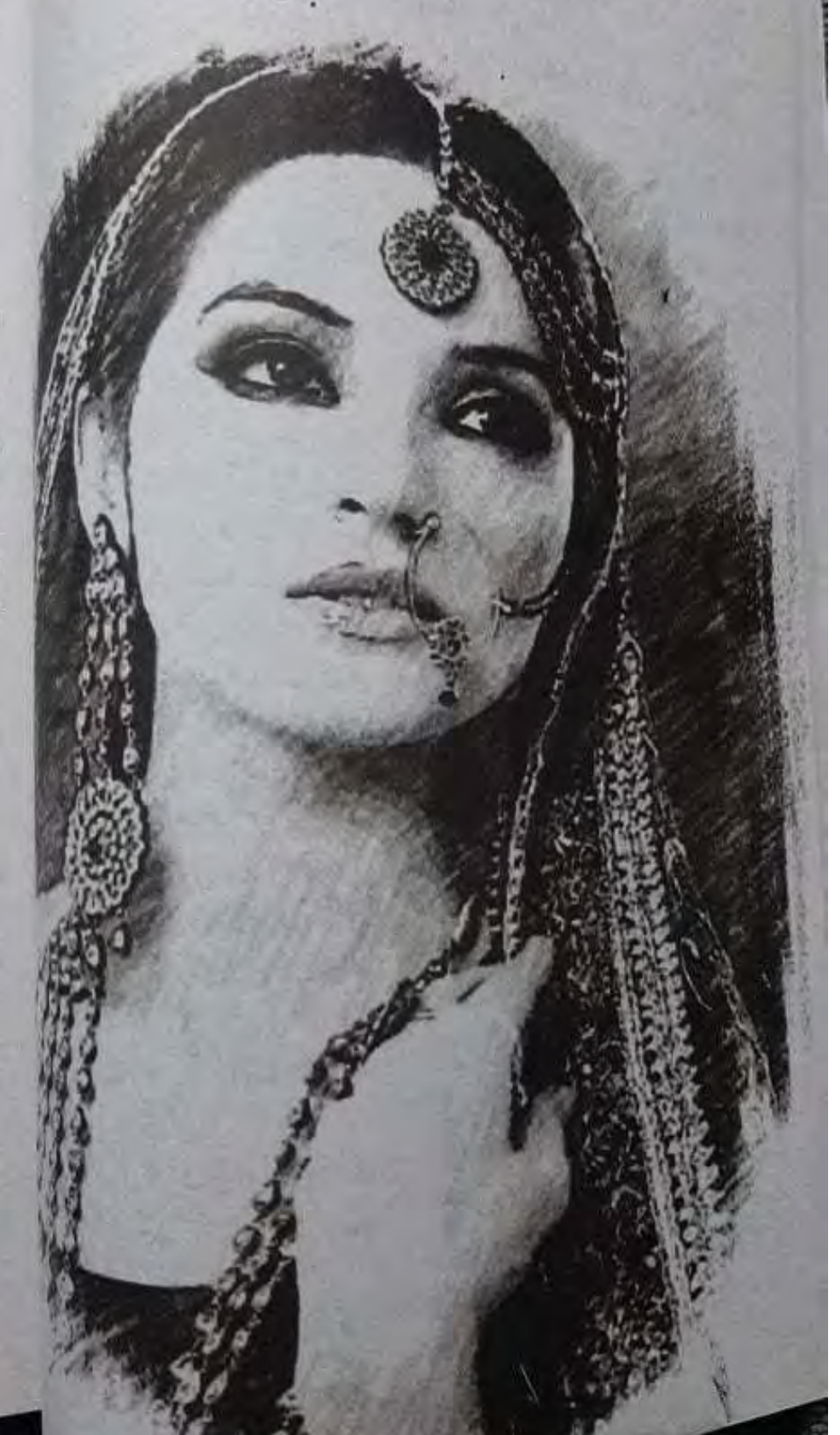

''نیا سال شروع ہونے سے پہلے میں نے سوچ لیا ہے کہ نئے سال میں کیا کرنا ہے؟'' عشال نے فضا میں اڑتے پرندوں کو دیکھا اور گرم کافی کے سپ لے کر اپنے کزن اور دوست حمزہ سے کہا۔

''اچھا! مجھے بھی تو بتاؤ کیا کرنا ہے؟''

''بس کچھ نیا کرنا ہے۔'' وہ بولی۔

''مثلاً؟'' دجیہہ و شکیل حمزہ درانی نے عشال درانی کو بغور دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''ہاؤس جاب کرنی ہے، فرنیچر نیا لینا ہے اپنے بیڈروم کے لئے، نئے پردے لگوانے ہیں اور ٹی وی لاؤنج کی سیٹنگ بھی نئی ہوگی، کلر اسکیم بھی بدلنی ہے اور بیڈروم کے لئے فریج بھی نیا لینا ہے، ابھی کچھ ستائل جائے گا سردی ہے نا اور ایک نیا کوٹ لینا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بتانے لگیں۔

''اچھا!'' حمزہ درانی نے اس کی مسکراتی صورت کو دیکھا۔

''ہاں۔'' وہ مسکرائی۔

''سنو! محبت نئی مت کر لینا۔'' حمزہ درانی نے معنی خیز لہجے میں کہا تو وہ چونکی، ٹھٹکی اس کو بھنویں سکیڑ کر دیکھنے لگی۔

''پرانی پائیدار ہوتی ہے اسی سے کام چلا لینا۔'' حمزہ اپنی بات مکمل کر کے جانے لگا تھا کہ عشال نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔

''محبت... کون سی محبت ارے رکو تو، سنو تو، بتا کے تو جاؤ، میں تو کسی سے محبت نہیں کرتی خواہ مخواہ کا الزام دھر دیا مجھ پر، جیسے مجھے جانتے نہیں ہو کہ میں کتنی حقیقت پسند اور پریکٹیکل لڑکی ہوں اور محبت وحبت کے چکر میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے کی قائل نہیں ہوں۔'' وہ حمزہ کو دیکھتے ہوئے تیزی سے بولی۔

## مکمل ناول

''ریلی؟'' حمزہ درانی عجیب انداز میں مسکرایا تھا۔
''ہاں بالکل، ایک آئی لو یو کے پیچھے کتنی خواری ہوتی ہے یہ کوئی محبت کرنے والوں سے پوچھے۔'' عشال نے کہا۔
''مطلب تم اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر کہہ رہی ہو کہ خواری ہوتی ہے؟''
''جی نہیں، آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی کہہ رہی ہوں مشاہدے کی بنیاد پر کہہ رہی ہوں، بلکہ سبق سیکھتی ہوں محبت کرنے والوں سے، آہیں، سسکیاں، آنسو، ہجر، رائیگانی کا دکھ اس کے سوا ملتا ہی کیا ہے محبت کر کے جو میں بھی یہ پاگل پن کروں۔'' عشال نے بے نیازی سے جواب دیا۔
''پاگل پن؟'' حمزہ بولا۔
''ہاں پاگل پن، ماہر نفسیات تو یہاں تک کہتے ہیں کہ محبت پیار ''دل کا پاگل پن'' ہے اور پاگلوں کو کوئی گھر میں نہیں رکھتا پاگل خانے میں ہی جمع کراتا ہے، مجھے اپنے دل کو اس پاگل پن سے دور ہی رکھنا ہے، آدھی دنیا محبت کے بغیر جی رہی ہے۔''
''اور آدھی؟'' حمزہ درانی نے اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''باقی کی آدھی محبت میں مر رہی ہے۔'' عشال طنزیہ انداز میں بولی۔

تم پہ مرنے سے کہیں بہتر تھا
ہم کسی حادثے میں مر جاتے

حمزہ درانی نے اداس لہجے میں یہ شعر پڑھا اور کہنے لگا۔
''کہتے ہیں کہ محبت بہت بڑا حادثہ ہے اس سے بچنا بہت ہی مشکل ہے۔''
''جس کے نقصان اور سائیڈ ایفیکٹس کا علم ہو اس سے بچنا آسان ہوتا ہے مسٹر حمزہ درانی! اور میں تمہیں محبت سے بچ کر دکھاؤں گی یوں بھی میرے پاس کرنے کو اور بہت سے کام ہیں مجھے نہیں کرنی محبت، وحبت۔'' عشال نے بڑے پر اعتماد لہجے اور کروفر انداز میں کہا تو حمزہ کو ہنسی آ گئی اور وہ اس کو دیکھتے ہوئے بولا۔
''تمہارا مسئلہ ہے تمہارے بلند و بانگ دعوے، تمہاری ایفل ٹاور جیسی انا اور حد درجہ خود اعتمادی، جو تمہیں محبت جیسے انمول اور کومل جذبے اور احساس کو محسوس کرنے سے اعتراف کرنے سے روکتی ہے، تم محبت کرنے سے ڈرتی ہو، محبت کر بھی لوگی تب بھی اظہار اور اقرار نہیں کرو گی کہ کہیں تمہاری انا، تمہاری حقیقت پسندانہ سوچ اور محبت ویسٹ آف ٹائم والی اپروچ کو ٹھیس نہ پہنچ جائے، اپنے دعوؤں کے سامنے تمہیں شکست فاش نہ ہو جائے، شرمندہ نہ ہونا پڑے محبت کر کے ہارنے میں، کوئی تمہیں تنہا نہ کر جائے، چھوڑ نہ جائے، دھوکا نہ دے جائے محبت میں اس لیے بھی تم محبت کا تجربہ کرنے سے گھبراتی ہو، دانستہ جان چھڑانے کی کوشش کرتی ہو، لیکن یاد رکھنا۔''
''کیا؟'' عشال اکڑ کر کھڑی ہو گئی تو وہ بھی اس کی شربتی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔
''کہ محبت تمہاری مرضی اور اجازت کی محتاج نہیں ہے یہ تو اپنی مرضی سے اپنا شہسوار ڈھونڈتی ہے اور چاروں شانے چت کر دیتی ہے پھر انسان لاکھ کوشش کر لے، اس کے سامنے اٹھ نہیں پاتا، گھٹنے ٹیک کے ہی رہتا ہے اس کے وار سے بچنا آسان نہیں ہے میرا مشورہ یہی ہے کہ اگر تمہیں کسی سے محبت ہو جائے تو چھپانا مت ورنہ اکیلی رہ جاؤ گی۔'' حمزہ درانی نے سنجیدگی سے کہا۔

''عجیب بات نہیں ہے کہ محبت بتا دو تو بھی اکیلا کر دیتی ہے نہ بتانے پر بھی تنہا چھوڑ جاتی ہے آخر لوگ محبت کرتے ہی کیوں ہیں؟'' عیشال نے بیزاری سے کہا تو وہ بولا۔

''کیونکہ اس کائنات کی گھٹی میں محبت پڑی ہے جس کی بنیاد، اساس ہی محبت ہو وہ محبت سے کسی دل کو بھلا خالی کیسے رکھ سکتی ہے۔''

''فضول ہے یہ فلسفہ، بنا محبت کے، بنا آئی لو یو کہے، سنے بھی زندگی بہت اچھی گزر جاتی ہے، انسان پھنستا تب ہے جب وہ کسی سے آئی لو یو کہتا ہے، ایک ''آئی لو یو'' ایک انسان کی زندگی تہہ و بالا کر کے رکھ دیتا ہے، محبت کرنا غلط نہیں ہوتا جس سے محبت ہو اسے بتا دینا غلط ہوتا ہے اپنی کمزوری اس کے ہاتھ میں دینا بالکل بھی درست نہیں ہے خود کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔'' عیشال نے نہایت سنجیدگی سے اس کے خیال کو رد کرتے ہوئے کہا، حمزہ درانی کو اس کی حد درجہ بد گمانی اور حقیقت پسندی سے چڑ ہو رہی تھی اب مگر اظہار نہیں کر سکا بلکہ نرم لہجے میں گویا ہوا۔

''اس تباہ ہونے میں بھی ایک سکون ہے، لطف ہے، مزا ہے۔''

''نہیں سبق ہے، عبرت ہے، سیکھنے سمجھنے کو بہت کچھ ہے۔'' عیشال اس کی بات سے اختلاف کرتے ہوئے بولی، تو حمزہ درانی سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''مس حقیقت پسند، محبت نہیں ہو گی تو زندگی کی حقیقت کیسے کھلے گی ہم پر؟ انسان کو اپنی حقیقت، حیثیت، اہمیت اور اوقات کیسے سمجھ آئے گی، محبت تو استاد ہے، سیکھاتی ہے وہ، وہ اسرار و رموز سیکھاتی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، جو سبق کسی کالج، یونیورسٹی میں نہیں سیکھایا پڑھایا جاتا وہ ایک آئی لو یو، سیکھاتی، سمجھاتی ہے، حقیقت آشنا اور رب سے آشنا ہونے کے لئے محبت آشنا ہونا بہت ضروری ہے عیشال ڈیئر، تم خود کو حقیقت پسند کہتی ہو، دراصل تم سہل پسند ہو، آسانی پسند ہو، آرام پسند ہو، پرابلم فری لائف کی خواہاں اور دلدادہ ہو جبکہ محبت کرنے والے بہت جرأت مند اور مشکل پسند ہوتے ہیں ہر کسی کے بس میں کہاں محبت کرنا اور سیکھانا، آئی لو یو ہر کوئی کہتا ہے کہہ سکتا ہے، کہہ بھی دیتا ہے لیکن! نبھاتا وہی ہے جس کے دل کو لگی ہو۔''

محبت وہ حقیقت ہے
ہے جس میں
زندگی کا درس

''ایک آئی لو یو۔'' کہہ کر دیکھو، پھر بتانا کہ محبت اور حقیقت میں بلا کا فرق ہے یا بال برابر بھی نہیں، ''ایک آئی لو یو'' تمہاری زندگی بدل دے گا عیشال، بنا محسوس کیے، بنا سمجھے اس جذبے کی مخالفت مت کیا کرو، مذاق مت اڑایا کرو محبت کرنے والوں کا۔'' حمزہ درانی نے نہایت سنجیدگی سے اپنی بات مکمل کی اور عیشال درانی کے حسین چہرے پر نگاہ تاسف و حسرت ڈال کر وہاں سے چلا گیا۔

''میں تو کسی سے محبت نہیں کروں گی کر ہی نہیں سکتی، پاگل تھوڑی ہوں جو سب کام چھوڑ کے آئی لو یو کے چکر میں پڑ جاؤں اور اپنا ٹائم ویسٹ کروں۔'' عیشال نے اس کے جانے کے بعد بے کلی سے بالکونی میں چکر لگاتے ہوئے با آواز کہا تھا۔

☆☆☆

مرتضیٰ درانی اور عالیہ بیگم کے تین بچے تھے، ارتضیٰ درانی، فاخرہ درانی اور چھوٹا بیٹا حمزہ درانی، ارتضیٰ درانی بینک میں اچھی پوسٹ پر تھے شادی شدہ اور دو بچوں حفصہ اور طلحہ کے والد تھے، بیوی

کول سلجھی ہوئی خاتون تھیں، فاخرہ درانی بھی شادی شدہ اور تین بچوں کی ماں تھیں اور ملتان میں اپنے شوہر قاسم کے ساتھ مقیم تھیں، سب سے چھوٹے بیٹے حمزہ درانی نے انجینئرنگ کی تھی اور چند ماہ پہلے انٹرنشپ مکمل کرکے ایک بہت اچھی کمپنی میں ملازمت اختیار کی تھی، شاندار تنخواہ، فرنشڈ گھر، سفر، اور میڈیکل الاؤنس بھی تھے، وہ اس میں ہی بہت زیادہ خوش تھا اور اس کے والدین بھی۔

ارتضیٰ درانی کی شوگر مل تھی جو وہ اپنی اچھی صحت کے بدولت ابھی تک خود ہی چلا رہے تھے، کبھی کبھار ارتضیٰ اور حمزہ بھی مل کر چکر لگا لیا کرتے تھے اور کام کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے، مرتضیٰ درانی اپنے بچوں کی قابلیت، کامیابی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے تھے ہمیشہ، عالیہ بیگم بھی صدقہ خیرات کیا کرتیں اور اپنے بچوں کی صحت، سلامتی اور خوشیوں کے لئے دعائیں مانگا کرتی تھیں۔

عیشال درانی، حمزہ درانی کے ماموں کی بیٹی تھی، حسین و جمیل، ذہین، سمجھدار اور میڈیکل جیسی مشکل تعلیم بڑے شوق سے حاصل کر رہی تھی بلکہ اس کا آخری سال مکمل ہو چکا تھا اور رزلٹ کے بعد ہاؤس جاب شروع ہونا تھی، اعجاز درانی اور شمع بیگم کے دو بچے تھے، اویس درانی بڑا بیٹا اور اس سے پانچ سال چھوٹی عیشال درانی تھی، اعجاز درانی زمیندار تھے، بچوں کی پڑھائی کی وجہ سے مستقل شہر میں رہائش پذیر تھے اور گاؤں آنا جانا لگا رہتا تھا، اویس درانی سول انجینئر تھے اور ایک کنسٹرکشن کمپنی میں بہت اچھی پوسٹ پر تعینات تھے، ان کی شادی چچا کی بیٹی خدیجہ کے ساتھ تین سال پہلے ہوئی تھی اور ایک بیٹا تھا ان کا۔

ان کی لو میرج تھی، جس میں سب بڑوں کی رضامندی اور خوشی بھی شامل تھی، یعنی لو پلس ارینج میرج تھی اور بہت خوش تھے اپنی شادی اور شریک حیات سے، عشال بظاہر جتنی نازک اندام، چھوٹی موٹی کومل اور پری وش دکھائی دیتی تھی ارادوں میں اتنی ہی مضبوط اور حقیقت پسند محسوس ہوئی تھی، حمزہ کا کہنا تھا کہ مینڈکوں کی ڈائی سیکشن سے لے کر مریضوں اور مردوں کی چیر پھاڑ، یعنی پوسٹ مارٹم جیسے تجربوں اور مشاہدوں نے عیشال کی جمالیاتی حس اور پیار کرنے والے احساسات و جذبات کو کسی سرد خانے میں یا مردہ خانے میں بند کر کے رکھ دیا ہے، جبھی اسے محبت کے نام پر ہنسی آیا کرتی ہے دوسروں کو محبت کے چکر میں پڑا دیکھ کر سن کر ان کی بے وقوفی پر وہ مسکرایا کرتی تھی، حمزہ درانی کو پتا ہی نہیں چلا کہ کب؟ کیسے؟ وہ عیشال درانی کو دل دے بیٹھا اور جب گھر میں اس کی شادی کی بات چھیڑی تو دل بے چین سا ہو کر "عیشال، عیشال" پکارنے لگا، آنکھیں اس کی تصویر کو اس کی صورت کو فوکس کیے خواب بننے لگیں، سوچوں میں اس کی باتیں، کانوں میں اس کی آواز گونجنے لگی، بہت دنوں کی بے چینی، بے کلی، اضطراری، بے قراری کے احساس کے بعد اسے یہ تسلیم کرنا پڑا تھا کہ وہ اپنی اسی حور شمائل مگر ان رومینٹک کزن سے محبت کرتا ہے اور یہ کوئی ایک دو دن پہلے کی واردات نہیں تھی کہ وہ بہل جاتا، سنبھل جاتا، یادوں کی فلم پلے بیک چلنا شروع ہوا تو سمجھ آیا کہ محبت اپنا جاہت کا سلسلہ تو بہت پہلے کہیں کسی لمحے میں پیش آ گیا تھا اور اک اب ہو رہا تھا، بعض اوقات انسان چیزوں، رشتوں اور دوستوں کو محبت کی بت ایزی اور فار گرانٹڈ لیتا ہے کہ یہ کہاں جائیں گے یہ تو ہیں ہی ہمارے یا ہمارے پیچھے پیچھے

ہمارے لگتے ہیں، پتا تب چلتا ہے جب ان کے چھن جانے، کھو جانے، جدا ہونے، خفا ہونے یا دور ہو جانے کا خدشہ، خیال اور امکان سامنے دکھائی دینے، محسوس ہونے، سنائی دینے لگتا ہے، یہی حمزہ درانی کے ساتھ بھی ہوا تھا اور محبت بھی اس حسینہ سے ہوئی تھی جو محبت کو مذاق اور پاگل پن سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتی تھی، عیشال اپنی کولیگ اور فرینڈز کو محبت میں ناکام ہوتے روتے آہیں بھرتے دیکھا تھا اس وجہ سے وہ محبت کے نام سے ہی چڑتی تھی، اب حمزہ درانی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے عیشال کے دل میں اپنی محبت پیدا کرے کیسے اس سے اپنے پیار کا اظہار کرے؟ بس "آئی لو یو" کہنا اتنا محال ہوگا یہ تو اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

☆☆☆

عیشال "مرتضیٰ ولا" آئی تو وہاں ڈرائنگ روم میں پہلے سے کچھ مہمان موجود تھے، ایک فیملی تھی پوری میاں بیوی بیٹا، بیٹی جو اس کی عمر کے ہی تھے، عیشال نے انہیں سلام کیا عالیہ بیگم نے ان سے عیشال کا تعارف کروایا، عیشال انہیں اپنے بارے میں سرسری سا جواب دے کر کچن میں چلی آئی جہاں کنول ارتضیٰ مہمانوں کے لئے کھانا تیار کرنے میں مصروف دکھائی دیں۔

"بھابھی! لگتا ہے بہت خاص لوگ ہیں یہ جن کے لئے اتنا اہتمام ہو رہا ہے۔" انہیں سلام کرنے کے بعد عیشال نے فرائی شدہ کباب پلیٹ میں سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں بہت خاص ہیں۔" کنول ارتضیٰ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور پلاؤ کو دم پر رکھنے لگیں، ملازمہ برتن صاف کر رہی تھی۔

"مگر ہیں کون؟" وہ وہیں کرسی کھسکا کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"وہ یہاں رشتے کے سلسلے میں آئے ہیں۔"

"کس کے رشتے کے سلسلے میں؟" عیشال نے بھنویں سکیڑ کر انہیں دیکھا۔

"ایک ہی تو کنوارہ بچا ہے اس گھر میں اور وہ ہے حمزہ اسی کے رشتے کے سلسلے میں یہ فیملی آئی ہے ڈیڈی کے دوست ہیں گردیزی صاحب وہی اپنی فیملی کے ساتھ آئے ہیں، ڈیڈی کو تو یہ فیملی بہت پسند ہے ویسے بھی ان کے دوست ہے گردیزی انکل اور آج سے نہیں بارہ چودہ سال پرانی دوستی ہے ان کی، ان کی بیٹی کو دیکھا تم نے؟" کنول ارتضیٰ نے کام کرتے ہوئے تیزی سے بولتے ہوئے اسے مکمل تفصیل بتا دی۔

"جی دیکھا ہے بہت پیاری ہے۔" وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"مگر تم سے بہت کم، تم تو جنت کی حور ہو۔" کنول ارتضیٰ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا تو وہ بے دلی سے ہنسی۔

"ایم ایس سی کیا ہے فاریہ نے بہت ذہین ہے حسین ہونے کے ساتھ ساتھ بات کرنے سے تو مطمئن ہوئی تھی مجھے اور ویسے بھی ڈیڈی کے دیرینہ دوست کی بیٹی ہے تو یقیناً مہذب اور تمیز دار ہی ہو گی تم بتاؤ تمہیں کیسی لگی فاریہ؟" کنول ارتضیٰ نے اسے تفصیل بتاتے ہوئے اس کی رائے چاہی، اسے اپنے اردگرد گھنٹیاں سی بجتی محسوس ہو رہی تھیں، خطرے اور خوف کی گھنٹیاں جن سے وہ بے خبر تھی۔

"کس حوالے سے پوچھ رہی ہیں؟"

"ارے بھئی، حمزہ کی دلہن بننے کے حوالے سے پوچھ رہی ہوں کیسی رہے گی جوڑی دونوں کی؟" کنول ارتضیٰ نے اس کے چاند، ستارہ چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ مسکرا کر پانی

گلاس میں انڈیلتے ہوئے بولی۔

''بظاہر تو بہت اچھی رہے گی باقی فاریہ کی سوچ، مزاج، پسند ناپسند عادات کا کیا معلوم کیسی ہیں؟''

''حمزہ کی سوچ، مزاج، پسند ناپسند اور عادات کا معلوم ہے تمہیں؟'' کنول ارتضٰی نجانے کیا جاننا چاہ رہی تھیں مسکراتے ہوئے پوچھا تو پانی کا گھونٹ بھر کر بہت یقین سے پراعتماد لہجے میں بولی۔

''آف کورس بھابھی! بچپن کا ساتھ ہے ہم سے بہتر اسے کون جانتا ہوگا؟''

''ہاں یہ تو ہے پھر بھی تم نے اسے جانے دیا۔''

''کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں بھابھی؟''

''کچھ نہیں، یہ بتاؤ رزلٹ کب آرہا ہے تمہارا؟''

''بس ایک دو دن میں آجائے گا پھر انشاء اللہ، ہاؤس جاب میں مصروف ہو جاؤں گی اور یہاں وہاں جانے کا ٹائم نہیں ملے گا اسی لئے آج آئی تھی کے آپ سب کے ساتھ اچھا سا وقت گزاروں گی لیکن آپ کے ہاں تو بہت اسپیشل گیسٹس آئے ہوئے ہیں لہٰذا میں اب جاؤں گی واپس۔'' عشال نے مسکرا کر تیزی سے کہا۔

''واپس جانے کی کیا ضرورت ہے، ہمارے ساتھ لنچ کرنا اور تم کوئی مہمان تھوڑی ہو اس گھر کا فرد ہو، پہلے ہی یہاں آگئیں ہوتیں تو ان مہمانوں کے آنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔'' کنول ارتضٰی نے معنی خیز بات کہی تھی وہ الجھی ہوئی نظروں اور ذہن کے ساتھ انہیں دیکھنے لگی۔

''وقت کچھ سمجھ میں نہیں آرہا میں مارکیٹ ...نا ہوں کچھ چیزیں خریدنا تھیں سو دن ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ یہ کام آج ہی نبٹا لوں ویسے بھی آپ سب سے ملاقات تو ہو ہی گئی ہے نا، لنچ ڈنر پھر کبھی سہی۔'' عشال نے اپنا شولڈر بیگ شولڈر پر لٹکاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''اچھا کچھ کھا پی کر جانا چاہئے تو پی لو جوس میں بناتی ہوں۔''

''نہیں بھابھی! کباب کھایا ہے نا بہت مزے دار تھا بچا کر رکھئے گا میرے لئے پھر آؤں گی بائے۔'' وہ تیزی سے کہتی ان کو گلے لگا کر مسکراتی ہوئی کچن سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

''زہے نصیب، ڈاکٹر عیشال درانی ہمارے دولت خانے پروارد۔'' حمزہ درانی اسی وقت روش پر اپنی گاڑی روک کر باہر نکلا تھا اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''کیسے ہو حمزہ؟'' عیشال نے مسکراتے ہوئے اس کی طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی خیریت دریافت کی۔

''تم بتاؤ کیسا ہوں؟'' وہ اپنے کالر درست کرتے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیر کر پوچھ رہا تھا، اونچا لمبا، کسرتی بدن کا حامل، خوش شکل، سنہری کھلتی گندمی رنگت، دلکش نین نقش کے ساتھ ڈارک براؤن اسٹائلش بال، ڈارک براؤن آنکھیں، احمریں لبوں پر دلفریب مسکراہٹ گرے کلر کی شرٹ بلیک پینٹ، بلیک شوز پہنے وہ بے حد وجیہہ وشکیل دکھائی دے رہا تھا، کسی فلمی ہیرو سے کم نہ تھا۔

''حمزہ درانی۔'' مگر عیشال نے اسے ہمیشہ دوست ہی سمجھا تھا، جبکہ وہ اسے دوست سے بڑھ کر چاہتا تھا شریک زندگی بنانا چاہتا تھا۔

''بہت ہینڈسم ہو اور کتنی اچھی بات ہے کہ اتنی حسین لڑکی کا رشتہ آیا ہے تمہارے لئے بہت بہت مبارک ہو تمہیں۔'' عیشال نے مسکراتے ہوئے

کہا، وہ اس کے چہرے پر افسردگی، اداسی، مایوسی کا رنگ ڈھونڈنے میں ناکام ہوتے ہوئے بولا۔
''تو تم نے بھی دیکھ لی وہ حسینہ۔''
''ہاں دیکھ بھی لی اور مل کر آرہی ہوں۔''
''تو جا کیوں رہی ہو؟''
''رک کر کیا کروں گی؟ سب تو مہمانوں کے ساتھ مصروف ہیں تم جاؤ وہ لوگ تمہارا ہی ویٹ کر رہے ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اپنے سیل فون پر آنے والے میسج ریڈ کرتے ہوئے مگن انداز میں سنجیدگی سے بولی۔
''تمہیں پسند آئی وہ لڑکی؟'' حمزہ نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے سوال کیا۔
''میں پسند کر کے کیا کروں گی؟ شادی تمہاری ہونا ہے، پسند ناپسند کا فیصلہ بھی تمہیں کرنا ہے۔'' وہ مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔
''پھر بھی کچھ تو کہو، رائے دو، آخر دوست ہو تم میری، کزن ہو اور میری زندگی کے اتنے اہم موقع پر مجھے چھوڑ کر جا رہی ہو۔''
''تم تو لڑکیوں کی طرح ری ایکٹ کر رہے ہو، پوری فیملی تمہاری سپورٹ کے لئے موجود ہے اور فاریہ بہت خوبصورت ہے۔'' وہ ہنس کر بولی تو وہ اس کے بے حد حسین و جمیل چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''لگتا ہے تم نے کبھی خود کو آئینے میں غور سے نہیں دیکھا۔''
''ہر روز دیکھتی ہوں۔'' وہ بے پرواہی سے بولی۔
''کیا دیکھتی ہو؟'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے تاسف سے مسکراتے ہوئے بولا۔
''میری چھوڑو اپنی فکر کرو، جاؤ اندر، پھر بات ہوگی، اللہ حافظ۔'' عیشال نے مسکرا کر کہا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی، حمزہ نے حسرت بھری بے کل نظروں سے اسے دیکھا اور گہرا سانس لبوں سے خارج کرتے ہوئے اندر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

☆☆☆

''عیشال! تم اتنی جلدی واپس آگئیں تم تو رات تک رکنے والی تھیں ناں؟'' شمع بیگم نے اسے ہاتھ میں شاپنگ بیگ اٹھائے دیکھا تو فوراً پوچھا۔
''بس پلان بدل گیا تھا پھپھو کے کچھ گیسٹ آئے ہوئے تو میں ان سے مل کر مارکیٹ چلی گئی کچھ چیزیں خریدیں اور گھر آگئی۔'' عیشال وہیں ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔
''کھانا کھایا تم نے؟''
''نہیں، کیا پکا ہے؟''
''کوفتے تم ہاتھ دھو کر آؤ میں عصمت سے کہتی ہوں تمہارے لئے کھانا لگائے۔'' شمع بیگم بولیں۔
''ہاں تمہارے ابو اور بھائی نے تو ولیمے میں جانا تھا تو ہم نے جلدی کھا لیا بلکہ ابھی دس پندرہ منٹ پہلے ہی کھایا ہے۔''
''اچھا! عصمت سے کہیں کہ میرا کھانا میرے کمرے میں دے جائے میں کھانا کھا کر ریسٹ کروں گی۔'' عیشال سنجیدہ اور تھکے تھکے لہجے میں بولی اور اپنا سامان اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔
''ٹھیک ہے کہہ دیتی ہوں۔'' شمع بیگم نے اس کے تھکے تھکے سے وجود کو ممتا بھری نظروں سے دیکھا تھا وہ کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

''ہر وقت پیار، محبت کی باتیں کرنے والا حمزہ درانی کیا اب اپنے گھر والوں کی مرضی اور پسند سے ارینج میرج کرلے گا؟ وہ تو اکثر کہتا ہے کہ میں اس لڑکی سے شادی کروں گا جس سے

مجھے پیار ہوگا یا اس لڑکی سے جو مجھ سے پیار کرتی ہوگی، یہاں تو دونوں ہی ایک دوسرے سے پیار نہیں کرتے پھر کیسے ہوگی یہ شادی؟ کنول بھابھی کی باتوں سے تو لگ رہا تھا کے پھپھو اور سب گھر والے فاریہ کے رشتے پر خوش اور راضی ہیں تبھی تو انہوں نے فاریہ کی فیملی کو اپنے گھر مدعو کر رکھا تھا، اس کا مطلب ہے کہ حمزہ اور فاریہ کی شادی طے ہونے والی ہے، کیا خبر فاریہ ہی حمزہ کی پسند۔"

عیشال اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے سوچ رہی تھی، اس دوران عصمت اس کے لئے کھانا لے آئی اور وہ کھانا کھانے بیٹھ گئی لیکن اس کا دماغ مسلسل حمزہ اور فاریہ کے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔

"کیا حمزہ، فاریہ سے شادی کر لے گا؟" اس کے دماغ نے سوال اٹھایا۔

"اوہو، حمزہ، فاریہ سے شادی کرے یا نہ کرے یہ میرا مسئلہ تھوڑی ہے، میں کیوں ان کے رشتے کے بارے میں اتنا سوچ رہی ہوں؟ جو بھی ہوگا معلوم ہو ہی جائے گا حمزہ بتا دے گا خود ہی۔" عیشال نے سر جھٹک کر خود کلامی اور کھانا کھانے پر توجہ دی۔

☆☆☆

"بھابھی! عیشال کب آئی تھی، کیونکہ جس وقت میں آ رہا تھا وہ واپس جا رہی تھی۔" حمزہ نے رات کو کنول ارتضیٰ کے ساتھ لان میں واک کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہی واپس چلی گئی تھی حالانکہ پورا دن سپنڈ کرنے کے ارادے سے آئی تھی ہمارے ساتھ۔"

"تو رکی کیوں نہیں؟" وہ بے کل ہو کر بولا۔

"مہمانوں کی وجہ سے نہیں رکی میں نے کہا بھی کے لنچ تو کر لی جاؤ مگر نہیں مانی ویسے اسے فاریہ اچھی بلکہ اچھی لگی ہے تمہارے لئے۔" کنول ارتضیٰ نے اسے دیکھتے ہوئے مسکراتے شریر لہجے میں بتایا۔

"نہ کریں بھابھی، آپ لوگ کیوں مجھے اس چکر میں الجھا رہے ہیں؟" وہ بے بسی سے بولا۔

"شادی تو کرنی ہے نا تمہاری؟ اتنے اچھے رشتے موجود ہیں تمہارے لئے پھر بھی تم نہیں مانتے۔"

"آپ جانتی تو ہیں کہ کیوں نہیں مانتا۔"

"ہاں مگر وہ بھی تو نہیں مانتی محبت کو۔"

"بھابھی پلیز ہیلپ می، میں فاریہ سے شادی نہیں کر سکتا مجھے عیشال کے سوا کسی لڑکی کو نہیں اپنانا۔" وہ بے بسی بے کلی سے بولا تو وہ سنجیدگی سے بولیں۔

"تو ہم عیشال کا رشتہ مانگ لیتے ہیں جا کر تم مت روکنا اب۔"

"ابھی تو وہ محبت سے انکاری ہے یہ نہ ہو کے شادی سے بھی انکار کر دے۔" وہ بے چینی سے سر میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"کب تک انکار کرے گی؟ آخر ایک دن شادی تو کرنا ہے نا عیشال نے۔" وہ سنجیدگی سے بولیں۔

"بس آپ فاریہ والے رشتے کو منع کروا دیں مجھے ابھی نہیں کرنی شادی۔"

"ٹھیک ہے کچھ سوچتے ہیں۔" کنول ارتضیٰ اسے الجھن اور بے کلی میں مبتلا دیکھ کر فکر مندی سے بولیں تو وہ ممنون انداز میں مسکرا دیا۔

☆☆☆

عیشال کے کئی کلاس فیلوز کئی کئی لڑکیوں کے ساتھ افیئرز چلا چکے تھے، اسے بھی محبت کے فریب میں مبتلا کرنے کی کوشش کر چکے تھے اس لئے بھی وہ محبت سے چڑ گئی تھی بھلا ایسی ہوتی ہے

محبت اگر ایک نے دوسرے کی بات نہ مانی تو تعلق توڑ لیا، دوسرے کی مرضی پر نہ چلے تو محبت ختم کر دی اور کسی اور سے کر لی" محبت کا مینا بازار" لگتا تھا یہ سب اسے اور اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ محبت کے چکر میں نہیں پڑے گی کبھی، یہ مرد تو آئے دن نئی لڑکی سے محبت کا دعویٰ، وعدہ کرتے ہیں اور چند روز بعد ان کی محبت ختم ہو جاتی ہے، محبت تو پائیدار اور ہمیشہ رہنے والی ہوتی ہے اگر سچ میں ہو تو، یہ عیشال کا خیال تھا۔

"کیا بنا تمہارے رشتے کا طے ہو گیا؟" حمزہ ان کے گھر آیا تو عیشال نے پہلا سوال اس سے یہی پوچھا تھا۔

"تمہیں بڑی جلدی ہے میرا رشتہ طے ہونے کی۔" وہ چڑ کر بولا۔

"میں نے صرف پوچھا ہے دوست اور کزن ہونے کے ناطے تم تو بگڑنے لگے معاف کرو بھئی نہیں پوچھوں گی آئندہ۔" عیشال نے خراگی سے اسے دیکھتے ہوئے دھیمے پن سے کہا اور جانے کے لئے اٹھ گئی، حمزہ شرمندہ سا ہو گیا۔

"سوری عیشو! تھوڑا اپ سٹ ہوں اس لئے لہجہ بدل گیا۔" وہ کھڑا ہو کر خجالت سے بولا۔

"ابھی لہجہ بدلا ہے کل کو تم بھی بدل جاؤ گے پورے کے پورے، بہتر ہے کہ میں ابھی سے خود کو سمجھا لوں کے جناب عزت مآب انجینئر حمزہ درانی سے کیا بات کرنی ہے؟ کون سی بات اور سوال نہیں کرنا؟ ہے نا؟" وہ ہاتھ باندھ کر اس کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی، تو وہ بے قرار ہو گیا۔

"یہ میرے بندھے ہاتھ دیکھو، معاف کر دو پہلے بھی ایسا کچھ کہا ہے تم سے جو اتنا اوور ری ایکٹ کر رہی ہو؟" وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بے کلی سے بولا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"نہیں کہا نا، اسی لئے آج بدلے ہوئے لہجے نے دکھ دیا، تمہاری غلطی ہے یہ بھی، کیوں ہو سب سے الگ؟ کیوں میرے لئے ہر وقت پھول سا نرم لہجہ اور کیئر نگ رویہ اپنائے رکھا ہمیشہ۔" عیشال نے اس کے بندھے ہاتھوں کو تھام کر اس کی صورت کو دیکھتے ہوئے کہا تو حمزہ درانی کا دل چاہا کہ وہ اسے اپنے دل کی بات کہہ دے مگر جبر کر گیا۔

"میں تو ہوں ہی ایسا لونگ، کیئرنگ اور تم تو میری بیسٹ فرینڈ ہو کزن ہو اس کا بھی مارجن مل جاتا ہے تمہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم نے سچ میں مجھے سر پہ چڑھا لیا ہے۔" وہ ہنس کر بولی۔

"صرف سر پہ نہیں چڑھایا دل میں بھی بسایا ہوا ہے مائی ڈیئر کزن۔" وہ اپنے دل میں بولا تھا۔

"ہاں ایک نک چڑی لڑکی کو سر پہ چڑھانا بنتا نہیں ہے نا۔" وہ مسکراتے ہوئے شرارت بھرے لہجے میں بولا۔

"ہی ہی ہی، بہت فضول ہو تم۔" عیشال نے اس کے سینے پر مکہ رسید کر دیا وہ ہنس پڑا۔

"بیٹھو میں تمہارے لئے چائے اور پکوڑے بنا کر لاتی ہوں۔"

"ہاؤ سویٹ۔" وہ خوش ہو کر بولا۔

"سویٹ نہیں سالٹی۔"

"وہ تو تم ہو۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

"محبت کے معاملے میں۔"

"اف، پھر سے محبت پر واعظ نہ دینے بیٹھ جانا اب۔" عیشال یہ کہہ کر کچن کی طرف چلی گئی۔

"اوہ خدایا، کیا بنے گا میرا؟ اس لڑکی کے دل میں میری محبت جگا دیں اللہ تعالیٰ پلیز۔" حمزہ نے زیر لب اللہ کو مخاطب کیا تھا۔

عشال کا فائنل ایئر کا رزلٹ آؤٹ ہو گیا تھا اور وہ بہت اچھے گریڈ میں کامیاب ہو گئی تھی، جبھی اس کی کامیابی پر بہت خوش تھے۔ اعجاز درانی نے اسی خوشی میں گھر پر ایک پارٹی کا اہتمام کیا تھا جس میں تمام قریبی رشتے دار شریک ہوئے بشمول ''مرتضیٰ درانی'' کی فیملی کے، جبھی عشال کے لئے تحائف لائے تھے، مبارکباد وصول کرتے ہوئے وہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی، اس کی گلابی مائل سفید رنگت پر سیاہ کامدار سوٹ جس پر سلور کلر کے جھلمل کرتے ستارے، موتی الگ ہی چھب دکھلا رہے تھے، بہت جچ رہا تھا، وائیٹ گولڈ کا لاکٹ سیٹ اس نے پہنا ہوا تھا جو اسے ابو ''اعجاز درانی'' نے کامیاب ہونے پر بطور انعام دیا تھا، سلور سینڈل پہنے مناسب قد کاٹھ کی حامل دلکش، دلنشین عشال درانی ہلکے میک اپ میں اور بھی اسپراء دکھائی دے رہی تھی، حمزہ درانی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کا صدقہ اتارا تھا اور ساتھ ہی کچھ تصاویر بھی لی تھیں اپنے سیل فون میں، وہ خود بھی سیاہ پینٹ کوٹ میں بہت ہینڈسم لگ رہا تھا، جب سب کھانا کھا رہے تھے تب حمزہ نے عشال کے پاس آ کر مبارکباد دی۔

''مبارک ہو کزن، آج تمہارا ڈاکٹر بننے کا خواب پورا ہو گیا۔''

''خیر مبارک، مگر یہ کیا سب میرے لئے تحائف لائے ہیں اور تم ایسے ہی روکھی پھیکی مبارکباد دے رہے ہو۔'' عشال نے اسے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے دوستانہ لہجے میں شکوہ کیا۔

''کیا کروں؟ غریب آدمی ہوں اوروں کی طرح قیمتی تحائف نہیں خرید سکتا تمہارے لئے مگر اپنا آپ بیچ ضرور سکتا ہوں تمہارے لئے۔'' حمزہ اس کے قیامت خیز حسن کو دیکھتے ہوئے اپنے

''تمہارا کچھ پتا نہیں پھینک ہی دو، موڈ میں ہوتی ہو تو کنکر کو ہیرا اور ہیرے کو پتھر سمجھ لیتی ہو۔''

''اف، حمزہ اتنی بھی کم فہم اور ناسمجھ نہیں ہوں میں۔''

''جتنی ہو کافی ہو۔'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''دفعہ ہو جاؤ تم، میں نہیں بول رہی تم سے۔'' عشال نے اس کے بازو پر مکہ رسید کرتے ہوئے چڑ کر خفگی سے کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''ارے اپنا گفٹ تو لیتی جاؤ۔'' وہ آگے بڑھی تو اس نے پیچھے سے کہا۔

''مجھے نہیں چاہیے اپنے پاس ہی رکھو۔'' وہ خفا لہجے میں بولی۔

''سوچ لو، کسی اور کے ہاتھ نہ لگ جائے۔''

''تم میرا گفٹ کسی اور کو دے سکو گے کیا؟'' وہ پلٹ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعتماد سے پوچھ رہی تھی وہ گڑبڑا گیا۔

''تمہارا گفٹ کیا میں تمہیں بھی کسی اور کو نہیں دے سکتا۔'' حمزہ درانی نے چاہت محبت سے اس کے حسین سراپے کو دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں جواب دیا تو وہ پل میں خوش ہوگئی۔

''اچھا، تو دو میرا گفٹ۔'' عشال نے اس کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مسکراتے ہوئے کہا تو اس نے اپنے کوٹ کی جیب میں سے ڈارک براؤن رنگ کی ڈبیہ نکالی اور اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دی۔

''تھینک یو، فری ہو کر آرام سے دیکھوں گی۔''

''پہن کر دکھاؤ گی تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''ضرور۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی اور مہمانوں کی طرف بڑھ گئی، حمزہ درانی کے لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ سج گئی تھی۔

☆☆☆

کتنی بے بس ہوں کیا بتاؤں تمہیں ؟
میں خودکشی بھی تمہیں کر سکتی

عشال کی دوست اور کولیگ حمیرا جسم نے نہایت افسردگی سے کہا تو وہ اس کے پر ملال چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''کیا ہوا ہے؟ طارق بدل گیا کیا؟''

''تمہیں کیسے پتا چلا؟'' حمیرا نے اس کے چہرے کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھا۔

''تمہارے چہرے پہ یہ بڑا بڑا لکھا ہے کہ محبت کے بدل جانے کا غم منا رہی ہو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ محبت بدل کیسے جاتی ہے اگر واقعی محبت ہے تو۔'' عشال نے تیز لہجے میں کہا۔

''اسے مجھ سے زیادہ حسین لڑکی مل گئی ہے وہ ہے نائی لڑکی جو صادق آباد سے آئی ہے ہاؤس جاب کرنے آج کل طارق اس کے اردگرد منڈلا رہا ہے، میرا فون اٹینڈ نہیں کرتا، میسج کا ریپلائی نہیں کرتا اور تو اور میں نے جب پوچھا کے تم صدف کے ساتھ کیوں رہنے لگے ہو تو انتہائی دیدہ دلیری سے کہنے لگا کہ مجھے وہ اچھی لگنے لگی ہے ہمارا اسٹار بھی سیم ہے، ہماری بہت سی باتیں اور عادتیں بھی سیم ہیں ہو سکتا ہے میں اس سے شادی بھی کرلوں۔'' حمیرا جسم یہ بتاتے ہوئے رو پڑی اور عشال درانی کو شدید غصہ دلا گئی۔

''خبردار جو تم نے اس کمینے کے لئے ایک آنسو اور بہایا ہو، جو ہر کسی کا ہو، وہ کسی کا نہیں ہوتا شکر کرو کے وقت پتا چل گیا کے وہ کیسی نیچر کا آدمی ہے شادی کے بعد تمہارے ساتھ یہ سلوک کرتا تو یا کر لیتیں تم، لعنت بھیجو اس پر اور آگے بڑھو میں نے کتنا سمجھایا تمہیں مت آؤ اس کی باتوں میں مگر تم نے میری ایک نہیں سنی۔'' عشال نے قدرے غصے سے کہا تو وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے

بولی۔
"محبت کسی کی نہیں سنتی سوائے اپنی محبت کے میں تو اس کی بس ایک آئی لو یو سن کر ہی اس کی باتوں پر ایمان لے آئی تھی، مجھے کیا پتا تھا کہ وہ بس ایک آئی لو یو، بول کر سال چھ مہینے بعد لڑکی بدل لیتا ہے اللہ کرے اسے کسی کی محبت نصیب نہ ہو۔" حمیرا نے دکھے دل سے بد دعا دی۔
"آمین، اس بد دعا میں تمہارے ساتھ ہوں میں۔"
"محبت واقعی خوش نصیب انسان کا نصیب بنتی ہے اور میں اتنی خوش نصیب نہیں ہوں کہ کوئی مجھ سے سچی محبت کرے۔" حمیرا نے بھیگتے لہجے میں کہا اور عشال کو مزید غصہ دلایا۔
"اس طارق کے کمینے پن کی سزا اب تم خود کو یوں دو گی؟ کچھ عقل ہے پاس یا ساری کی ساری گھاس چرنے گئی ہوئی ہے، اچھے برے انسان ہر جگہ ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ایک برے تجربے کی وجہ سے خود کو بد نصیب سمجھنے اور کہنے لگو، وہ جو تمہارا کزن ہے رافع تم نے ایک بار بتایا تھا کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے مگر تم نے اسے کبھی بے تکلف ہونے یا بات کرنے کا موقع نہیں دیا طارق کی وجہ سے، تو اب اگر وہ تمہیں اپنانے کی بات کرے، شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کرے تو اس سے کہنا کہ تمہارے پیرنٹس سے بات کرے اپنی فیملی کو بھیجے۔" عشال نے غصے میں تیز لہجے میں کہا۔
"مگر یہ تو خود غرضی ہے دھوکا ہے۔"
"کوئی دھوکا نہیں ہے تم سے غلطی ہوئی اب اسے سدھار لو کسی ایک شخص کی بے وفائی اور دھوکے کی سزا تم خود کو مت دو اور نہ ہی کسی دوسرے شخص کی محبت ٹھکرا کر اس سے بدلہ لے کر وہ، ایک آئی لو یو کا روگ پوری زندگی کو لگا کر بیٹھنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ خود پر خوشیوں کے دروازے بند مت کرو، جو تمہیں چھوڑ گیا تم بھی اسے چھوڑ دو اور کسی مخلص انسان کا ہاتھ پکڑ کر ہو تمہاری دل سے عزت تو کرنا ہوگا۔" عشال نے لہجہ سنجیدگی سے اسے سمجھایا، تو وہ اس کی بات سمجھتے ہوئے بولی۔
"ہاں تم درست کہہ رہی ہو جب دھوکہ دینے والا آگے بڑھ جائے تو ہم کیوں پیچھے رہیں، ہمیں بھی آگے بڑھنے اور اپنی زندگی خوشگوار بنانے کا حق حاصل ہے۔"
"شکر ہے تمہاری سمجھ میں یہ بات آئی تو۔"
"لیکن دکھ ابھی تازہ ہے۔"
"نئی محبت ملے گی تو خود ہی باسی پڑ جائے گی، اپنی زندگی میں موجود رشتوں، چیزوں کی نعمتوں کی گنتی کرو تمہیں خود ہی محسوس ہوگا کہ ایک بیکار چیز کا غم منا رہی ہو، دکھ اس کے ہار جانے کا نہیں ہے، دکھ تمہارے وہیں رک جانے کا ہوگا۔" عشال نے سنجیدگی سے کہا۔
"تم اتنی سمجھدار کیسے ہو؟" وہ مسکرا کر بولی۔
"لوگوں کو محبت کرتے، دغا دیتے، دغا دیتے دیکھ رہی ہوں ایک عرصے سے یہ لوگ اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں، چار چھ ماہ لڑکی کے عشق میں پاگل ہونے کا ڈرامہ کرتے ہیں اس کے بعد کوئی اور نظر آ جاتی ہے، دل ہے تو اس سے عشق ہو جاتا ہے، میں تو اب لگی، ٹائم پاس، وقت گزاری ہی کہوں گی کیونکہ پیار، عشق، محبت بدلا نہیں کرتے، بے وفائی نہیں کرتے، ہمیشہ ساتھ دیتے ہیں، پاس ہوتے ہیں۔" عشال نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
"تم تو محبت کے خلاف تھیں اور باتیں کر رہی ہو جیسے محبت کا تجربہ علم اور احساس کوٹ کوٹ کر بھرا ہو۔" حمیرا نے کہا تو وہ

بولی۔

''میں محبت کے خلاف نہیں ہوں، محبت کا ڈرامہ کرنے اور محبت کے نام کو، جذبے کو استعمال کرنے والوں کے خلاف ہوں دور نہیں جاتے تم اپنی ہی مثال لے لو آٹھ ماہ سے تمہارا اور طارق کا افیئر تھا اور انجام کیا ہوا؟ ہر دوسرا بندہ محبت کے چکر میں پڑا ہے اور دوسرے کو چکر دے رہا ہے، جو محبت کرتے ہیں وہ نبھاتے بھی ہیں بیچ راہ میں چھوڑ کر نہیں جاتے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو لیکن!''

''لیکن کیا؟''

''تم اگر کسی سے محبت نہیں کرو گی تو شادی کیسے کرو گی؟ شادی تو کرنی ہے نا ایک دن؟'' حمیرا نے مسکرا کر سوال کیا۔

''ہاں تو شادی کا محبت سے کیا تعلق؟ ہمارے ہاں 90 پرسنٹ شادی شدہ جوڑے بے محبت کی زندگی گزار رہے ہیں بلکہ گزارہ کر رہے ہیں، مجبوری، برداشت، سمجھوتہ، مصلحت جیسے عوامل انہیں اپنی شادی قائم رکھنے، تعلق بنائے رکھنے پر آمادہ کرتے ہیں ورنہ محبت بے چاری کو یہاں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، کم ہمت، کم ظرف لوگ محبت کا نام بدنام کر رہے ہیں بس۔'' عشال نے کافی کا سپ بھر کر کہا۔

''تو تم اپنی شادی شدہ زندگی بنا محبت کے گزارو گی؟ سمجھوتہ کرو گی عمر بھر کے لئے ایک مجبوری کی سمجھوتے بھری زندگی گزارو گی؟'' حمیرا نے اسے گریدا۔

''بنا محبت کے زندگی گزاری جا سکتی ہے، بنا عزت کے نہیں میرا ہونے والا شوہر میری عزت کرتا ہوگا تو مجھے کوئی شکوہ نہیں ہوگا اس سے۔'' وہ کافی کے سپ لیتے ہوئے بولی۔

''اور سناؤ، حمزہ کیسا ہے؟''

دیا۔

''تو اس سے شادی کر لو۔''

''اس کی شادی طے ہونے والی ہے لڑکی بھی اس نے اور اس کے گھر والوں نے پسند کر لی ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''انہیں تم نظر نہیں آئیں۔'' وہ معنی خیزی سے بولی۔

''حمزہ محبت پر یقین رکھتا ہے اور محبت کی شادی کرنا چاہتا ہے میرے نادر خیالات سے واقف ہے وہ۔''

''کون سے نادر خیالات؟''

''یہی کہ مجھے محبت کر کے شادی نہیں کرنی۔''

''تو شادی کر کے محبت کر لینا شوہر سے افیئر چلانے کا چانس باقی نہیں رہتا اور نہ ہی وہ ایکدم سے چھوڑ کر جا سکتا ہے۔'' حمیرا نے بھی کافی کا گھونٹ بھرا اور اس کے حسین چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا شوہر مل گیا تو محبت بھی ہو ہی جائے۔''

''تمہاری عقل پر ہی نہیں آنکھوں پر بھی پردہ پڑا ہے جو حمزہ جیسا ہینڈسم بندہ تمہیں دکھائی نہیں دیتا، تمہارا دل اس کے لئے نہیں دھڑکتا کمال ہے، پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ حمزہ تمہیں چاہتا ہے۔'' حمیرا نے اسے لتاڑ کر کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

''مجھے چاہتا ہے تو آج تک اظہار کیوں نہیں کیا؟ رشتہ کیوں نہیں بھیجا؟''

''کیونکہ وہ محبت کے بارے میں تمہارے خیالات سے آگاہ ہے اور یقیناً وہ تم پر زبردستی اپنا فیصلہ تھوپنا نہیں چاہتا ہوگا مجھے تو تم دونوں ایک

ساتھ بہت اچھے لگتے ہو، کیا تم نے کبھی نہیں سوچا حمزہ کے بارے میں ایسا؟'' حمیرا نے اپنی رائے کا اظہار کرنے کے بعد اس سے سوال کیا۔

''نہیں تو، ہم دونوں بہت اچھے دوست ہیں ہماری انڈر اسٹینڈنگ ہے آپس میں مگر کبھی محبت یا شادی کا نہیں سوچا ہاں اس ٹوپک پر بات کئی بار ہو چکی ہے ہماری۔'' اس نے ایمانداری سے بتایا۔

''اور تمہاری باتوں نے حمزہ کے دل کے ارمانوں پر پانی پھیر دیا ہوگا۔'' حمیرا تاسف سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''رہنے دو حمزہ مجھ سے کوئی بات نہیں چھپاتا، جتنا وہ محبت کرنے والا ہے نا، اسے اگر مجھ سے محبت ہوتی تو اب تک کہہ چکا ہوتا بلکہ پورے شہر میں منادی کرا چکا ہوتا۔'' عشال سنجیدگی سے بولی۔

''چلو دیکھتے ہیں کون چھپاتا ہے کون بتاتا ہے؟''

''دیکھ لینا۔'' عشال مسکرا دی۔

☆☆☆

''مبارک ہو کیلی تمہاری شادی طے ہوگئی ہے۔'' حمزہ نے عشال کے بکے پیش کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا وہ جو ابھی ہوسپٹل سے گھر آئی تھی اتنی غیر متوقع خبر سن کر شاکڈ رہ گئی۔

''کیا کہہ رہے ہو، دماغ درست ہے تمہارا؟'' عشال نے اس کو بھنویں سکیڑ کر دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''الحمدللہ، ہم سب گھر والے تو مبارکباد دینے آئے ہیں بے شک ڈرائنگ روم میں جا کر کسی سے بھی پوچھ لو۔''

''میں نہیں مانتی، میری شادی مجھ سے پوچھے بغیر طے کر دی گئی ہے۔

''یہ کوئی مجھے دیکھنے آیا نہ کسی نے بتایا اور ایکدم سے شادی طے ہوگئی، واہ اچھا مذاق ہے۔'' عشال طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''مذاق نہیں ہے تم نے خود ہی تو ماموں مامی سے کہا تھا کہ تمہیں کوئی پسند نہیں ہے لہٰذا انہوں نے اپنی پسند کے لڑکے کے ساتھ تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے تم نے محبت تو نہیں کرنی مگر شادی تو کرنی ہے نا؟'' حمزہ مسکراتے ہوئے بولا تو وہ لان کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے بولی۔

''تمہارا اپنا بارے میں کیا خیال ہے، تم نے تو محبت کی شادی کرنی تھی نا، تو کیا فاریہ کے ساتھ محبت ہوگئی ہے تمہیں؟''

''میں اپنی بات پر قائم ہوں مجھے جس لڑکی سے پیار ہے شادی بھی اسی سے کروں گا فی الحال تم اپنی خیر مناؤ، ہمارے بڑے ہماری شادیاں مطلب شادی ساتھ ساتھ ہی رکھنا چاہ رہے ہیں۔'' حمزہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کے ساتھ چلتے ہوئے گویا ہوا۔

''کیوں شادی سیل لگی ہے کیا؟'' وہ غصے میں آتے ہوئے بولی۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں؟'' حمزہ نے کندھے اچکا دیئے۔

''بہت کچھ، مگر کہو گے نہیں، میں پوچھتی ہوں جا کر امی ابو سے کہ انہوں نے کس ایرے غیرے نتھو خیرے، ایکس وائے زیڈ کے ساتھ میری شادی طے کی ہے۔'' وہ یہ کہہ کر اندر کی طرف بڑھ گئی تو حمزہ اس کے پیچھے آتے ہوئے بولا۔

''یہ تو میں بھی تمہیں بتا سکتا ہوں۔''

''تو بتاؤ کس نے اپنی شامت کو آواز دی ہے؟'' وہ اس کو دیکھتے ہوئے رک کر بولی۔

''وہ جو اس روز فاریہ کی فیملی آئی ہوئی تھی نا، انہوں نے تمہیں پسند کر لیا تھا فاریہ کے

لے لئے۔'' حمزہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''میں نے تو پسند نہیں کیا تھا پھر ہاں کیسے کی گئی؟''
''تمہارے نیک خیالات سے سب آگاہ ہیں نہیں پیار، پسند کے چکر میں پڑنا ہی پسند نہیں ہے اسی لئے تمہاری شادی کا فیصلہ تمہارے بڑے کر رہے ہیں۔'' وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔
''پیار، پسند کے چکر میں نہیں پڑنے کا مطلب یہ نہیں ہے، کسی کے بھی پلو سے باندھ دیا جائے۔'' وہ یہ کہہ اندر چلی گئی، ڈرائنگ روم میں سبھی موجود تھے، عیشال کے گھر والے بھی اور حمزہ کے گھر والے بھی وہ سب کو سلام کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی، حمزہ مسکرا رہا تھا۔
''یہ اتنی سنجیدہ اور خاموش کیوں تھی؟'' کنول ارتضیٰ نے اس سے پوچھا۔
''میں نے اسے بتا دیا ہے کہ اس کا رشتہ طے پا گیا ہے۔''
''آتے ہی اعلان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ تھکی ہوئی آئی ہے کھانا کھا کر تھوڑا ریسٹ کر لیتی تو بتا دیتے، دیکھنا اب غصے میں وہ کھانا بھی نہیں کھائے گی۔'' کنول ارتضیٰ نے اسے دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں ڈانٹا۔
''لو لڑکیاں تو خوش ہوتی ہیں اپنی شادی طے ہونے پر یہ انوکھی لڑکی ہے کہ غصہ کرے گی۔'' وہ منہ بسور کر بولا۔
''ہاں یہ لڑکی انوکھی ہی ہے کیا تم نہیں جانتے؟'' کنول ارتضیٰ نے اسے گھور کر کہا تو وہ فوراً سر کھجاتے ہوئے بولا۔
''سوری، میں ایکسائیٹڈ ہو گیا تھا۔''
''اپنا رشتہ طے ہونے پر تو اتنے خوش نہیں تھے جتنا عشال کا رشتہ طے ہونے پر خوش ہو رہے ہو آخر وجہ کیا ہے؟'' کنول ارتضیٰ نے اسے کھوجتی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''اپنی شادی کون انجوائے کرتا ہے ہزار بکھیڑے ہوتے ہیں، شادی تو کزنز اور دوستوں کی ہی انجوائے کر سکتے ہیں اور عیشو کی شادی میرے لئے سب سے اہم اور یادگار ہو گی کیونکہ وہ میری کزن بھی ہے اور دوست بھی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔
''تمہیں بہت خوشی ہو رہی ہے میری شادی طے ہونے کی۔'' اسی وقت عشال وہاں آ گئی اور ناراض لہجے میں بولی وہ دونوں چونک کر پلٹے۔
''ظاہر ہے تم بیسٹ فرینڈ ہو میری، کزن بھی ہو تو خوشی کیوں نہیں ہو گی، کل سے اکٹھے چلیں گے شاپنگ کے لئے۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔
''مجھے نہیں کرنی شاپنگ۔'' عشال کا موڈ سخت آف تھا۔
''اچھا میری شادی کی شاپنگ تو کرا دینا، آئی تو تمہاری چوائس بیسٹ ہے مجھے اپنی شادی کے دن سب سے ہینڈسم لگنا ہے۔''
''وہ تو تم ہو ہی اور کتنی لڑکیوں کے دل جلانے ہیں سب سے ہینڈسم لگ کر؟'' وہ اسے دیکھتے ہوئے ایمانداری سے بولی تو وہ شوخ لہجے میں بولا۔
''صرف تمہارا دل جلانا ہے۔''
''اپنوں اور اپنی چیزوں سے کوئی نہیں جلتا۔''
''شکر ہے تم نے مجھے اپنا تو کہا اپنی چیزوں میں تو شمار کیا میرا۔'' وہ خوش ہو کر بولا، کنول ارتضیٰ ہنس پڑیں۔
''اتنے مظلوم کیوں بن رہے ہو جیسے کچھ معلوم ہی نہ ہو اپنا نہ سمجھا ہوتا تو دوستی نہ ہوتی

ہو رہے ہیں اور بھاگی دوڑی پھر رہی ہیں آپ اسے کیا
"چھوڑ رہی کا شکار ہو رہا ہے، بے چارا ہلکان ہو رہا ہے۔"
عشال نے اسے گھورتے ہوئے تیزی سے کہا تو
وہ ہنس پڑا۔

☆☆☆

"ممی! یہ میں کیا سن رہی ہوں آپ لوگوں
نے میرا رشتہ طے کر دیا ہے؟" سب کے جاتے
ہی وہ شمع بیگم کو اکیلا دیکھ کر بات کرنے چلی آئی۔
"ہاں۔" شمع بیگم اطمینان سے بولیں۔
"کیا مطلب، ہاں مجھ سے کسی نے پوچھنا
تک ضروری نہیں سمجھا، بتایا تک نہیں اور رشتہ طے
بھی کر دیا میری ہاؤس جاب تو مکمل ہونے کا
انتظار کر لیا ہوتا ایسی بھی کیا جلدی تھی؟" وہ غصے
سے تیزی سے بولتی چلی گئی۔
"بیٹی کی شادی وہ قرض ہے جو جتنا جلدی
ادا ہو جائے اتنا اچھا ہوتا ہے اور پھر ہم ایسا اچھا
رشتہ ٹھکرانے کا رسک نہیں لے سکتے تھے یوں بھی
قابل لڑکوں کے لئے تو ہر کوئی اپنی بیٹی دینے کو
تیار ہوتا ہے تمہاری خوش نصیبی ہے کہ انہوں نے
تمہیں پسند کیا ہم سب تو بہت خوش ہیں اس
رشتے سے۔" شمع بیگم سنجیدگی سے بولیں۔
"جس کی شادی ہے اس کی خوشی کی تو کوئی
اہمیت ہی نہیں ہے آپ کی نظر میں، اور نہ ہی آپ
کی بیٹی کس قابل لگتی ہے آپ کو کے کوئی اسے اپنا
کر اپنی خوش نصیبی پہ رشک کر سکے، یہ تو میری
خوش نصیبی ہے نا کہ انہوں نے مجھے پسند کیا ہے
بقول آپ کے، اگر وہ اتنے ہی اعلیٰ خاندان کے
خوش نصیب انسان ہیں ناں تو آپ کی بیٹی ان
سے کہیں زیادہ معتبر ہے جبھی انہوں نے آپ کی
بیٹی کا رشتہ مانگا ہے مگر آپ کو تو وہی بہت معتبر، اعلیٰ
و ارفع دکھائی دے رہے ہیں اپنے اور اپنی بیٹی
کے مقابلے میں۔" عشال نے نہایت سنجیدہ اور
سپاٹ لہجے میں تندی سے کہا غصے اور ضبط سے اس
کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔
"بھئی ہماری بیٹی قابل ہے اسی لئے تو
انہوں نے رشتہ مانگا ہے اور ہم کیا اپنی بیٹی کا رشتہ
کسی سے بھی کر دیں گے؟ اپنے ماں باپ پہ
بھروسہ رکھو انشاء اللہ تعالیٰ خوش رہو گی۔"
اعجاز درانی نے کمرے میں داخل ہو کر اسے
دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا، تو وہ خود کو کمپوز
کرتے ہوئے بولی۔
"لیکن ابو! اس طرح اچانک سے کیوں؟
کسی نے ذکر تک نہیں کیا مجھے سکون سے ہاؤس
جاب تو مکمل کرنے دیتے۔"
"بیٹی فکر نہ کرو تمہاری رخصتی ہاؤس جاب
مکمل ہونے کے بعد ہی کریں گے ابھی تو نکاح
کی ڈیٹ فائنل ہوئی ہے۔" اعجاز درانی نے مزید
انکشاف کیا، تو وہ شاکڈ ہو کر بولی۔
"کیا؟ نکاح کی ڈیٹ فائنل بھی کر دی؟"
"ہاں بھئی انہیں بہت جلدی تھی اور ڈر بھی
تھا کے کہیں عشال درانی کو کوئی اور نہ مانگ لے
ہم سے۔" اعجاز درانی نے مسکراتے ہوئے
جواب دیا۔
"مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ نے
اچانک سے اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر لیا مجھے بھنک تک
نہیں پڑنے دی میری مرضی جاننا، پوچھنا تک
ضروری نہیں سمجھا آپ نے، خیر بیٹی کا رشتہ طے
کرنے پر بہت مبارک ہو آپ دونوں کو۔"
عشال نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے سنجیدگی
سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی، وہ دونوں
نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

☆☆☆

اگر چاہت نہیں تم کو
بہت الفت نہیں ہے تو

بتاؤ؟
بے کلی کیوں ہے؟
اب سی بے بسی کیوں ہے؟
محبت، پیار کو تم نے
کبھی سچا نہیں مانا، کبھی اچھا نہیں مانا
تو اب تم مضطرب کیوں ہو؟
تمہیں کس بات کا ڈر ہے؟
یہ دل میں بے قراری کیوں؟
یہ روح پہ کرب طاری کیوں؟
ذرا خود کو ٹٹولا تو
کہیں دل کے کسی کونے میں یا
روح کی کسی درز میں چاہت سسکتی ہو
کہیں انکار کے پہلو میں اقرار بیٹھا ہو
کہیں جذبہ کوئی کومل سا تیار بیٹھا ہو
تمہاری بے نیازی، سرد مہری نے اسے
خاموش رکھا ہو
تمہاری ہر نفی سے ہر گھڑی
اثبات کا مطلب نکلتا ہو
خود ہی سوچو، محبت پر یقین ہو کر
کسی کی چاہ نہ کرنا
کسی سے پیار نہ کرنا
کیا ممکن ہے؟

عشال جلے پیر کی بلی کی طرح اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھی، دل کو بے چینیوں نے گھیر رکھا تھا، یوں اچانک سے اسے کسی سے منسوب کیا جا رہا تھا بلکہ کر دیا گیا تھا لیکن وہ خوش نہیں تھی، دل کی حالت ایسی تھی کہ ابھی بند ہوا کے ابھی بند ہوا۔

"رشتہ طے ہونا اتنی انوکھی یا شاکنگ نیوز بھی نہیں ہے کہ میرا دل ڈوبا جا رہا ہے، وجہ کچھ اور ہے عشال درانی۔" وہ تھک کر بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے خود سے بولی۔

"ایک انجان شخص سے میرا عمر بھر کے لئے رشتہ جوڑ دیا گیا ہے، پریشانی تو ہو گی نا، میں نے تو فاریہ کے بھائی کو دیکھا بھی نہیں دیکھا تھا اور ساری زندگی دیکھنے کا پلان بنا لیا انہوں نے، شادی تو کرنی ہی ہے ایک دن لیکن یہ لوگ تو ہتھیلی پہ سرسوں جمانے چلے ہیں۔" عشال خود کلامی کرتے ہوئے خود کو بہت بے بس محسوس کر رہی تھی، اسے ایکدم سے حمیرا کی باتیں یاد آنے لگیں۔

"تمہاری عقل پر ہی نہیں آنکھوں پر بھی پردہ پڑا ہے جو حمزہ جیسا ہینڈسم بندہ تمہیں دکھائی نہیں دیتا، تمہارا دل اس کے لئے نہیں دھڑکتا کمال ہے، پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ حمزہ تمہیں چاہتا ہے۔"

"حمزہ اگر مجھے چاہتا ہے تو وہ فاریہ سے شادی کے لئے تیار کیوں ہو گیا؟ حمیرا ٹھیک کہتی ہے میرے خیالات کی وجہ سے وہ مجھ پر اپنا فیصلہ مسلط نہیں کرنا چاہتا ہو گا مگر اس نے تو صاف کہا تھا کہ وہ اس لڑکی سے شادی کرے گا جس سے اسے پیار ہے، تو وہ لڑکی کیا فاریہ ہے، میں اتنا کیوں سوچ رہی ہوں کہ وہ فاریہ سے پیار کرتا ہے کہ نہیں؟ وہ میرا رشتہ طے ہونے پر خوش ہے تو یقیناً وہ مجھ سے تو پیار نہیں کرتا نہ ہی حمزہ مجھے کبھی آئی لو یو کہے گا پھر میری بے چینی اور بے قراری کا سبب کیا ہے؟"

"وہ خود سے الجھ رہی تھی، دل چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے مگر کس بات پر روئے؟ کیا رشتہ طے ہونے پر؟ یا حمزہ کی فاریہ سے شادی طے پا جانے پر اور کیوں؟" یہی سوچ بچار اور بے کلی اسے ڈسٹرب کر رہی تھی، اس نے حمیرا کا نمبر ملا لیا۔

"السلام علیکم! خیر ہے میری اتنی محبت کیوں

جاگ رہی ہے کہ دو گھنٹے پہلے ملاقات کے بعد کال بھی کر لی؟" حمیرا نے مسکراتے شوخ لہجے میں استفسار کیا۔

"میرے پاس ایک بریکنگ نیوز ہے۔"

"اللہ خیر، کیا نیوز ہے جلدی بتاؤ؟" حمیرا نے متجسس و متفکر ہو کر کہا۔

"ابھی گھر پہنچ کر مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرا رشتہ طے ہو گیا ہے۔"

"واٹ؟" حمیرا کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ہاں۔"

"حمزہ کے ساتھ طے ہوا ہے؟"

"ارے نہیں ڈفر، حمزہ کے ہونے والے سالے کے ساتھ۔"

"ہیں، یہ کون سا وٹے پہ سٹہ کرانے کا طریقہ ہے دونوں کزنز کی شادی ایک ہی گھر میں بہن بھائی سے کرنے چلے ہیں، مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا ہے۔" حمیرا نے سنجیدگی اور حیرانگی سے کہا۔

"پتا نہیں کیوں؟ میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔" عشال بولی۔

"دل تو ڈوبے گا ہی نا جب دل کی سنو گی نہیں۔"

"کیا سنوں دل کی؟"

"وہ حمزہ کے لئے دھڑکتا ہے حمزہ کا ساتھ چاہتا ہے اسے کہہ دو جا کر۔"

"کیسے؟"

"حمزہ کو آئی لو یو بول دو افاقہ ہوگا۔" حمیرا نے مشورہ دیا۔

"دماغ درست ہے تمہارا؟" عشال چڑ کر بولی۔

"میرا دماغ تو درست ہے مگر تم دونوں کا دماغ لگتا ہے ایک دوسرے کو کھونے کے بعد درست ہوگا۔" حمیرا نے بھی صاف گوئی سے کہا۔

"حمزہ تو بہت خوش تھا وہ اس کی فیملی مجھے مبارک باد دینے کے لئے آئے ہوئے تھے ان فیکٹ وہ میری شادی انجوائے کرنے کے پروگرام بنا رہا تھا اور تم کہہ رہی ہو کہ میں اسے آئی لو یو کہہ دوں۔" عشال نے سنجیدگی اور بے کلی سے بتایا۔

"میرا کہا مت مانو، اپنے دل کا کہنا ہی مان لو، سن لو کے دل کیا کہتا ہے؟ تمہیں فلرٹ کرنے والے مردوں سے چڑ ہے نا؟ تو ذرا سچ سچ بتاؤ حمزہ نے کبھی کسی لڑکی سے فلرٹ کیا ہے؟" حمیرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں تو، وہ ایسا ویسا لڑکا نہیں ہے۔" عشال نے دل سے اعتراف کیا تھا۔

"پانچ سال سے تو میں تم دونوں کو جانتی ہوں تمہاری زبان پہ ہر وقت حمزہ، حمزہ کا کلمہ جاری رہتا ہے کبھی حمزہ کے علاوہ کسی لڑکے کا نام لیا نہ دوستی کی، اور نہ ہی میں نے دیکھا، سنا ہے کہ حمزہ کا کسی لڑکی کے ساتھ افیئر رہا ہو، دوستی رہی ہو سوائے تمہارے، اور تم تو حمزہ کو بچپن سے جانتی ہو وہ ایک ڈیسنٹ لڑکا ہے اور اتنا ہینڈسم ہے کہ لڑکیاں عاشق ہو جائیں اس پر، تو ایسا کیسے ممکن ہے کہ اتنے قریبی ساتھ اور گہری دوستی ہونے کے باوجود تمہیں حمزہ درانی سے پیار نہ ہوا ہو، اس قدر مصروفیت اور حقیقت پسندی بھی صحیح نہیں ہوتی کہ انسان کو اپنے ہی دل کی خبر نہ ہو وہ یہ نہ محسوس کر سکے کہ اسے کسی سے پیار ہو گیا ہے، مجھے تو بہت سمجھاتی ہو کہ محبت کرنے والے فلرٹ نہیں کرتے ایسے ہوتے ہیں ویسے ہوتے ہیں جبکہ خود تم یہ بات کبھی نہیں سمجھنا چاہ رہیں کہ سب ایک سے نہیں ہوتے کچھ حمزہ درانی جیسے سچے اچھے اور مخلص مرد بھی ہوتے ہیں جو کلی کلی نہیں منڈلا

ایک ہی پھول کو اپنے دل کے گلدان میں سجا کر اپنی روح کو اس کی خوشبو سے معطر و تر و تازہ رکھتے ہیں۔'' حمیرا نے اچھی خاصی کلاس لے ڈالی اس کی وہ اس کی باتیں سمجھ رہی تھی دل کے آئینے پر پڑے پردے دھیرے دھیرے سرک رہے تھے اور حمزہ درانی کی صورت واضح ہوتی چلی جا رہی تھی۔

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو حمزہ نے ہر قدم پہ میرا ساتھ دیا ہے ہمیشہ میرا خیال رکھا ہے، کبھی اپنی مرضی یا اپنا فیصلہ مجھ پر مسلط نہیں کیا، وہ کہیں جاتا ہے تو مجھے بتا کر جاتا ہے مجھ سے پوچھ کر جاتا ہے کہ مجھے کچھ چاہیے تو نہیں؟ مخلصانہ مشورے دیئے، اس نے مجھے ہمیشہ، اس سے کال یا میسج پر بات نہ ہو ایسا کوئی دن نہیں یاد مجھے، وہ کتنا بھی مصروف ہو مجھے ایک ٹیکسٹ کر کے میرا حال ضرور پوچھا ہے میرا دن کیسا گزرا، میں نے کھانا وقت پر کھایا یا نہیں یہ عام سی باتیں ہیں لیکن وہ پوچھتا ہے تو بہت خاص لگنے لگتی ہیں، مجھے اپنا آپ بہت خاص محسوس ہونے لگتا ہے، بہت خیال رکھتا ہے وہ میرا، احترام کرتا ہے میرا، مجھے عزت سے دیکھتا اور ٹریٹ کرتا ہے۔'' عشال نے کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھ کر دھیمے لہجے میں کہا۔

''اسے ہی تو پیار کہتے ہیں بدھو اور کیا وہ تمہیں موت کے کنویں میں موٹر سائیکل چلا کر دکھائے یا منہ سے آگ نکالے گا تو ہی تم اس کے پیار پر اعتبار کرو گی؟'' حمیرا نے چڑ کر ناراض لہجے میں کہا۔

''نہیں مگر..... میں کیا کروں اب؟''

''بہت آسان حل ہے اس مسئلے کا۔'' حمیرا نے کہا۔

''وہ کیا؟''

''بس ایک آئی لو یو کہنا ہے تم نے حمزہ کو۔''

''کیا؟ بس ایک آئی لو یو؟'' وہ حیرت سے چیخی۔

''ہاں آں، اگر اپنا پیار پانا ہے اور عمر بھر جیون اس کے سنگ بتانا ہے تو ایک آئی لو یو تو کہنا پڑے گا تمہیں۔'' حمیرا سنجیدگی سے بولی۔

''حمزہ مجھ پر ہنسے گا، مذاق اڑائے گا میرا۔''

''بس اتنا ہی جانتی ہو اسے؟'' حمیرا نے طنزیہ کیا تاکہ اسے جوش آئے عقل آئے اور وہ حمزہ سے بات کرے۔

''جانتی ہوں میں وہ بہت نائس انسان ہے بہت لونگ، کیئرنگ ہے میں ہی پاگل ہوں کے محبت سے متنفر رہی، ان فیک محبت کا غلط استعمال کرنے والوں نے مجھے محبت سے دور کر دیا تھا۔'' عشال نے دل سے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

''تو اب کیا ارادے ہیں؟''

''کوئی ارادے نہیں ہیں ہم دونوں کا رشتہ طے ہو چکا ہے۔''

''تو تم دونوں ایک ان چاہی، سمجھوتے سے پر زندگی گزار لو گے مگر ایک دوسرے کے سامنے محبت کا اقرار نہیں کرو گے ہے نا؟''

''یہ تو تم کہہ رہی ہو نا، حمزہ مرد ہے وہ اگر کسی لڑکی سے پیار کرے گا تو اسے کہہ دے گا اور رہی میرے دل کی بات تو میں نے آج تک حمزہ کے بارے ایسا سوچا ہی نہیں کے میں اس سے پیار کرتی ہوں یا وہ مجھ سے پیار کرتا ہے تو ایویں کیسے کہہ دوں اسے آئی لو یو؟'' عشال نے سنجیدگی سے کہا، اس کے دل و دماغ الجھن میں گرفتار تھے، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ دل حمزہ سے پیار کرتا ہے یا نہیں؟

''ٹھیک ہے مت مانو میری بات اور جانتے بوجھتے ایک دوسرے کی زندگی برباد کر دو، فون بند کرو اور ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو کہ تم حمزہ

سے پیار کرتی ہو کہ نہیں؟ اگر کرتی ہو جواب ہاں میں ملے تو اسے بول دینا آئی لو یو، انا کو درمیان میں مت لانا ورنہ عمر بھر پچھتاؤ گی بابے۔" حمیرا نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے رابطہ منقطع کر دیا۔

☆☆☆

"حمزہ! تمہیں پتا ہے میری کلاس فیلو نورین کی منگنی ٹوٹ گئی ہے دو سال سے منگنی تھی اس کے کزن کے ساتھ اور محبت بھی تھی دونوں میں اب لڑکے نے یہ کہہ کر منگنی توڑ دی ہے کہ اسے کوئی اور لڑکی پسند آ گئی ہے اس سے زیادہ خوبصورت اور دولت مند۔" عشال حمزہ کو بتا رہی تھی۔

"ویری سیڈ۔" حمزہ درانی نے اس کے افسردہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا، تو اس نے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ایسی ہوتی ہے محبت کے چند مہینے، سال دو سال بعد دل بھر جائے اور دوسرے کی زندگی برباد کر کے دل دکھا کے کسی اور کے دام محبت میں گرفتار ہو جائیں؟ یہ تو سراسر خود غرضی اور بے حسی ہے۔"

"ہاں تم صحیح کہہ رہی ہو۔"

"آئی ہیٹ محبت۔" وہ غصے سے بولی تھی۔

"محبت سے نفرت نہیں کرو اس کو مس یوز کرنے والوں سے نفرت کرو، محبت تو بہت انمول پاکیزہ اور خوبصورت جذبہ ہے جو زندگی کو حسین اور خوشگوار بنا دیتا ہے۔"

"اسی لئے تو لوگ فریب دیتے ہیں، دھوکا دیتے ہیں دوسروں کو محبت کے نام پر کچھ بھی کروا لیتے ہیں مطلبی کہیں کے، خود غرض، لالچی، بے شرم جذبات سے کھیلنے کا جیسا آسان بنا لیا ہے لوگوں نے۔" وہ غصے سے بولی تو حمزہ کو بے چینی ہونے لگی کیونکہ وہ بھی تو اس سے محبت کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ وہ اس کی محبت کو محسوس کرے، اس پر یقین کرے، مگر محبت سے اس کی حد درجہ بیزاری اور چڑ دیکھ کر ڈر جاتا تھا، پریشان ہو جاتا تھا کہ وہ اسے اپنی محبت کی سچائی کا یقین کیسے دلائے گا؟

"ہاں لیکن تم بے فکر رہو تم سے جو انسان محبت کرے گا وہ دل سے چاہے گا تمہیں اور تمہارے سوا کسی اور لڑکی کو نہیں چاہے گا ہمیشہ تمہارا وفادار بن کر رہے گا تمہیں دل و جان سے چاہے گا، تمہارا خیال رکھے گا بہت محبت اور عزت دے گا تمہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔" حمزہ درانی نے بہت جذب سے کہا تھا۔

"تم کوئی نجومی ہو، ستارہ شناس ہو جو اتنے یقین سے کہہ رہے ہو۔" عشال نے طنزیہ ہنس ہنس کر کہا۔

"نجومی یا ستارہ شناس تو نہیں ہوں لیکن خود پر یقین ہے مجھے۔" وہ اس کو چاہت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ ہنس کر بولی۔

"آرڈر پر تیار کراؤ گے میرے لئے ایسا آئیڈیل شریک زندگی؟ ہاؤ سویٹ، تم سچ مچ میرے بیسٹ فرینڈ ہو میرے لئے اتنا اچھا سوچتے ہو، مجھے اتنا اچھا سمجھاتے ہو۔"

"لیکن تم پھر بھی مکمل سمجھ نہیں پاتیں۔" وہ حسرت اور افسوس بھرے لہجے میں معنی خیزی سے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں۔" حمزہ درانی نے اس کے چہرے کو دیکھا تھا اور گہرا سانس لبوں سے خارج کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

عشال کو سال پہلے کی اس کی باتیں یاد آ رہی تھیں، اس کے لفظوں اور لہجے میں چھلکتی محبت اسے اب محسوس ہو رہی تھی اور حمیرا کی باتیں بھی

بات معلوم ہو رہی تھیں، حمزہ جو آج تک کسی کا
نہیں ہوا تھا شائد اسی کا ہو چکا تھا جبھی کسی اور لڑکی
کی طرف نہیں بڑھا تھا اب تک۔

مگر میں کیوں کہوں یہ سچ
مجھے اس سے محبت ہے
اسے بھی تو پتا ہوگا
وہ مجھ کو جانتا تو ہے
مجھے پہچانتا بھی ہے
مری سوچوں خیالوں کو
وہ پڑھ لیتا ہے کچھ ایسے کہ
مجھے حیران کرتا ہے
مری عادت اسے معلوم ہی ہوگی
بھلا میں کب محبت کا حسین اقرار کرتی ہوں
نہیں میں کہہ سکوں گی کہ
میں اس سے پیار کرتی ہوں
اسے یہ خود سمجھنا ہے
اسے ہی مجھ سے کہنا ہے
مجھے تم سے محبت ہے
میں اس سے کہہ نہیں سکتی
مجھے تم سے محبت ہے

"ضروری تو نہیں ہے وہ مجھی سے پیار کرتا ہو، غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے ورنہ میرا اتنا خیال رکھنے والا دوست، محبت کیسے چھپا سکتا ہے؟ فاریہ کے لئے ہاں کیسے کر سکتا ہے اگر مجھ سے محبت کرتا ہوتا تو فاریہ کے رشتے کے لئے ہاں نہیں کرتا۔" عشال نے دل میں سوچا اور سر جھٹک کر اس موضوع کو ہی نظر انداز کرنے کی کوشش کی تھی۔

☆☆☆

"عشال! ہم سوچ رہے ہیں کہ کیوں نہ تمہاری منگنی کی تقریب رکھ لی جائے گھر میں کچھ گہما گہمی ہو جائے گی رونق لگ جائے گی۔" خدیجہ بھابھی نے اسے ٹی وی پر ڈرامہ دیکھتے ہوئے پر جوش لہجے میں کہا۔

"شغل میلے اور رونق کے لئے آپ سرکس دیکھنے چلی جائیں ناں بھابھی، میری زندگی کے اتنے اہم معاملے کو تو اپنے شغل میلے کا حصہ مت بنائیں پلیز۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"سوری عشو! میرے کہنے کا مطلب تھا کہ اس خوشی کو سیلبریٹ تو کرنا چاہیے نا؟" خدیجہ بھابھی نے کہا۔

"مجھ سے تو قع مت رکھیے گا آپ لوگوں کو خوشی ہے تو آپ سیلبریٹ کریں۔" عیشال یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ کر باہر لان میں چلی آئی، ٹھنڈی سرد ہوا نے خوشدلی سے اس کا استقبال کیا تھا۔

"میں کیوں ہر کسی سے الجھ رہی ہوں؟" عشال نے خود سے سوال کیا۔

"تم حمزہ اور فاریہ کا رشتہ طے ہونے پر اتنی افسردہ نہیں تھیں جتنی اپنا رشتہ طے پانے پر آزردہ اور بے کل ہو آخر کیوں؟ کیا تم شادی کے نام سے ڈرتی ہو؟"

"حمزہ کسی اور کا ہوتے جا رہا ہے یہ احساس، مجھے کیوں بے چین کر رہا ہے؟"

"کیا واقعی مجھے حمزہ سے محبت ہے؟ اس کی شادی ہو جائے گی تو وہ مجھ سے پہلے کی طرح مل نہیں سکے گا دوستی میں کمی آ جائے گی فاریہ بھی نہیں چاہے گی حمزہ مجھ سے ملے، بے تکلف ہو یا مجھے وقت دے، اگر حمزہ فاریہ سے پیار کرتا ہے اور اس رشتے سے خوش ہے تو مجھے بھی اس کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے، محبت کا اظہار نہ حمزہ نے کھلے لفظوں میں مجھ سے کیا ہے نہ ہی مجھے اس سے ایسی محبت ہے لہٰذا یہ چیپٹر بند کرنا ہی بہتر ہے، جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" عشال نے خود سے بحث میں الجھنے کے بعد آخر فیصلہ کر ہی لیا کہ وہ کسی سے کچھ نہیں کہے گی سب خوش ہیں تو اسے

ان کی خوشی خراب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

☆☆☆

''کہاں ہو عیشو! کب سے کال کر رہا ہوں اٹینڈ ہی نہیں کر رہیں، بزنس مین سے رشتہ پلے ہونے پر خاص مغرور ہو گئی ہو تم۔'' حمزہ کی کال تھی اس نے ہیلو کہا ہی تھا کہ وہ نان اسٹاپ بولنا شروع ہو گیا۔

''اچھا جوک ہے، کہو کیسے فون کیا؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''شاپنگ پر جانا ہے تیار رہنا میں ایک گھنٹے تک آ رہا ہوں تمہیں پک کرنے۔''

''سوری حمزہ! میرا حمیرا کے ساتھ پروگرام ہے آج۔''

''دیکھا میں نے کہا تھا مغرور ہو گئی ہو، کیسے فٹ سے منع کر دیا مجھے ایک میں تمہارے لئے اپنے سارے پروگرامز اور پلان کینسل کر دیتا ہوں بڑی ہی بے مروت ہو تم۔'' حمزہ نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''چلو آج تمہیں میری اس خاص کا تو پتا چل گیا نا اس بہانے کے میں بے مروت ہوں اور ہاں، مغرور بھی ہوں، مجھے نہیں معلوم تھا کہ نئے رشتے طے ہوں تو انسان کا رویہ اور انداز ایکدم سے اتنا تبدیل ہو جاتا ہے تھینکس ٹو یو مائی فرینڈ، تم نے مجھے بتا دیا۔'' وہ ہنس کر نارمل لہجے میں بولی تھی مگر حمزہ کے دل پر گھونسہ سا لگا تھا، وہ اس کے لہجے میں دکھ محسوس کر کے اپنی کہی بات پر نادم ہو رہا تھا۔

''آئی ایم سوری، تمہیں برا لگا نا۔''

''نہیں بھئی تم اتنے فارمل کیوں ہو رہے ہو؟ ہم پھر کسی دن چلیں گے شاپنگ کے لئے ٹھیک ہے۔'' وہ اپنے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے، ٹیک کیئر بائے۔''

''بائے حمزہ۔'' عشال نے یہ کہہ کر کال کاٹ دی۔

دل بھی کٹ رہا تھا، جو سچ وہ ماننا، قبول کرنا نہیں چاہ رہی تھی وہی اسے بے کل و بے قرار کر رہا تھا، بے بسی کے احساس سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ کیوں تڑپ رہی ہوں اندر ہی اندر؟ چین کیوں نہیں آ رہا مجھے؟ خوش کیوں نہیں ہوں میں جیسے باقی سب خوش ہیں؟'' عشال نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر گرا لیا اور بے بسی سے بولی، دل تھا کے ڈوبا جا رہا تھا، وہ خود کو کمزور ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر اپنے اور اپنے اللہ کے سامنے تو وہ کمزور پڑ سکتی تھی اور پڑ گئی تھی، ٹوٹ کر بکھر گئی تھی، نماز حاجت پڑھ کر اپنے بہتر مستقبل اور دلی سکون کے لئے رو رو کر دعائیں مانگی تھیں اس نے۔

☆☆☆

''عشال! تم روئی تھیں؟'' حمیرا نے اسے دیکھتے ہی سوال کیا۔

''ہاں۔'' اس نے سچ بتا دیا۔

''مگر کیوں؟'' وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی گاڑی تک آ گئی۔

''دل چاہ رہا تھا اس لئے۔'' وہ جواب دے کر گاڑی کا دروازہ کھول کر اس میں بیٹھ گئی حمیرا نے بھی دوسری جانب سے آ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

''دل کو کیا ہوا ہے؟''

''شاید پیار ہوا ہے۔''

''ابھی بھی شائد؟''

''یہ شائد تو کئی بار آئی، محبت کے چکر میں پڑنا نہیں چاہتی تھی نا اسی لئے اندر سے

آوازوں پر گمان نہیں دھرتی تھی مگر یہ بھی سچ ہے کہ محبت اپنا آپ منوا لیتی ہے، خود کھینچ کر لاتی ہے اپنے شکار کو اور پھر اس کے تڑپنے کا تماشا دیکھتی ہے، تمہیں پتا ہے مجھے حمزہ کے ساتھ گزرے ماہ و سال کا ایک ایک پل ان تین دنوں میں یاد آتا رہا ہے وہ اتنا اچھا انسان ہے کہ محسوس کیا تو بس محبت اور پیار ہی ملا دل میں اس کے لئے، وہ ہے ہی ایسا کہ اس سے پیار ہو جائے اور میں اسی کے سامنے محبت کو برا کہتی رہی، محبت نہ کرنے کا عہد کرتی رہی، اسی لئے وہ محبت کا اظہار نہیں کر سکا مجھ سے میں نے تو خود اپنی بے وقوفی سے اپنی محبت کو، اپنے حمزہ کو خود سے دور کر دیا ہے، جب تک یہ علم نہیں تھا کہ وہ کسی اور کا بھی ہو سکتا ہے یا کسی اور کے ساتھ بھی جا سکتا ہے تب تک احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ میرے لئے کیا ہے؟ میں نے آج یہ سچ تسلیم کر لیا ہے دل سے بھی زبان سے بھی۔" عشال نے سنجیدہ اور دلگیر لہجے میں اعتراف کیا اس کے سامنے۔

"تو حمزہ سے بھی کہہ دو۔"

"کیا؟" عشال نے ہونقوں کی طرح اسے دیکھا۔

"لو یو۔"

"وہ کسی اور کا ہونے جا رہا ہے۔" وہ دکھی انداز میں مسکرائی۔

"تو اسے روک لو نا۔"

"کیسے؟"

"بتایا تو ہے نسخہ آئی لو یو، ڈاکٹر عشال درانی مرض محبت سے شفا چاہیے تو آئی لو یو، بولنا ہوگا یہ الفاظ حمزہ کو دے دو، تمہیں خود ہی آرام مل جائے گا۔" حمیرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کا رشتہ طے ہو گیا ہے اور میرا بھی۔"

"طے ہی ہوا ہے نا؟ نکاح تو نہیں ہوا دیر مت کرو عشال! ابھی کچھ نہیں بگڑا اپنی محبت اور خوشیوں کو ہاتھ نہ جانے دو۔" حمیرا نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"میں کتنی چڑتی تھی نا پیار، محبت سے دیکھو کیسے منہ کے بل گرایا ہے اس محبت نے مجھے۔" وہ بے بسی سے مسکرا کر بولی۔

"محبت منہ کے بل نہیں گراتی بلکہ سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے تم ہی تو کہتی تھیں، بھول گئیں کیا؟" اس نے یاد دلایا۔

"ہاں سچوئیشن ہی عجب ہے۔"

"کچھ عجب نہیں ہے حمزہ کو کال کرو اور کہہ دو آئی لو یو ورنہ میں کہہ دوں گی۔" حمیرا گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولی۔

"کیا کہہ دو گی؟"

"یہی کہ میری دوست عشال درانی، حمزہ درانی سے پیار کرتی ہے اس لئے تم اسے کبھی اکیلا مت چھوڑنا۔"

"تم حمزہ سے کچھ نہیں کہو گی۔" عشال نے اسے خبردار کیا۔

"تو تم کہہ دو اس سے پہلے کہ کہنے، سننے کا وقت ہاتھ سے نکل جائے۔" حمیرا نے گاڑی مین روڈ پہ لاتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔" عشال نے بس ہوں کہہ کر سیٹ سے ٹیک لگا لی، ذہن و دل میں جنگ چھڑی تھی، وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کس دوراہے پر کھڑی تھی، سب کی خوشی یا اپنی خوشی؟ اسے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔

بتاؤ کیسا لگتا ہے
محبت جس سے تم کو ہو
اسے کسی کے ساتھ ہنستے بولتے تکنا؟
تم جس پہ دل سے مرتے ہو
اسے اک دن

کسی کے سنگ، کسی ریسٹورنٹ میں
لنچ کرتے ہوئے دیکھنا اور گفتگو میں
محو پانا، مسکرانا
کیسا لگتا ہے؟
وہ جس کو دیکھ کر دل میں تمہارے پیار
کی سرگم سی چھڑتی ہے
جسے تم اپنے ہونے کا، خوش ہونے کا
سبب مانتے ہو نا؟
اسے یوں اور جیسے دیکھنا اور کچھ کر نہیں پانا
بتاؤ، کیسا لگتا ہے؟
کہیں دل میں کچھ ہوتا ہے؟
کہو کیا دل یہ روتا ہے؟
بتاؤ نا؟؟

ونڈو شاپنگ کے بعد عشال اور حمیرا کافی پینے اپنے فیورٹ ریسٹورنٹ آگئیں، وہاں عشال کی نظر حمزہ درانی پر پڑی جو کارنر ٹیبل پر فاریہ کے ساتھ موجود تھا اور لنچ کر رہے تھے وہ دونوں جانے کیوں پہلی بار عشال کو احساس ہوا تھا کہ حمزہ کو وہ کسی کے ساتھ بھی شیئر نہیں کر سکتی، کسی دوسری لڑکی کے ساتھ دیکھ کر خوش نہیں ہو سکتی، آج اسے معلوم ہوا تھا، اور ادراک ہوا تھا کہ وہ حمزہ درانی سے پیار کرتی ہے، اسے دوستی سے بڑھ کر چاہتی ہے یہ سب اب سمجھ میں آیا تھا جب ان دونوں کی شادیاں الگ الگ طے پا چکی تھیں، عشال کے لئے وہاں رکنا محال ہو رہا تھا، آنکھیں اشکوں سے بھر رہی تھیں مگر وہ ضبط و جبر کے مراحل سے گزر رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" حمیرا نے اس کی صورت سے اس کے کرب کا اندازہ لگاتے ہوئے پوچھا، تو اس نے گہرا سانس لبوں سے خارج کر کے کہا۔

"خود ہی دیکھ لو دائیں جانب۔"

"اوہ۔" حمیرا نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو حمزہ درانی کو کسی لڑکی کے ساتھ کھانا کھاتے دیکھ کر ہونٹ سکیڑے۔

"یہ فاریہ ہے حمزہ کے ساتھ؟"

"ہاں۔" وہ اٹھ کر دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

حمزہ اور فاریہ کی نظر اس پہ نہ پڑے اسی لئے جگہ تبدیل کی تھی۔

"خوبصورت ہے مگر تم سے کم۔" حمیرا نے ایمانداری سے تعریف کی۔

"خوبصورت وہی ہوتا ہے جس سے پیار ہوتا ہے، پیار نہ ہو تو دنیا بھر کا حسن بے وقعت، بے معنی اور بے مول ہو کر رہ جاتا ہے۔" عشال درانی کا لہجہ اور انداز بہت گہرا، فلسفیانہ تھا، جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ محبت کے جذبے کی گہرائی اور گیرائی کو بخوبی سمجھتی اور محسوس کرتی ہے۔

"آئی ایگری وِد یو مائی ڈیئر فرینڈ، لوکائی پیو۔" حمیرا نے مسکراتے ہوئے کہا اسی وقت ویٹر ان کے لئے کافی لے آیا تھا۔

"شکریہ۔" عشال نے ویٹر کے اپنے سامنے کافی کا مگ رکھنے پر اسے کہا۔

"ویلکم میم۔" ویٹر اپنی سروس دے کر چلا گیا۔

"تم ٹھیک ہو نا؟" عشال نے کافی کا سپ لے کر اس سے پوچھا، وہ مسکرا کر کندھے اچکا کر بولی۔

"یس آف کورس، آئی ایم فائن، تم نے درست کہا تھا کہ جسے آپ کی اور آپ کی محبت کی قدر نہ ہو تو اس کے لئے خود کو روگ لگانے، اشک بہانے اور زندگی کی خوشیوں سے منہ موڑنے کا کوئی لاجک ہے نہ ہی فائدہ، جو شخص ہمیں چھوڑ کر خوش ہے، ہم اس کے چھوڑے جانے

کیوں منائیں؟ جو انسان ہم سے بچھڑ کر مطمئن ہے، دور جا کر کسی اور کے قریب ہو گیا ہے تو ہمیں بھی اس پر تین حرف بھیج کر اپنی لائف میں آگے بڑھ جانا چاہیے، چھوڑ کر جانے والوں کا سوگ نہیں منایا جاتا، روگ نہیں لگایا جاتا بلکہ شکر ادا کیا جاتا ہے کہ اللہ ہمیں ایک خود غرض اور مطلبی شخص سے ہمیشہ کے لئے بچا لیا، اس کی بے وفائی پر بجائے شکر ادا کرنا چاہیے نہ کہ رب سے گلہ کرنے بیٹھ جائیں گے اس نے ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا؟'' حمیرا نے تو جیسے رٹی رٹائی تقریر سنا ڈالی تھی، عشال کو بھی یاد آ گیا کے چند ماہ پہلے فیس بک پر ہونے والی بحث جس کا عنوان بلکہ سوال یہ تھا کہ۔

''اگر آپ کو آپ سے محبت کے دعوے، وعدے کرنے والا انسان چھوڑ کر چلا جائے تو آپ کیا کریں گے؟ یا کسی کو ایسی صورتحال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

اس بحث میں عشال کا دیا گیا جواب حمیرا نے محفوظ کر کے نہ صرف اپنے موبائل میں سیف کر رکھا تھا بلکہ یاد بھی کر لیا تھا اور بوقت ضرورت استعمال بھی کر لیا تھا۔

''تم نے تو رٹا لگا رکھا ہے۔'' عشال مسکراتے ہوئے بولی۔

''ہاں اسی لئے سمجھ بھی گئی ہوں طارق پر تین حرف بھیج دیئے ہیں میں نے، اب دل کی نہیں دماغ کی سنوں گی۔'' حمیرا کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے دھیمے پن سے بولی۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے یہ سچ تسلیم بھی کر لیا اور سمجھ بھی لیا ہے انشاء اللہ، تمہارے لئے بہت اچھا شریک زندگی تلاش کریں گے تمہارے گھر والے۔'' عشال نے مسکراتے ہوئے دل سے کہا۔

''انشاء اللہ۔'' حمیرا بھی مسکرا دی، اسی وقت حمزہ کی نگاہ ان دونوں پر پڑی تھی، وہ پہلے چونکا، حیران ہوا پھر فاریہ سے ایکسکیوز کر کے ان کی ٹیبل کی طرف آ گیا۔

''ہیلو گرلز؟ کیسی ہو؟''

''او..... ہیلو حمزہ! ہم اے ون ہیں تم کیسے ہو؟'' حمیرا نے چونک سر اٹھایا اور اسے سامنے دیکھ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''میں ٹھیک ہوں تم دونوں یہاں کیسے؟'' وہ دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''ونڈر شاپنگ پہ نکلے تھے پھر کافی پینے یہاں آ گئے، تم دونوں کا فیورٹ ریسٹورنٹ ہے یہ تو یہیں آئیں گے ناں تمہیں اتنی حیرت کیوں ہو رہی ہے؟'' حمیرا نے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں حیرت نہیں ہو رہی مجھے پتا ہوتا تم دونوں بھی یہاں ہو تو ہم لنچ ساتھ میں کر لیتے۔'' حمزہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

''ناشتہ ہم دونوں نے کافی لیٹ کیا تھا اس لئے بھوک نہیں تھی سو کافی پینے آ گئیں ورنہ دیکھ تو لیا تھا ہم نے آپ کو۔'' حمیرا نے مسکراتے ہوئے بتایا، عشال خاموشی سے کافی پیتی رہی۔

''تو ملنے کیوں نہیں آئیں؟'' حمزہ نے دونوں کو حیرت سے دیکھا تھا۔

''بھئی ہم کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہ رہے تھے۔'' حمیرا شوخ لہجے میں بولی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''آپ جائیں فاریہ کو برا لگ رہا ہو گا آپ اسے وہاں چھوڑ کر ہمارے پاس یہاں چلے آئے ہیں۔'' عشال نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

''مجھے اس وہاں چھوڑ کر آپ کے پاس ہی آنا ہے مادام!'' وہ معنی خیز بات کہہ کر واپس فاریہ کی طرف چلا گیا فاریہ اپنے سیل فون پر کسی

سے بات کرنے میں مگن تھی جبھی اسے حمزہ کا ان کے پاس چند منٹ رکے رہنا محسوس نہیں ہوا تھا۔

''کچھ سنا اس نے کیا کہا؟'' حمیرا نے عشال کو مسکراتے ہوئے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ نا سمجھنے والے انداز میں گویا ہوئی۔

''ہاں وہ قاریہ کو اس کے گھر ڈراپ کر کے ہمارے گھر آئے گا اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے تقریباً روز ہی آتا ہے وہ ہماری طرف۔''

''تمہیں لگتا ہے کہ وہ روز آتا ہے حالانکہ وہ ہفتے میں ایک یا دو بار آتا ہے تمہارے گھر، بہرحال تمہارے پاس آنے کا وہ ایسے ہی نہیں کہہ گیا تم انجان بن رہی ہو نا؟'' حمیرا نے کافی ختم کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو سنجیدگی سے کہنے لگی۔

''محبت میں شراکت سہی نہیں جاتی، محبوب کو کسی اور کا منظورِ نظر دیکھنا گوارہ نہیں ہوتا، کوئی ہمارے پیار میں شریک ہو جائے، حصے دار بن کر آ جائے یہ بات تو بالکل برداشت سے باہر ہے، محبوب تو صرف ایک ہی ہوتا ہے جملہ حقوق کا مالک و مختار بھی ایک ہی فرد ہوا کرتا ہے ہر کسی سے محبت اور محبت کا حق نہیں جتایا جاتا، آج سمجھ میں آیا کہ اللہ کو شرک کیوں ناپسند ہے؟ شرک سے بڑا گناہ کوئی نہیں وہ معبودیت میں ہو یا محبت میں سچے عاشق کا قبلہ و کعبہ ایک ہی ہوتا ہے، ایک ہی در کا فقیر ہوتا ہے، در در پہ جھکنے اور مانگنے والے کو نہ محبت ملتی ہے، نہ منزل نہ خدا۔''

''اُف! تم تو گئیں کام سے یا تو محبت سے بھاگ رہی تھیں اور اب ہوئی ہے تو اتنی شدید کے سارا فلسفہ سمجھ میں آ گیا، خدا کا واسطہ ہے حمزہ سے بات کرو، مت کرو خود پر اور اس پر یہ ظلم، یار محبت میں کیسی انا، اور بچپن کے بیسٹ فرینڈ کے سامنے کیسی جھجک؟ کیسی شرم؟ وہ تمہاری بات، ذات اور سوچ کو عزت اور اہمیت دیتا ہے اسی لئے تم پر اپنی مرضی نہیں مسلط کی نہ پہلے نہ ابھی، تم اپنے دل کا حال اس سے کہو مجھے یقین ہے وہ سب سنبھال لے گا۔'' حمیرا نے سر پکڑ کر اسے حیرت اور محبت سے دیکھا اور سمجھایا، مشورہ دیا۔

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' وہ سر ہلا کر بولی۔

''وہ کیا؟''

''ہمارے گھر والوں کو یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ ہم دونوں بچپن سے ساتھ ہیں دوستی ہے، رشتے داری ہے ہماری تو ہم دونوں کا رشتہ آپس میں طے کر دیں وہ؟'' عشال نے پر سوچ انداز میں کہا۔

''ہاں...... مگر یہاں بھی مجھے وجہ تمہاری محبت سے چڑ اور بیزاری ہی لگتی ہے، حمزہ نے تمہارے گھر والوں نے تمہاری بات کو اہمیت دیتے ہوئے مجبور نہیں کیا۔'' حمیرا نے خیال ظاہر کیا۔

''مجھ سے پوچھ تو سکتے تھے بات تو کرتے اس بارے میں۔''

''وہ ایسا کرتے تو تم انکار کر دیتیں اپنے حمزہ کے لئے جذبات کو سمجھے اور محسوس کیے بغیر اور بات بگڑ جاتی، بڑوں میں بھی ہلکی پھلکی ناراضی ہو جاتی، گھر کا ماحول ٹینس ہو جاتا، اور تمہیں کبھی نہ ادراک ہوتا کہ تم حمزہ سے پیار کرتی ہو، وہ کسی اور سے منسوب ہوا ہے تب تمہیں احساس ہونا شروع ہوا ہے کہ تم اس سے محبت کرتی ہو، محبت تم سے پوچھ کر اجازت لے کر ہونے والی شے ہوتی تو کبھی نہ ہوتی مگر ایسا نہیں ہے، محبت اپنی مرضی کی مالک ہے، حاکم ہے انسان کو محکوم بنا کے رکھ دیتی ہے، اب دیکھو نا ہو گئی نا تمہیں بھی حمزہ درانی سے محبت اور ہمیشہ سے

ابھی نہیں ہی بیٹھے ہیں دیر ہی ہے۔

"زیادہ دیر تو نہیں ہوئی نا؟ تم ہی تو کہہ رہی تھیں۔"

"ہاں ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تم بات کرو حمزہ سے یہ تمہاری زندگی کا معاملہ ہے۔" حمیرا نے پھر سے اسے صلح دی۔

"ہم۔" وہ یہ ہی کہہ سکی اور اپنا پرس اٹھا کر کھڑی ہوگئی، حمیرا نے ویٹر کو بل ادا کیا اور وہ دونوں ریسٹورنٹ سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

محبت کی گولی
وفا کا کیپسول
اگر کھا سکو تو
مجھے بھی بتانا
میرے سنگ کھانا
جدائی کی چوٹ اور
صدمہ اے جاناں!
اگر سہہ سکو تو
مجھے بھی بتانا
درد دل میں اٹھے اور
سر بھی ہو بھاری بوجھل
پڑے انجکشن لگانا
مجھے بھی بتانا
اے جان جاناں!
نہیں بھول جانا

حمزہ نے اسے یہ مزاحیہ نظم واٹس ایپ کی تھی، اسے پڑھ کر وہ پہلے تو بے اختیار ہنس دی اور پھر خود بخود آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے بہنے لگے۔

"حمزہ! تم پیار کرتے ہو نا مجھ سے؟ صاف کہتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں، مجھے کیوں آزما رہے ہو؟ رشتہ طے ہو گیا تمہارا پھر مجھے ایسی پوئٹری کیوں سینڈ کر رہے جو میرے دل میں تمہارے لیے جذبات کو ہوا دے؟" وہ دل میں اس سے مخاطب تھی۔

گھر میں اس کی منگنی کی تیاریاں شروع ہو گئیں تھیں، وہ ہسپتال جا رہی تھی، دل بجھ کر رہ گیا تھا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا وہ تو بس حمزہ کے نام کی مالا جپنے میں مگن تھا بس۔

وہ اپنے کسی کام میں شاپنگ میں دلچسپی نہیں لے رہی تھی، حمزہ کا خیال آتے ہی آنسو بھی آ جاتے تھے اس کی دلجوئی کرنے کو وہ ابھی تک حمیرا کی کسی بات پر عمل نہیں کر سکی تھی چاہ کر بھی حمزہ سے نہیں کہہ سکی تھی بس ایک آئی لو یو، کی دوری پر تھا وہ اس سے اور وہ تھی کہ یہ فاصلہ ختم کرنے کی ہمت ہی نہیں کر پا رہی تھی، اتنی پر اعتماد جرأت مند اور صاف گو لڑکی محبت میں مبتلا ہوئی تھی تو بس ایک آئی لو یو کہنے سے کترا رہی تھی، جھجک محسوس کر رہی تھی، شرم وحیا آڑے آ رہی تھی، یا انا کچھ بھی اس کی سمجھ سے باہر تھا، اسے بس اتنا پتا تھا کہ وہ حمزہ کے بغیر نہیں جی سکتی، حمزہ صرف اور صرف اس کا ہے وہ حمزہ کو کسی اور کا ہوتا ہوا اور خود سے دور جاتا نہیں برداشت کر سکے گی۔

"عشال! تمہارے منگیتر کی کال آئی ہے بات کرنا چاہ رہا ہے تم سے۔" خدیجہ بھابھی اس کے کمرے میں آئیں تو وہ فوراً سنبھل کر بیٹھ گئی اور لیپ ٹاپ پر جھک گئی۔

"منگنی ہوئی نہیں ہے اور منگیتر پہلے ہی بن بیٹھے ہیں موصوف۔" اس نے اپنے آنسو چپکے سے صاف کرتے ہوئے کہا تو وہ بولیں۔

"نہیں ہوئی تو ہو جائے گی اگلے ہفتے بن جائے گا منگیتر بھی تو بات کر لو نا۔"

"میں بات نہیں کروں گی منگنی ہو جانے دیں اس کے بعد سوچوں گی۔" عشال نے

صاف انکار کر دیا۔

''تو میں کیا کہوں فرحان کو؟''

''اس سے کہیں سوری رانگ نمبر ہے۔''

عشال نے فوراً جواب دیا۔

''امی، ابو کو پتا چلا تا تو ناراض ہوں گے۔''

''وہ ناراض نہیں ہوں گے ایک غیر اور انجان شخص سے بات نہ کرنے پر کوئی ماں باپ ناراض ہوتے، بے فکر ہو جائیں آپ۔'' عشال نے لیپ ٹاپ سے نگاہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ اپنا سیل فون آف کر کے اس کے کمرے سے چلی گئیں، عشال نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے اپنا دل بھی بند ہوتا محسوس کیا تھا۔

☆☆☆

''کہاں ہو عیشو! تمہاری منگنی ہو رہی ہے اور میری شادی اور تم ہو کے ابھی تک مریضوں میں گھرے ہوئی ہو۔'' حمزہ نے اسے کال کر کے گلہ کرتے ہوئے کہا۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ میرا پروفیشن بھی ہے اور پیشن بھی، میں اپنی خوشی کے لئے بیماروں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتی۔''

''جانتا ہوں اور بہت احترام کرتا ہوں تمہارا اس سوچ اور عمل کے حوالے سے مگر پگلی، ہمارا بھی تو کچھ حق ہے اپنی زندگی اور اس کی خوشیوں پر اور یہ ہماری زندگی کا سب سے اہم ایونٹ ہے کیا ہم خوشی خوشی ساتھ شاپنگ بھی نہیں کر سکتے؟'' حمزہ نے اس کی بات سن کر نرم اور سنجیدہ لہجے میں دوستانہ انداز میں استفسار کیا تھا۔

''کر سکتے ہیں اور کریں گے ڈونٹ وری کل سنڈے ہے نا میرا آف ہے اور تمہارا بھی کل ساتھ چلیں گے شاپنگ کے لئے۔'' عشال نے

ہوئے دوستانہ لہجے میں کہا۔

اس کی بات کو سمجھتے

''پرامس؟''

''پکا پرامس، بشرط زندگی۔''

''انشاء اللہ تعالیٰ اپنا سفر شروع کرنا ہے بس زندگی کی ہی باتیں کرو اچھا۔'' وہ اس کی بات پہ بے کل ہو کر بولا۔

''اچھا جناب! اب جان چھوڑو میری مجھے پیشنٹ دیکھنے ہیں۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''اس پیشنٹ کو بھی کبھی غور سے توجہ سے دیکھ لیا کرو، یہ جان نہیں چھوڑنے والا جب تک ڈاکٹر عشال درانی نے دھیان سے توجہ سے چیک نہ کیا۔'' وہ معنی خیز اور شریر لہجہ میں بولا۔

''سدھر جاؤ، فاریہ نے سنا تو کھری کھری سنائے گی تمہیں۔''

''ایویں سنائے گی، میں ڈرتا نہیں ہوں اس سے۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''لیکن میں ڈرتی ہوں اس سے۔'' اس کی زیادہ پھسل گئی۔

''کیوں؟ تم اس سے کیوں ڈرتی ہو؟''

''کچھ نہیں ایسے ہی زبان سے نکل گ... او کے ہم کل ملیں گے بائے۔'' عشال نے جلد... سے بات ختم کر کے کال منقطع کر دی۔

☆☆☆

''ہاں میں ڈرتی ہوں فاریہ سے بلکہ ہر ا... فرد سے جو حمزہ درانی کو مجھ سے دور کرنا چاہتا... یا دور کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔'' عشال ... خود سے یہ اعتراف کیا۔

''تم نے حمزہ درانی کو اپنانے کے لئے کو... کوشش نہیں کی اسے کبھی نہیں کہا آئی لو یو جب... کر وہ تمہارے لئے بات کرتا، اسٹینڈ لیتا اور تم... حمزہ سے رشتہ بہت آسانی سے طے پا جا... کیونکہ دونوں خاندانوں کے بیچ صرف ر...

اری نہیں ہے گہری محبت اور دوستی بھی ہے، عشال درانی تم نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری ہے لہٰذا اب بیٹھ کر اس زخم کی تکلیف بھی خود ہی جھیلو۔" اس کے دماغ نے اسے کھری کھری سنا دیں۔

"اگر حمزہ خوش ہے اس رشتے سے تو میں اسے کیسے کہوں کے میں اس رشتے سے خوش نہیں ہوں؟" عشال نے بے بسی سے خود سے الجھتے ہوئے سوال کیا۔

"اف! میں مر جاؤں گی ایسے، مجھے کیوں سمجھ نہیں آئی تھی پہلے کے حمزہ صرف میرا دوست نہیں ہے میرا پیار ہے، میرا سب کچھ ہے اب جب اس کے دور جانے کی اور اس کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جانے کی خبر سنی ہے تو ساری سمجھ آ گئی ہے، لگ پتا گیا ہے اپنا بھی اور محبت کا بھی کے یہ کیسے امتحان میں ڈال دیتی ہے، کتنا بے بس کر کے رکھ دیتی ہے، کیا ہے عشال درانی، تم تو کہتی تھیں کہ زندگی خاص کر شادی شدہ زندگی محبت کے بغیر گزاری جا سکتی ہے کوئی مرد وفا نہیں کرتا، کوئی مرد ایسا نہیں ہوتا کے وہ ساری زندگی صرف ایک عورت کی طرف دیکھتا رہے، اسے چاہتا رہے، پوجتا، سوچتا رہے اور صرف اس سے نبھاتا رہے، شادی شدہ مرد بھی دوسری چاہت و محبت کے لئے جگہ نکال ہی لیتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ مرد کے دل میں ہمیشہ دوسری محبت کی گنجائش باقی رہتی ہے، پھر چاہے وہ اس دوسری عورت کے ساتھ چند گھنٹے پیار محبت کی باتیں کرنے میں گزارے یا سال چھ مہینے تک اسے اپنی محبت کا یقین دلاتا رہے اور اس کی محبت کا دم بھرتا رہے، جن مردوں کی بیویاں اپنے شوہروں کی ہر فون کال اور ٹیکسٹ میسجز تک کی نگرانی کرتی ہیں ان کے گھر سے باہر جانے پر وقتے وقتے سے انہیں کال کر کے پوچھتی رہتی ہیں کہ کہاں ہو؟ کتنی دیر میں گھر پہنچو گے؟ اور گھر میں بھی ان کے سر پہ سوار رہتی ہیں وہ مرد دوسری عورت اور دوسری محبت کے لئے چور دروازے ضرور ڈھونڈ لیتے ہیں اور ایسے دروازوں کے پیچھے چھپ کر وہ اپنے دل کی ساری باتیں اس دوسری لڑکی یا عورت سے کرتے ہیں، رومینس کرتے ہیں جو ان کی بیوی انہیں کرنے کا موقع نہیں دیتی، مرد کو صرف بہانہ چاہیے ہوتا ہے دوسری عورت، دوسرے رستے، دوسری محبت کی طرف بڑھنے کا، لہٰذا یہ توقع اور سوچ ہی فضول ہے کہ ہمیں پرفیکٹ مرد چاہیے، نیک پارسا، صم بکم، کولہو کا بیل، کاٹھ کا اُلو ٹائپ مرد آج کل ناپید ہو چکے ہیں، اس لئے جو ہے جیسا ہے کہ بنیاد پر قبول کر کے سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے، جب ایسا ہی ہے تو رونا، پریشان کس لئے؟ کر لو شادی جہاں رشتہ طے ہوا ہے۔" عشال کے دماغ نے دلیلوں سوالوں جوابوں سے اسے رام کرنا چاہا تھا، وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

"دل دلیل نہیں مانتا پیار جواز قبول نہیں کرتا، روح کسی منطق کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالتی، پیار کے سامنے ہر ہتھیار، بیکار ہے اس کے دربار میں تو صرف اقرار کا سجدہ درکار ہوتا ہے۔" اب کے بار دل نے اس کا چین و قرار لوٹتے ہوئے آئینہ دکھایا تھا سمجھایا تھا اور وہ بے بس ہو کر وضو کر کے محبت و عشق میں کائنات تخلیق کرنے والے رب دو جہاں کے حضور پیش ہو گئی، رکوع و سجود کیے، اشک بہائے، سر جھکایا، پیشانی اس کی چوکھٹ پر ٹیک دی، منت کی، فریاد کناں ہوئی، التجا کی، دعا مانگی کے اس کے دل کا چین، سکون، قرار، پیار اسے عطا کر دے، وہ جس کے اختیار میں سب تھا اس کے دربار میں اپنی عرض

پیش کر کے اسے تسلی ہو گئی تھی، یقین تھا کے وہ اس کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دے گا۔

☆☆☆

عشال اور حمزہ درانی نے ایک ساتھ شادی کی شاپنگ کی، حمزہ نے اسے اس کی پسند سے ہی نہیں اپنی پسند سے بھی شاپنگ کروائی تھی، ڈریسز، جیولری، جوتے، پرفیومز، میک اپ کا سامان، ہینڈ بیگز وغیرہ اور اپنے لئے سوٹ، بوٹ، ٹائیاں، پرفیومز لئے تھے۔

"بس کرو دو حمزہ، کیا ساری شاپنگ آج ہی کر لو گے؟ چل چل کر میرا حشر ہو گیا ہے میں بتا رہی ہوں اگر مزید دس منٹ بھی میں چلی نا تو بے ہوش ہو جاؤں گی پھر کرتے رہنا شاپنگ۔" عشال سچ مچ تھک گئی تھی تھکن اور سٹریس نے اسے پہلے ہی نڈھال کر رکھا اوپر سے چار گھنٹے سے دو حمزہ کے ساتھ ایک کے بعد دوسرے اور پھر تیسرے شاپنگ مالز میں چکر لگاتے ہوئے بالکل ہی بلکان ہو گئی اور ہمت جواب دے گئی تھی اس کی بھی بول پڑی۔

"او کے او کے بابا، آج کے لئے بس تم ہو سپیل میں بڑی ہوتی ہو کہاں دوبارہ وقت نکالو گی میرے لئے۔" وہ اس کی حالت اور صورت دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہاں جیسے پہلے تو کبھی وقت نہیں نکالا نا تمہارے لئے۔" وہ چڑ کر بولی۔

"پہلے تم اتنی جلدی تھکتی بھی نہیں تھیں، ہم پورا دن گھومتے تھے پیدل بھی خوب چلتے تھے آج تم چار گھنٹے میں ہی تھک گئیں۔"

وہ اسے قریبی ریسٹورنٹ میں لے آیا تھا، اس نے بیٹھتے ہی ٹیبل پر موجود منرل واٹر کی بوتل کھولی اور گلاس میں پانی انڈیل کر پینے لگی، حمزہ کی بات کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔

"کچھ کھاؤ گی؟" حمزہ نے اس کے سرخ ہوتے چہرے کو فکر مندی سے دیکھتے ہوئے پوچھا، وہ چڑ کر بولی۔

"کچھ نہیں۔"

"میں کھانا کھاؤں گی ابھی بھی پوچھ رہے ہو۔"

"کیا ہو گیا عشو! اتنا غصہ کیوں کر رہی ہو؟" حمزہ درانی کو اس کے غیر متوقع ردعمل اور رویے پر حیرت ہو رہی تھی۔

"حمزہ! میرے سر میں شدید درد ہے پلیز جلدی سے آرڈر کر دو تا کہ میں کھانا کھا کر پین کلر لوں صبح صرف ایک گلاس جوس پیا تھا میں نے۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر دباتے ہوئے بولی۔

نیلے رنگ کی قمیض اور سفید دوپٹے، ٹراؤزر میں سادہ سی عشال درانی بہت دلکش اور جاذب نظر محسوس ہو رہی تھی، چہرہ، درد، تھکن اور غصے سے لال انار ہو رہا تھا، آنکھوں کی سرخی اور سوجن بتا رہی تھی کہ وہ رات بھر جاگتی رہی ہے، رو رہی ہے اس کے سر درد اور چڑچڑاہٹ کی وجہ بھی یہی تھی، حمزہ درانی نے بہت توجہ سے غور سے اسے دیکھا تھا اور محسوس کیا تھا کے وہ سچ مچ بیمار محسوس نہیں کر رہی تھی، اس نے ویٹر کو بلایا اور کھانا آرڈر کر کے جلدی لانے کا کہا اور پھر عشال کی طرف متوجہ ہوا۔

"پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے کے سر درد کر رہا ہے ناشتہ بھی نہیں کیا ہوا؟"

"تم سے پرامس کیا تھا شاپنگ کے لئے ساتھ چلنے کا۔"

"ہاں تو، تم مجھے اپنی طبیعت کا بتانا تمہیں میں اسے جھوٹ سمجھتا؟ بہانہ گردانتا؟ ہاں۔" نہایت سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"نہیں مگر۔"

''کیا نہیں مگر؟ تم نے پہلے تو کبھی ایسے نہیں کیا مجھے کچھ بھی بتانے سے بلکہ دھڑلے اپنی بات کہتی ہو، بتاتی ہو، منواتی آئی ہو آج تک مجھ سے، پھر آج یہ جھجک کس لئے؟''

وہ باقاعدہ جرح کر رہا تھا اس سے اور وہ جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھی اس وقت کیونکہ سچ مچ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

''حمزہ! پہلے کی بات اور تھی، اب تمہاری شادی ہونے والی ہے۔''

''ہاں تو۔'' وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوالیہ لہجے میں بولا۔

''تو تم میری فکر میں مبتلا رہو گے تو یہ تمہاری بیوی کو بالکل اچھا نہیں لگے اور میں نہیں چاہتی کے میری وجہ سے تمہاری میرج لائف میں کوئی پرابلم ہو اور ہماری برسوں پرانی دوستی ختم ہو جائے۔'' وہ پانی کا گھونٹ بھر کر اپنے ہینڈ بیگ میں سے پین کلر نکالتے ہوئے بولی۔

''تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''حمزہ! بات بھروسے کی نہیں ہے، کوئی بھی عورت اپنے شوہر کا وقت، توجہ، محبت شیئر نہیں کر سکتی وہ بھی شوہر کی دوستی ایک لڑکی سے ہو تو اور۔'' وہ پین کلر کھا کر بولی۔

''میں یہ سب نہیں جانتا مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ میں اپنے موجودہ رشتوں کو کبھی نئے رشتے کی وجہ سے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا سب کو ساتھ لے کر چلوں گا اور یہ تم نے دوا کیوں کھالی کھانا کھانے سے پہلے؟'' حمزہ نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے آخر میں اسے قدرے ناراض لہجے میں کہا تو وہ بائیں ہاتھ سے اپنا سر دباتے ہوئے بولی۔

''درد برداشت نہیں ہو رہا حمزہ!''

''عشال! آئندہ یہ نہیں کرنا، مت چھپانا مجھ سے اپنا درد اپنی تکلیف ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' وہ اسے تکلیف میں دیکھ کر بے کل ہو کر قدرے غصے سے بولا۔

''حمزہ پلیز ایسے تو بات نہ کرو، میں بتا دیتی تو تم مارکیٹ جانے سے انکار کر دیتے اور آج پھر تمہاری شاپنگ رہ جاتی۔''

''تو رہ جاتی، بھاڑ میں گئی شاپنگ، تمہاری صحت سے بڑھ کر ہے کیا شاپنگ؟ مجھے تکلیف ہو رہی ہے تمہیں اس طرح دیکھ کر۔'' وہ واقعی اس کی صورت سے اس کی تکلیف کا اندازہ لگاتے ہوئے بہت بے چین و بے قرار ہو رہا تھا، جبھی اس پر غصہ آ رہا تھا اسے کے بتایا نہیں اس نے پہلے۔

''حمزہ پلیز!'' عشال نے بے بسی سے اسے دیکھا اور دو آنسو آنکھوں کی باڑ عبور کر کے اس کے سرخ گالوں پر پھسل گئے۔

''عشو..... عشو آئی ایم سوری۔'' وہ تڑپ کر بولا اسی وقت ویٹر کھانا سرو کرنے آ گیا، عشال نے رخ پھیر کر اپنے آنسو ٹشو پیپر میں جذب کیے اور پانی کا گھونٹ بھر کر خود کو نارمل کیا، پھر حمزہ خود اسے کھانا پلیٹ میں ڈال کر کھانے کے لئے کہتا رہا وہ اس کی وجہ سے کھانے لگی کے کہیں وہ اس کے انکار پر خود بھی نہ بھوکا اٹھ جائے، دونوں نے خاموشی سے کھانا کھایا بل ادا کیا اور ریسٹورنٹ سے باہر آ گئے۔

☆☆☆

وہ دونوں گھر پہنچے تو مغرب کا وقت ہو رہا تھا سردیوں کے دن چھوٹے ہونے کی وجہ سے ساڑھے پانچ بجے اچھا خاصا اندھیرا ہو جاتا تھا، حمزہ نے اس کے شاپنگ بیگز شمع بیگم کو تھمائے اور اسے آرام کرنے کی تاکید کر کے اپنے گھر کی

طرف روانہ ہوگیا تھا۔

رات کے پھول پہ
دھیرے دھیرے
نیند کی شبنم ٹپک رہی تھی
اک بے کل اور پیاری لڑکی!
پیار، محبت، عشق میں پڑھ کر بلک رہی تھی
نہ نیند تھی اس کی آنکھوں میں
نہ چین تھا دل کے آنگن میں
چاہ کر بھی نہ کہہ پائی وہ
پیار سے اپنے پیار کی بات
آنسو، آہیں، بے کل، پاگل
دل کی دنیا، روح کی وادی
بدلے میں بس یہ ملتا ہے
پھول ملن کا کب کھلتا ہے؟
لیکن اس کو کون کہے کہ
دل کی دل میں رکھ لینے سے
دنیا خالی ہو جاتی ہے
زیست سوالی ہو جاتی ہے
جینا ہے تو کہہ دو اس کو
بننا ہے تو کہہ دو اس کو
جاناں! تم سے پیار ہوا ہے
دل سے یہ اقرار ہوا ہے
دیکھو اب تم چھوڑ نہ جانا
مجھ سے یوں منہ موڑ نہ جانا
کہہ دو جا کے
بے کل لڑکی!
ایسا نہ ہو رت بدلے اور
پیار تمہارا کھو جائے
وہ اور کسی کا ہو جائے

عشال بے بسی سے اپنے بستر پر لیٹی مکمل میں منہ سر گھسائے روتے روتے سو گئی، رات گہری ہوئی تو اسے بخار نے آلیا، کمزور دیکھ کر انسان پر دشمن بھی حملہ آور ہو جاتا ہے وہ تو پھر پیار کے ہاتھوں دل سے کمزور پڑ گئی تھی اسے بخار نے قابو کر لیا تھا، رات کو اٹھ کر دوا کھا کر وہ پھر سے سونے لیٹ گئی، درد اور بخار سے پورا بدن دکھ رہا تھا۔

''عشال درانی! اتنی کمزور تو تم کبھی نہیں پڑی تھیں، بس ایک محبت نے تمہیں چاروں شانے چت کر دیا ہے، ٹھیک کہتا تھا حمزہ کہ محبت مجھ سے پوچھ کر اجازت لے کر نہیں ہو گی یہ تو یکا یک آندھی طوفان کی طرح آتی ہے اور دل و روح کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔'' وہ دکھتے سر کے ساتھ سوچ رہی تھی، دماغ میں سوچوں، خیالوں سوالوں، جوابوں کا اجلاس جاری تھا، جو اس کی طبیعت مزید خراب کر رہا تھا، آخری سوال جو اس کے نیند میں جانے تک اس کے دل و دماغ میں گردش کر رہا تھا وہ یہ تھا کہ۔

''خدیجہ بھابھی اور حمزہ اسے کہہ رہے تھے کہ اس کی منگنی ہو رہی ہے جبکہ امی ابو نے اس کو بتایا تھا کہ اس کے نکاح کی ڈیٹ انہوں نے فائنل کر دی ہے، آخر سچ کیا تھا؟ دونوں میں سے کون سچ بول رہا تھا اور کون جھوٹ؟ کیا سب کی آپس میں گفتگو نہیں ہوتی جو وہ اتنی الگ الگ بات کر رہے ہیں؟ یہ سوچ سوچ کر عشال کی الجھن مزید بڑھ گئی تھی، آخر یہ سب ہو کیا رہا تھا؟

صبح طبیعت خراب ہونے کے باوجود وہ ہسپتال چلی آئی تھی، حمیرا نے اس کی شکل دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ٹھیک نہیں ہے ٹمپریچر چیک کیا تو 102 تھا، حمیرا کو اس کی حالت پر افسوس ہو رہا تھا۔''

''طبیعت اتنی خراب تھی تو ہوسپٹل آنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''گھر پر رہ کر کیا کرتی؟'' وہ ذرا سا مسکرا کر

بولی۔
''آرام کرتیں۔'' حمیرا نے جواب دیا۔
''آرام ہی تو نہیں مل رہا مجھے نہ وہاں نہ یہاں۔'' وہ بے بسی سے بولی تو حمیرا نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔
''کیوں کر رہی ہو خود پر یہ جبر اور ایسا کب تک چلے گا؟''
''پتا نہیں۔'' اس نے گہرا سانس لیا۔
''محبت کرتی ہو نا تو انا کو فنا کر دو ورنہ تم خود فنا ہو جاؤ گی، تم تو دوسروں کو سمجھاتی، بتاتی تمہیں اور اپنا حال دیکھو کیا بنا لیا ہے؟'' حمیرا نے اس کے بالوں کو چھوتے ہوئے دوستانہ لہجے میں سمجھایا۔
''محبت ایسی ہی جان لیوا ہوتی ہے دوسروں کو سمجھانا آسان ہوتا ہے جب خود پر پڑتی ہے تو لگ پتا جاتا ہے، دل میں ایک بار پیار آ جائے تو دماغ سے ساری سمجھ بوجھ، عقل چلی جاتی ہے تب سدھ بدھ تب انسان محبت اور محبوب کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔'' عشال نے سنجیدہ اور دھیمے لہجے میں جواب دیا۔
''تو جب سب سمجھتی ہو تو خود کو کیوں اذیت میں مبتلا کیے ہوئے ہو؟ حمزہ کو کال کرو اور کہہ دو بس ایک آئی لو یو اور خود کو اس کرب سے نجات دلاؤ، مجھ سے نہیں دیکھی جا رہی تمہاری حالت۔'' حمیرا نے سنجیدگی سے زور دیتے ہوئے کہا۔
''اور اگر حمزہ نے فاریہ سے محبت کا اقرار کر لیا تو؟''
''اول تو ایسا ہوگا نہیں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ بھی ڈے ون سے تم ہی سے محبت کرتا ہے عام لڑکوں جیسا چھچھورا پن نہیں ہے اس میں۔'' حمیرا پر یقین لہجے میں بولی۔
''ہاں یہ تو سچ ہے اب سوچتی ہوں تو اس کا ہر ہر عمل مجھے اس کی محبت کا ثبوت دیتا محسوس ہوتا ہے۔'' اس نے اعتراف کیا۔
''تو اب کیا ارادے ہیں؟'' حمیرا نے اس کے چہرے کو کھوجتی نظروں سے دیکھا تھا۔
ارادے باندھ لینے سے
کبھی بندھن نہیں بندھتے
وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی انداز میں تھکن اور نقاہت نمایاں تھی۔
''کہاں چلیں؟''
''راؤنڈ لگا کر آتی ہوں۔'' وہ جواب دے کر کمرے سے چلی گئی تو حمیرا نے فوراً اپنے سیل فون سے حمزہ درانی کا نمبر ملایا تھا۔
☆☆☆
حمزہ درانی، ہوسپٹل کے اسٹاف روم میں عشال اور حمیرا کے روبرو بیٹھا عشال کو ناراض نظروں سے گھور رہا تھا اور عشال حمیرا کو شکایتی نظروں سے دیکھ رہی تھی جس نے حمزہ کو اس کی طبیعت کے خراب ہونے کا بتا کر بلایا تھا اور کہا تھا کہ وہ اسے گھر لے جائے۔
''کیوں کر رہی ہو ایسا؟ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا جو مجھے یوں اذیت پہنچا رہی ہو، ہاں؟'' حمزہ نے نہایت سنجیدہ لہجے میں سوال کیا تھا اور وہ ہونقوں کی طرح اسے الجھن آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھی اب۔
''میں نے کیا کیا ہے جو ایسے بگڑ رہے ہو؟'' عشال نے بخار کی شدت اور حدت میں پھنکتے ہوئے پوچھا۔
''طبیعت خراب ہے بخار ہے اور تم بجائے آرام کرنے کے ہوسپٹل آ گئیں، مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا اتنا پرایا سمجھ لیا مجھے تم نے، وہ تو حمیرا نے مجھے کال کر کے بلا لیا ورنہ تم نے تو مجھے ایکدم سے خود سے الگ کر دیا ہے جیسے میں تمہارا

کچھ نہیں لگتا اور جانتی ہو تمہارا یہ رویہ مجھے کتنی تکلیف دے رہا ہے؟'' وہ دکھی لہجے میں بولا تو وہ بکھرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''آئی ایم سوری۔''

''مجھے تمہاری سوری نہیں چاہیے، صحت چاہیے، آئندہ میں نہ دیکھوں، سنوں کے تم نے خود سے لاپرواہی برتی ہے، اچھی ڈاکٹر ہو بھی تم جسے دوسروں کی صحت کی فکر ہے اور اپنا ذرا سا بھی خیال نہیں ہے۔'' حمزہ ناراض اور تیز لہجے میں بولتا چلا گیا، یہ دیکھے بنا کے وہ بالکل بے دم ہوتی جا رہی ہے۔

''حمزہ! آپ عشال کو گھر لے جائیں۔''

''او کے، اینڈ تھینک یو حمیرا۔''

''اٹھو عشو!'' حمزہ نے عشال کو دیکھتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا، عشال کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا، اس نے اٹھتے ہوئے قدم بڑھانا چاہا تو لڑکھڑا کر گرنے لگی تھی کہ حمزہ نے بازو کا سہارا دیتے ہوئے اسے گرنے سے بچا لیا۔

''عشو!'' حمزہ بے اختیار پکارا تھا۔

''عشال ... عشال۔'' حمیرا تیزی سے اس کے قریب آئی اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لے کر آواز دی، وہ مندی مندی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''حمزہ اسے یہاں لٹائیں۔'' حمیرا نے عشال کو سہارا دیتے ہوئے سائیڈ پر پوشٹ بیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ان دونوں نے اسے سہارا دے کر لٹا دیا، حمیرا اپنے سینئر ڈاکٹر کو بلا لائی انہوں نے عشال کا معائنہ کیا، حمیرا نے بی پی چیک کیا جو کافی لو تھا اس وقت، بخار 103 ڈگری تھا۔

حمزہ اس صورتحال سے گھبرا گیا تھا، عشال کی حالت اسے بہت پریشان کر رہی تھی، وہ نیم بے ہوش سی لیٹی ہوئی تھی، ڈاکٹر امجد کی ہدایت پر عشال کو الگ سے روم میں شفٹ کر دیا گیا اور آج رات ہوسپٹل میں ہی رکنے کے لئے کہا تھا، حمزہ مزید پریشان ہو گیا تھا۔

''یہ اسے کیا ہو گیا ہے ڈاکٹر حمیرا؟'' حمزہ نے کمرے سے باہر آ کر حمیرا سے متفکر لہجے میں کہا تو وہ بولی۔

''آپ نہیں جانتے اسے کیا ہوا ہے؟''

''نہیں تو۔''

''کیا واقعی آپ نہیں جانتے کے عشال آپ سے پیار کرتی ہے؟''

''جانتا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''جانتے ہیں، تو پھر کیوں کر رہے ہیں کسی اور لڑکی سے شادی آپ بھی تو عشال سے پیار کرتے ہیں، کرتے ہیں کہ نہیں؟''

''کرتا ہوں، عمر گزر گئی اسے پیار کرتے کرتے۔'' حمزہ درانی نے دل سے اعتراف اقرار کر لیا۔

''تو اس کی شادی کہیں اور کیسے طے ہونے دی آپ نے؟ رہ لیں گے آپ اس کے بغیر؟ اور کیا وہ جی پائے گی آپ کے بغیر جس کا ابھی یہ حال ہے کہ وہ آپ کو کسی اور کا ہوتے دیکھنے کے خیال سے ہی بیمار پڑ گئی ہے، عشال درانی جیسی مضبوط لڑکی آپ کی محبت میں مٹی کا ڈھیر بن گئی ہے، محبت نے اس کے سارے فلسفے، حقیقت پسندی اور انا کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا ہے، محبت زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے یہ بات وہ جان گئی ہے مان گئی ہے، اسے محبت سے نہیں محبت کو بدنام کرنے اور مس یوز کرنے والوں سے چڑ تھی، بہت پیار کرتی ہے وہ آپ سے آپ۔'' حمیرا نے نہایت تند و تیز لہجے میں کہا۔

''میں اسے کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔''
وہ فوراً بولی۔
''تو بات کریں عشال سے اپنی خاموشی میں آپ دونوں ایک دوسرے کو کھو دیں گے۔''
حمیرا نے سنجیدگی سے کہا۔
''ہرگز نہیں، میں ایسا نہیں ہونے دوں گا، وہ محبت نہ کرے مجھ سے صرف اتنا کہہ دے کے مجھے چھوڑ کر مت جاؤ، میں نہیں جاؤں گا، کہیں نہیں جاؤں گا، میں کہیں جا ہی نہیں سکتا، اسے چھوڑنا ایسا ہی ہے جیسے دنیا چھوڑنا اور میں ابھی اس دنیا میں اپنی زندگی جینا چاہتا ہوں اپنی محبت کے ساتھ۔'' حمزہ نے گہرے لہجے میں دل سے محبت سے جواب دیا۔
''تو اس کے کہنے کا انتظار مت کریں جب جانتے ہیں کے اسے بھی آپ سے پیار ہے تو کہہ دیں کے آپ اسے ہمیشہ اس کے ساتھ رہیں گے وہ سمجھ گئی ہے کہ محبت میں صرف محبت کی مرضی چلتی ہے کسی دوسرے یا تیسرے کا کہا سنا کچھ کام نہیں آتا خود کو سمجھانا بھی صحرا میں پھول اگانے کے خیال جیسا ہوتا ہے۔'' حمیرا نے سنجیدگی سے کہا۔
''ہوں۔'' وہ بس ہوں کہہ کر دوائیں لینے چلا گیا۔

شام کے سات بج رہے تھے، عشال نے غنودگی کے عالم میں حمیرا سے کہا تھا کے گھر والوں کو کچھ نہ بتائے اس کے موبائل پر بھابھی کی کال آرہی تھی تو حمیرا ریسیو کر کے ان سے جھوٹ بول دیا کے عشال آئی سی یو میں ہے نائیٹ ڈیوٹی ہے ایمرجنسی پچوایشن کی وجہ سے کیونکہ گھنٹہ پہلے ایکسیڈنٹ کا شکار کچھ لوگ آئے جن کی بس کو حادثہ پیش آگیا تھا حمیرا نے اسی کا ذکر کیا تھا، شمع بیگم کی کال آئی تو بھی حمیرا نے یہی جواب دیا وہ عشال کے گھر نہ پہنچنے پر فکر مند ہو رہی تھیں حمیرا کے بتانے پر انہیں تسلی ہو گئی کے وہ ہوسپٹل میں آن ڈیوٹی ہے اور صبح تک ہی گھر آئے گی۔
''آپ نے جھوٹ کیوں بولا ماما سے؟''
حمزہ نے حمیرا سے پوچھا۔
''عشال گھر والوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتی اس لئے اور شائد۔''
''شائد کیا؟''
''وہ ان سے خفا بھی ہے کہ انہوں نے اس کے علم میں لائے بغیر اس کا نکاح طے کر دیا ہے رشتہ طے کر دیا ہے۔'' حمیرا سنجیدگی سے بولی۔
''ہاں اتنی بڑی بات اس کے علم میں لانی چاہیے تھی عشال کا خفا ہونا بنتا ہے لیکن..... خدانخواستہ اگر عشال کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو ہم کیا جواب دیں گے اس کے گھر والوں کو؟ وہ گلہ نہیں کریں گے کے ہمیں کیوں بے خبر رکھا گیا؟''
''انہوں نے بھی عشال کو بے خبر رکھا تھا نا اس کا رشتہ طے کرتے ہوئے تو عشال نے تو اپنی تکلیف اور بیماری سے بے خبر رکھ کر انہیں پریشانی سے بچانا چاہا ہے پریشان تو نہیں کیا نا ان سب کی طرح کوئی اسے کہہ رہا ہے کے رشتہ طے کر دیا ہے، کوئی کہہ دیا ہے منگنی ہو رہی ہے، کسی کا کہنا ہے کے اس کے نکاح کی ڈیٹ فائنل کر دی گئی ہے پتا نہیں کیا گیم کھیل رہے ہیں سب اس کے ساتھ؟ وہ سٹریس کی وجہ سے بیمار پڑ گئی ہے جن کی وجہ سے بیمار ہوئی ہے ان کو نہ بتا کر اچھا ہی کیا ہے نا اس نے، اب وہ سب رات کو آرام سے ڈنر کریں گے اور سکون سے سوئیں گے ورنہ یہاں آنا پڑتا انہیں نیند آرام چھوڑ کر پریشان ہونا پڑتا ہے نا؟ عشال نے سب کا بھلا ہی سوچا ہے نا۔''
حمیرا نے اسے دیکھتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا تو وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

"وہ سب کا بھلا ہی سوچتی ہے سوائے اپنے۔"

"تو آپ اس کا بھلا سوچ لیں ناں کس بات کا انتظار ہے آپ کو؟ آپ کی محبت کا دل اور ظرف اتنا چھوٹا ہے کیا کے جب تک وہ آپ سے کہے گی نہ تب تک آپ اسے اپنے ساتھ کا پیار کا یقین نہیں دلائیں گے؟" حمیرا نے تلخی سے پر لہجے میں کہا۔

"میں تو بہت پہلے کہہ دیتا اسے یقین دلا دیتا مگر اس کے محبت نہ کرنے اور محبت سے انکار کی تکرار نے مجھے اپنے جذبوں کو اس پر عیاں کرنے سے باز رکھا، انا کی مانتا تو اتنا انتظار نہ کرتا اس کا، اس وقت یہاں نہیں بیٹھا ہوتا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"یہاں رات رکنے کی اجازت نہیں ہے آپ بھی گھر جا کر آرام کیجیے، صبح آجائیے گا میں ادھر ہی ہوں عشال کے پاس۔" حمیرا نے ایکدم سے اسے یاد دلاتے ہوئے کا تو فوراً بولا۔

"میں ادھر ہی رکوں گا عشال کو میری ضرورت پڑ سکتی ہے گھر میں کسی کو اس کی کنڈیشن کا علم نہیں ہے اور میں بھی چلا جاؤں تو یہ نہیں ہوگا، میں ادھر ہی رکوں گا آئی تھینک ایک فیملی ممبر کا پیشنٹ کے پاس رات رکنے کی اجازت تو ہوتی ہے یہاں۔"

"تو میں ہوں ناں۔"

"آپ اس کی ڈاکٹر ہیں۔"

"دوست بھی ہوں اور اسے اس وقت ڈاکٹر اور دوست کی ہی ضرورت ہے حمزہ بھائی۔" حمیرا نے عشال کو میڈیکل فائل دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"میں بھی اس کا دوست ہوں میری محبت اور مسیحائی کی زیادہ ضرورت ہے اسے۔" حمزہ نے سنجیدگی سے جتایا۔

"ڈاکٹر حمیرا آپ کو سر بلا رہے ہیں ڈاکٹر عشال کو انجکشن لگنا ہے ان کا بخار کم نہیں ہو رہا۔" نرس نے آکر حمیرا کو مخاطب کر کے بتایا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سنا آپ نے اسے ڈاکٹر کی ضرورت ہے آپ جائیے ورنہ آپ کے گھر والوں کو فکر ہوگی کے آپ کہاں ہیں بائے۔" حمیرا نے حمزہ کی طرف دیکھ کر کہا اور تیزی سے نرس کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلی گئی، حمزہ پریشانی کے عالم میں عشال کے کمرے کی جانب چل دیا۔

☆☆☆

"مجھے نئے سال میں کچھ نیا نہیں کرنا، نہ ایئر نہیں منانا، ویلنٹائن ڈے سیلیبریٹ نہیں کرنا جو میرا تھا وہ میرا ہے ہی نہیں تو کیسا لوڈے؟ اپنے بیڈ روم کی سیٹنگ بھی چینج نہیں کرتی، کچھ نیا نہیں خریدنا، جو جیسا ہے ویسا رہے، جو کوئی بھی اچھا، صحیح غلط کر رہا ہے، میرے معاملے میں کرتا رہے میں کسی کو کچھ نہیں کہوں گی، کوئی گلہ شکوہ نہیں کروں گی، زندگی شاید ایسی ہی ہے دوسروں کی خواہشوں پر اپنی خوشیاں قربان کر دینا، ہم اپنے لئے کم اور اپنوں کے لئے زیادہ جیتے ہیں، زندگی ہماری ہوتی ہے اور اسے کیسے بسر کرنا ہے یہ کوئی اور کرتا ہے، اسے کسی کے ساتھ گزارنے اس کا فیصلہ ہم نہیں ہمارے بڑے کرتے ہیں ہماری پسند ناپسند مرضی کیا ہے اس سے کسی کو کوئی سروکار ہی نہیں ہوتا۔" عشال نے گہری نیند سے آنکھیں کھولیں تو دماغ میں ان سوچوں، خیالوں نے یلغار کر دی۔

چلو اے زندگی ہم اب
تمہیں سب دان کر بیٹھے
بھلے خوشیاں ہمیں دینا

بھلے سے تم رلا دینا
کوئی خوشبو بھرا جھونکا
جیون میں بسا دینا
کوئی چاہت بھرا لمحہ
گر چاہو تو عطا کرنا
بھلے تم آنسوؤں سے نا
ہمارے خواب بھر دینا
کوئی شکوہ، گلہ تم سے
ہمیں بالکل نہیں ہوگا
اب ہم نے چھوڑ دیا خود
انہیں حالات کے در پہ
جو ہم سے مانگتے ہیں دان میں
بخشی ہوئی سانسیں
چلو اے زندگی ہم اب
تمہارے نام کرتے ہیں
سبھی کومل حسین جذبے
تمہیں سب دان کرتے ہیں

پوری رات وہ درد بخار سے بے چین رہی تھی۔ انجکشن لگنے کے بعد چار گھنٹے سوئی تھی اور جاگنے پر وہی درد وہی دکھ بھی بیدار ہو گیا تھا جس کا نام محبت تھا، بس ایک لو یو، کے فاصلے پر اس کی زندگی کھڑی تھی مگر اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اسے کچھ نہیں کہنا تھا، نہ حمزہ سے نہ اپنے گھر والوں سے اللہ تعالیٰ سے اپنے دل کا حال کہہ دیا تھا اس پر بھروسہ تھا کے وہ اسے سکون عطا کرے گا۔

☆☆☆

حمیرا نے اس کا معائنہ کیا ابھی بھی 102 ڈگری تھا ٹمپریچر کل سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا، چوبیس گھنٹے میں وہ کئی دنوں کی بیمار لگ رہی تھی، نقاہت بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی اسے بھی اور دیکھنے والوں کو اندازہ ہو رہا تھا کے وہ اس وقت بخار سے نڈھال ہے۔

"شکر ہے بخار کچھ کم ہوا تمہارا رات تو تم نے ڈرا ہی دیا تھا اوپر سے تم نے اپنے گھر والوں کو بتانے سے بھی منع کر دیا تھا ڈاکٹر امجد بھی ڈانٹ رہے تھے کے ان کی فیملی کو کیوں نہیں انفارم کیا خدانخواستہ انہیں کچھ ہو گیا تو وہ لوگ ہمیں ملزم کریں گے پھر میں نے حمزہ کا بتایا انہیں کے یہ عشال کا کزن ہے ان کی فیملی آؤٹ آف سٹی گئی ہوئی ہے اس لئے ان کو نہیں بتایا کے پریشان نہ ہوں وہ لوگ اور یہ کے آج تمہاری فیملی واپس آجائے گی تو بتا دیں گے، تب کہیں جا کے ڈاکٹر امجد کا غصہ کم ہوا۔" حمیرا نے تیزی سے بولتے ہوئے اسے ساری بات سے آگاہ کیا۔

"تھینک یو، تم بہت اچھی دوست ہو میری۔" وہ مسکراتے ہوئے کمزوری آواز میں بولی۔

"وہ تو میں ہوں اب تم بھی اچھی ہو جاؤ یوں بستر پہ بیمار پڑی بالکل اچھی نہیں لگ رہیں، حمزہ بھائی رات بھر یہاں رکے رہے ہیں کچھ دیر پہلے گھر گئے ہیں ناشتے کا پوچھ رہے تھے میں نے منع کر دیا تھا کیونکہ امی شاید بھائی کے ہاتھ ہم دونوں کے لئے ناشتہ بھجوا رہی ہیں۔" حمیرا نے اس کے بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے بتایا۔

"تم بھی کل سے یہاں ہو گھر چلی جاتی ناں تمہیں نیند کی ضرورت ہے۔" عشال نے اسے محبت اور شکر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ٹھیک ہوں یہاں کرسی پر بیٹھے بیٹھے ایک گھنٹہ سو لی تھی میری فکر نہ کرو بس اپنا خیال رکھو انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا، مسٹر حمزہ درانی تم سے پیار کرتے ہیں میرا یقین کامل ہو چکا ہے چند گھنٹوں میں، تم انہی کی دلہن بنو گی فکر نہ کرو۔"

عمیرا نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ کچھ نہیں بولی بس افسردگی سے ذرا سا مسکرائی اور آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

اعجاز درانی کچھ پریشان سے گھر لوٹے تھے، شمع بیگم نے ان کی بھانپتے ہوئے پوچھا۔

''کیا بات ہے کچھ ہوا ہے کیا؟''

''لڑکے والوں نے رشتے سے انکار کر دیا ہے۔''

''کیا مگر کیوں؟'' شمع بیگم یہ سن کر شاکڈ ہو کر بولیں۔

''وجہ نہیں بتائی انہوں نے بس اتنا کہا کہ پہلی ملاقات میں زندگی کے اتنے بڑے فیصلے نہیں کرنے چاہئیں بچوں کی خوشی اور مرضی کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔'' اعجاز درانی صوفے پر بیٹھ کر تھکے تھکے پریشان لہجے میں بولے تو وہ غصے سے بولیں۔

''تو یہ بات انہیں پہلے سمجھ میں نہیں آئی تھی۔''

''بات تو ان کی درست ہے ہم نے ہی جلد بازی کی ہمیں بیٹی کے ماں باپ ہو کر خود یہ بات سوچنا چاہیے تھی مانا کہ وہ مرتضیٰ بھائی کے دیرینہ دوست کی فیملی تھی لیکن ہم سے بہت بڑی بھول بلکہ حماقت ہوئی ہے کہ ہم نے فوراً ہاں کر دی عشال سے پوچھنا اسے بتانا تک ضروری نہیں سمجھا، اسے ہمارے اس فیصلے سے بہت دکھ پہنچا تھا وہ بالغ ہے پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہے اور ہم نے اس سے ذکر کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا وہ تو شکر ہوا کہ ہم نے خاندان میں کسی سے ذکر نہیں کیا تھا اس رشتے کا ورنہ کتنی سبکی ہوتی اور ہماری بچی پر ناحق الزام آتا، باتیں بنتیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولے۔

''صحیح کہہ رہے ہیں آپ ہم نے بہت بڑی غلطی کر دی، ان کے جواب سے تو لگتا ہے کہ ان کے بیٹے کی مرضی شامل نہیں تھی اس رشتے میں۔'' شمع بیگم بولیں تو وہ پرسوچ انداز میں بولے۔

''نہیں بات کچھ اور ہے مجھے وہ بہت شرمندہ سے لگ رہے تھے اور ان کا بیٹا فرحان بہت خوش تھا جب یہاں آیا تھا پھر ایکا یک کیا ہوا کہ رشتہ طے کر کے انکار کرنا پڑا انہیں؟''

''حمزہ نے بھی تو فاریہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے مجھے آج ہی پتا چلا ہے کہیں اس وجہ سے تو انہوں نے ہم سے بھی رشتہ ختم نہیں کیا؟'' شمع بیگم بولیں۔

''ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو میں بات کرتا ہوں عالیہ بہن سے۔''

''ہم نے اپنی بچی کا دل بھی دکھایا اور رشتہ بھی چار دن میں ختم ہو گیا رشتہ کیا بات ہی جلد بازی میں ہوئی اتنا تو ہم نے آپس میں نہیں کیا سگے رشتے ہیں ہمارے ہم عشال اور حمزہ کے بارے میں بھی تو سوچ سکتے تھے دونوں گھر کے بچے تھے آپس میں کر لیتے باہر کے لوگوں پہ بھروسہ کیا اور نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔'' شمع بیگم نے سنجیدہ اور متفکر لہجے میں کہا تو وہ سنجیدگی سے بولے۔

''خیال تو کئی بار آیا تھا مگر ہم لڑکی والے ہیں ہم کیسے اپنے منہ سے کہہ دیتے مرتضیٰ بھائی سے کہ ہماری بچی کو اپنی بہو بنا لیں حالانکہ وہ عشال سے پیار بھی بہت کرتے ہیں حمزہ اور عشال میں دوستی بھی بہت ہے۔''

''کہیں حمزہ کے انکار کی وجہ یہی تو نہیں؟'' شمع بیگم نے قیاس لگایا۔

''ممکن ہے ہمارا ذہن اس طرف کیوں نہیں گیا پہلے کمال ہے ہم اب یہ بات سوچ رہے ہیں

جب گردیزی صاحب نے معذرت کرلی۔" اعجاز درانی تاسف سے بولے۔

"آپ نے انہیں کھری کھری سنائی تھیں ناں۔"

"ضرورت نہیں تھی اس کی وہ بہت نفیس انسان ہیں اور بہت طریقے سے انہوں نے معذرت کی ہے، خیر عشال کا بھی کچھ پتا ہے اڑتالیس گھنٹے ہو گئے ہیں اسے ہوسپٹل گئے ہوئے ابھی تک ختم نہیں ہوئی اس کی ڈیوٹی ایسے تو وہ خود بیمار پڑ جائے گی کال کر کے معلوم کرو کب تک آئے گی؟" اعجاز درانی نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"آ رہی ہے عشال!" خدیجہ بھابھی حواس باختہ سے اندر داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

"شکر ہے۔" اعجاز درانی بولے۔

"شکر تو ہے لیکن۔" خدیجہ بھابھی ہچکچا گئیں۔

"لیکن کیا؟" شمع بیگم اور اعجاز درانی نے ان کی طرف دیکھا۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ظاہر ہے اڑتالیس گھنٹے ڈیوٹی دینے کی طبیعت کیسے ٹھیک رہ سکتی ہے، عجیب لوگ ہیں ڈاکٹرز کو انسان نہیں سمجھتے۔" اعجاز درانی قدرے غصے سے بولے۔

"یہ بات نہیں ہے ابو، عشال دو دن سے ہوسپٹل میں ڈیوٹی نہیں دے رہی تھی بلکہ ایڈمٹ تھی وہاں اس کی طبیعت کافی خراب ہو گئی تھی۔" خدیجہ بھابھی نے ڈرتے ہوئے بتایا تو اندر آتے اویس درانی سمیت سب ششدر رہ گئے۔

"کیا میرے خدایا! گھر کی بچی ہوسپٹل میں داخل تھی اور یہاں کسی کو خبر ہی نہیں تھی، سب کے سب لاپرواہ ہو گئے ہیں کسی کو احساس نہیں ہے میری بچی کا۔" اعجاز درانی غصے سے ٹی وی لاؤنج میں ٹہلتے ہوئے بول رہے تھے۔

"ہمیں تو حمیرا نے کہا تھا کہ وہ ایمرجنسی میں ڈیوٹی پر ہے۔" عالیہ بیگم روہانسی ہو کر بولیں، اتنے میں گاڑی کا ہارن بجا تو وہ سب باہر دوڑے۔

☆☆☆

حمیرا اور حمزہ نے سب کے سوالوں کے جواب دیئے اور عشال کو اس کے کمرے میں پہنچایا۔

"تمہیں کسی چیز کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں ہوں ناں۔" حمزہ نے اسے دیکھتے ہوئے پیار سے کہا وہ بیڈ پر بیٹھی تھی بہت تھکی ہوئی کمزور لگ رہی تھی، اس نے حمزہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بڑے مان سے پوچھا۔

"تم ہو نا حمزہ! ہمیشہ میرے ساتھ، میرے پاس؟"

"ہاں ہوں میں تمہارے ساتھ، تمہارے پاس، جب تک ہے جان۔" وہ اس کے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں مقید کرتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ کر دل سے نرم لہجے میں بولا۔

"وعدہ؟"

"پکا وعدہ۔" وہ مسکرا دیا۔

"تم بہت اچھے ہو۔" وہ بھیگی آنکھوں سے اس کے وجیہہ چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی تو وہ پیار بھری خفگی سے بولا۔

"اسی لیے تم مجھ سے پیار نہیں کرتیں نا؟"

"کرتی ہوں نا بہت پیار کرتی ہوں آئی لو یو حمزہ ریئلی لو یو۔" عشال کی زبان بے اختیار پیار کا اقرار کرتے ہوئے حمزہ درانی کی روح میں سکون، شادمانی اور ترنگ پیدا کر گیا، اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا، آنکھیں بھیگنے لگیں تھیں۔

''بس ایک آئی لو یو بولنے میں تم نے اتنے دن لگا دیے، مجھے تو لگا تھا کہ میرے مرنے کے بعد ہی تمہیں میری محبت کا احساس ہوگا، ادراک ہوگا، یا اللہ تیرا شکر ہے یہ معجزہ میری زندگی میں ہی ہو گیا۔'' وہ بھیگتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے لرزتی آواز میں بولا۔

''حمزہ، پلیز مجھے چھوڑ کے مت جانا۔'' عشال اس کے شانے پر سر رکھ کر روتے ہوئے بولی۔

حمزہ تو جیسے جنت کی سیر کر رہا تھا۔

''نہیں جاؤں گا بس تم جلدی سے صحت یاب ہو جاؤ کیونکہ میں اپنی دلہن کو مکمل تندرست، ہنستے مسکراتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے سر اٹھا کے اس کا مسکراتا چہرہ دیکھا۔

''شادی کرو گی مجھ سے؟'' حمزہ نے اس کے چاند چہرے کو اپنے ہاتھوں کے ہالے میں لے کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔'' اس نے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''آئی لو یو۔''

''حمزہ!'' وہ روتے ہوئے اس نے سینے میں چہرہ چھپا گئی۔

''اف، سنگدل لڑکی، تم نے مجھے کتنا آزمایا ہے، تڑپایا ہے میں تم سے آئی لو یو کہنے کی حسرت میں جیئے جا رہا تھا۔'' وہ پرنم آواز میں بولا، لہجہ خوشی سے پر تھا۔

''اور..... فاریہ۔'' اس روتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ مسکراتے اس کے آنسو اپنے ہاتھوں میں جذب کرتے ہوئے بولا۔

''فاریہ کو میں نے صاف صاف بتا دیا تھا کے میں عشال سے محبت کرتا ہوں اور شادی بھی اسی سے کروں گا تو اس نے بھی کہا کے وہ اپنے کلاس فیلو اظہر کو پسند کرتی ہے میں نے اظہر سے ملاقات کی اس کی فیملی سے ملا پھر فاریہ کے پیرنٹس کو ساری بات بتائی تو وہ بھی راضی ہو گئے فاریہ اور اظہر کے رشتے کے لئے، امی ابو کو میں پہلے ہی انکار کر چکا تھا۔''

''اور..... میرا جو رشتہ طے ہوا تھا، فاریہ کے بھائی سے۔'' وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے متفکر لہجے میں بولی۔

''بھئی وہ زبانی کلامی طے ہوا تھا نا میں نے اور امی ابو نے گردیزی انکل اور آنٹی سے بات کر کے ماموں سے معذرت کروالی اب میں اور تم دونوں آزاد ہیں ''گردیزی فیملی'' کے کسی بھی رشتے سے۔''

''تم سچ کہہ رہے ہو؟'' اس کے ہونٹوں پر بھیگا بھیگا سا تبسم ابھرا تھا۔

''ہاں میری جان! بالکل سچ کہہ رہا ہوں کچھ دیر میں مابدولت کے گھر والے یہاں پہنچ رہے ہیں پورے اہتمام کے ساتھ ہم دونوں کا رشتہ طے کرنے تو ابھی بتا دو، پہلے ہاؤس جاب مکمل کرنی ہے کے شادی کرنی ہے؟'' وہ اس کے بالوں کو کان کے پیچھے نرم ہاتھ سے کرتے ہوئے شوخ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''شادی۔'' اس نے فوراً جواب دیا وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

''بڑی جلدی ہے شادی کی؟'' وہ شریر لہجے میں مسکراتے ہوئے بولا۔

''حمزہ! شادی کی جلدی نہیں ہے، کوئی تمہیں مجھ سے چھین نہ لے، دور نہ کر دے اس لئے تم سے منسوب ہونا چاہتی ہوں۔'' وہ نگاہیں جھکا کر ایمانداری سے کہتی اس کے دل ودماغ کو

خوشی سے ہمکنار کر رہی تھی، حمزہ کو اس کے بچ پر ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا۔

"کتنی اچھی لگ رہی ہو نا یہ باتیں کرتی ہوئی؟"

"کتنی اچھی؟" عشال نے معصومیت سے پوچھا۔

"اتنی اچھی کے دل چاہ رہا ہے ابھی تم سے شادی کر لوں۔" حمزہ نے محبت سے اسے دیکھتے شرارت بھرے شوخ لہجے میں کہا تو شرما کر ہنس دی۔

"تم دونوں کا سین اوکے ہو گیا ہو تو میں اندر آ جاؤں؟" حمیرا جو دروازے کے باہر کھڑی پہرہ دے رہی تھی دروازہ کھٹکا کر بولی تو وہ دونوں ہنس پڑے۔

"آیئے آیئے سالی صاحبہ، باقی کی کہانی آپ اسے سنا دیں میں ذرا ماموں مامی کو بھی اس الجھن سے نکال دوں کے "گردیزی فیملی" نے انکار کیوں کر دیا؟" حمزہ نے اٹھ کر دروازے کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"یہ کام آپ کے پیرنٹس بخوبی کر رہے ہیں وہ آ چکے ہیں جایئے نیچے اور آج شادی کی تاریخ طے کروا کر اٹھیئے گا۔" حمیرا نے اندر آ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑا۔

"انشاء اللہ، اینڈ تھینک یو سو مچ آپ نے بہت ساتھ دیا ہم دونوں کا۔" حمزہ نے دل سے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"شکریہ کی ضرورت نہیں ہے بس میری سہیلی کو ہمیشہ خوش رکھیئے گا۔" حمیرا مسکراتے ہوئے بولی۔

"انشاء اللہ تعالیٰ۔" حمزہ نے چاہت سے عشال کو دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"یہ بچے بھی نہ حد کرتے ہیں ارے پہلے ہی بتا دیتے تو ہم گردیزی صاحب کے سامنے شرمندہ تو نہ ہوتے۔" اعجاز درانی ساری بات سن کر بولے، تو مرتضیٰ درانی نے کہا۔

"شرمندہ ہونے والی بات نہیں ہے اعجاز بھائی، گردیزی صاحب سمجھتے ہیں ان معاملات کو اب دیکھیں نا ان کی بیٹی کو بھی کوئی اور پسند تھا یہ تو ہم بڑوں نے اچانک سے سوچ لیا اور بات کر دی، سچ پوچھیں تو میں نے یہ بات اسی لئے بھی ہونے دی کہ ہمارے بچے اس بہانے اپنی پسند کا اظہار تو کریں گے اور حمزہ نے عشال سے محبت کا ثبوت دیتے ہوئے اسٹینڈ بھی لیا اور فاریہ کو بھی اس کی پسند دلائی بات بھی کی ہم سب سے گردیزی سے اور معاملات خوش اسلوبی سے حل ہو گئے۔"

"مجھے تو حمزہ بیٹا شروع سے ہی پسند ہے۔" اعجاز درانی مسکراتے ہوئے بولے تو سب مسکرا دیئے۔

"بس تو پھر شادی کی تاریخ دے دیں ہمیں نئے سال میں بچوں کو ان کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی دینا ہمارا فرض ہے۔" عالیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا تو خدیجہ بھابھی مسکراتے ہوئے بولیں۔

"ان دونوں کی شادی "ویلنٹائن ڈے" کو رکھ لیں۔"

"وہ کیا ہوتا ہے؟" عالیہ بیگم نے پوچھا تو سب ہنس پڑے۔

"محبت کرنے والوں کے لئے تو ہر دن ہی یوم محبت ہوتا ہے وہ پورا سال انتظار نہیں کرتے محبت کا اظہار کرنے کے لئے۔"

"بات تو آپ کی درست ہے چھپو۔" خدیجہ بھابھی مسکراتے ہوئے بولیں اور پھر باہمی

صلاح مشورے کے بعد چودہ فروری ہی عشال اور حمزہ کی شادی کا تاریخ طے پائی۔

☆☆☆

دلہن کے الوہی روپ میں سجی سنوری عشال درانی مینز عشال حمزہ درانی بنی حمزہ درانی کی خواب گاہ میں پھولوں کی سیج پر پھول کی طرح کھلی ہوئی بیٹھی تھی، اس کے سرخ سنہری عروسی لباس اور زیورات نے میک اپ کی مہارت اور گجروں کی مہک چوڑیوں کی کھنک نے انوکھا حسن بخشا تھا، اس پر محبت اور محبت کو پالینے کی خوشی کے اس کے ملکوتی حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

حمزہ درانی سیاہ رنگ کی جدید فیشن کی شیروانی میں ملبوس الگ ہی چھب دکھلا رہا تھا، دعاؤں آنسوؤں اور قرآن پاک کے سائے تلے عشال درانی کو حمزہ درانی رخصت کرا کر اپنے محبت کدے میں بالآخر لے ہی آیا تھا، برسوں سے محبت کے جس راستے پر وہ چل رہا تھا، آج اس راستے پر اسے اپنی منزل مل گئی تھی، وہ خوش نہیں بہت زیادہ خوش تھا۔

"بہت دیر کی میری جان آتے آتے۔" حمزہ درانی نے اس کی نازک کلائی میں سونے کی بریسلٹ پہناتے ہوئے اس کے حور شمائل سراپے کو آنکھوں میں جذب کرتے ہوئے پیار سے کہا۔

"آپ جلدی بلا لیتے ہم جلدی آجاتے۔" عشال نے شرمیلی مسکراہٹ لبوں پر سجائے مدھم آواز میں کہا تو وہ دھیرے سے ہنسا۔

"بہت ظالم ہو تم میں اگر کوشش نہ کرتا تو تم تو بڑی آسانی سے مجھے جانے دیتیں کسی اور کا ہونے دیتیں ہے نا؟" وہ قدرے خفگی سے پیار بھرے انداز میں شکوہ کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں میں ایسا نہیں کرتی کیونکہ مجھے بھی تو جینا تھا۔" اس نے خوبصورت انداز میں اپنی محبت کا اعتراف کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا جی۔" وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے تکیہ پاس رکھ کر اس پر کہنی ٹکائے اپنی حسین دلہن کی صورت کو پیار سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"یقین نہیں ہے؟" اس نے گھنیری پلکیں اٹھا کر اس کا خوشی سے دمکتا چہرہ دیکھا تھا۔

"ہے، بہت یقین ہے ہمیشہ تھا۔"

"تو مجھے کیوں نہیں بتایا تھا؟"

"میں چاہتا تھا کہ تم خود محسوس کرو تمہیں خود سے احساس ہو کہ تم حمزہ درانی کو دوستی سے بڑھ کر چاہتی ہو اس سے پیار کرتی ہو اور یہ جو محبت کے ناکام قصے سن کر دیکھ کر تم بدگمان ہو وہ محبت سے نہیں محبت کو بدنام کرنے والوں سے بدگمان ہو ورنہ تمہارا دل تو محبت کا گھر ہے۔" وہ اس کا حنائی کومل ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پیار سے سہلاتے ہوئے بولا، تو وہ خفا لہجے میں بولی۔

"اچھا، اسی لئے فاریہ لوگوں کو موقع دیا ہمارے گھر آنے کا۔"

"تمہارے دل میں اپنی محبت کو جگانے بلکہ جھنجھوڑنے کا موقع خود بخود میسر آ گیا تھا تو میں کیوں انہیں روکتا، ٹوکتا؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں بے حس تو نہیں ہوں حمزہ۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"بنتی تو تھیں ناں، کتنا چڑتی تھیں بھائیں تھیں محبت سے اور دیکھو کیسے مجھے کسی اور کا ہوتے دیکھ کر صدمے سے بیمار پڑ گئیں باہر سے جتنی مضبوط دکھتی ہو نا، اندر سے اتنی ہی کمزور ہو محبت کے معاملے میں اور مجھے بہت خوشی ہے کہ تم میرے معاملے میں بہت حساس ہو، بہت پوزیسو ہو، بہت پیار کرتی ہو مجھ سے، میں تمہیں زندگی

کے ہر مرحلے، مسئلے اور معاملے میں بہت اسٹرونگ بہت مضبوط دیکھنا چاہتا ہوں لیکن۔"

"لیکن کیا؟" عشال نے بھیگتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"لیکن میرے معاملے میں، میرے لئے تم اتنی ہی کمزور حساس اور پوزیسو رہنا ہمیشہ کسی کو موقع مت دینا کہ کوئی مجھے تم سے دور کردے۔" وہ اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کے چہرے کو پیار سے دیکھتے ہوئے بولا تو خدشے میں گھر کر بولی۔

"مجھ سے کبھی دور مت ہونا حمزہ۔"

"مجھے اپنے قریب اپنے پاس رکھنے کا ایک ہی حل ہے اور بہت آسان ہے۔" وہ اس کے گجروں کو ناک کے قریب کر کے سونگھتے ہوئے دلکش لہجے میں بولا۔

"وہ کیا؟"

"بس ایک آئی لو یو۔" وہ دلکشی سے مسکرایا۔

"حمزہ!" اس نے بچوں کی سی معصومیت سے اسے دیکھا۔

"ہوں۔"

"آئی لو یو۔"

"کیا؟" وہ شرارت سے انجان بنتے ہوئے بولا۔

"آئی لو یو حمزہ، رئیلی لو یو۔" اس نے دل سے اقرار کیا تھا۔

"میں نے ٹھیک سے سنا نہیں دوبارہ کہنا۔" حمزہ اب شرارت کے موڈ میں تھا اسے تنگ کرنے کے لئے قریب ہوتے ہوئے بولا۔

"آئی لو یو، آئی لو یو، آئی لو یو، بس اگر ابھی بھی نہیں سنا تو کبھی بھی نہیں سنو گے، خود ایک بار کہا ہے مجھ سے اور سننے کی فرمائش بار بار۔" وہ اس کا کالر چھیڑتے ہوئے بولی۔

"ہاں تو تم نے اتنے سال ترسایا ہے مجھے اور میں تو دن رات تم سے کہتا تھا آئی لو یو دل ہی دل میں اب تمہیں محبت کی آواز دیر سے سنائی دی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"مجھے شرمندہ کر رہے ہو نا؟" وہ رونے والی ہو گئی تو فوراً اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں سمو کر پیار سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں میری جان میں کیوں تمہیں شرمندہ کروں گا تم تو میری زندگی ہو، میرا مان ہو، میرا پیار ہو، میں تو شرارت کر رہا تھا، میں بہت خوش ہوں تمہیں پا کر، اپنا کر، تم خوش ہو؟"

"جی۔" وہ مسکراتے ہوئے سر ہلا کر بولی۔

"آئی لو یو، لو یو سو مچ۔" حمزہ نے دل سے کہا اور اس کی روشن پیشانی پر بوسہ دے کر اسے اپنی مہربان بانہوں میں سمیٹ لیا اور سکون سے گہرا سانس لیوں سے خارج کیا، عشال کے دل روح اور رگ و پے میں خوشی سرائیت کر رہی تھی، وہ دونوں ایک دوسرے کو پانے کے احساس سے گویا ایک نئی زندگی جی رہے تھے، محبت ان کے آس پاس خوشی سے رقص کر رہی تھی، مسکرا رہی تھی، محبت کا دن عمر بھر کی محبت کے ساتھ میں بدل گیا تھا، ان کے دل شکر کے سجدے ادا کر رہے تھے۔

☆☆☆

"کب آئے امان اللہ؟"

"جب آپ نے دیکھ لیا۔"

"فرزانہ کی برتھ ڈے پارٹی کیسی رہی۔" سرسری انداز میں کلثوم نے پوچھا۔

"بہت زبردست۔"

"تم اماں بی کے پاس چل کر بیٹھو میں بس آخری پھلکا ڈال کر آئی۔" گرم توے پر روٹی سکتے ہوئے کلثوم بولی تھی۔

"کیا پکا۔" سرسری انداز میں پوچھتے وہ چولھے پر پڑی ہنڈیا کا ڈھکن سرکا کر اندر جھانکا۔

"آلو کی بھجیا، کھاؤ گے؟"

"جی کھاؤں گا۔" قدرے مسکراتے ہوئے وہ بولا اور پیچھے ہٹ کر سلیب سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

"تم ہاتھ منہ دھو میں کھانا ڈالتی ہوں، ابھی اماں بی نے بھی نہیں کھایا ان کے ساتھ ہی کھا لو۔"

"میں یہیں پلیٹ میں ڈال کر ان کے لیے بھی لے جاتا ہوں۔"

"کلثوم آپ بھی کھائیں۔"

"تم کھاؤ، میں ٹھہر کر کھاؤں گی۔" روٹی توے سے اتار کر ہاٹ پاٹ میں رکھتے ہوئے وہ بولی اور پھر باریک سے پلیٹ نکال کر سالن ڈالنے لگی۔

"آپ نے اپنے لئے سالن رکھا ہے۔" امان اللہ کے ذہن میں خیال آیا تھا، جسے اس نے الفاظ کا روپ دیا۔

"شکر الحمدوللہ، تم بسم اللہ کرو۔"

## مکمل ناول

اس نے وہیں کھڑے کھڑے روٹی کا نوالہ توڑا تھا، اس وقت اس کی نگاہیں سالن کی پلیٹ پر تھیں لیکن وہ جھکے ہوئے بہت آنکھیں بند کیے پورے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ روٹی کے پہلے نوالے کو توڑتے وقت بسم اللہ کلثوم نے پڑھی ہو گی۔

منہ میں نوالہ جاتے ہی اسے کچھ یاد آیا۔

"سالن مزے کا نہیں۔" کلثوم نے اس کے چہرے سے اندازہ لگانے کی کوشش کرتے سوال کیا۔

"کھانا کم پڑ گیا۔" ایک بازگشت تھی۔

"تم بے فکر ہو کر، بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھاؤ۔" ایک یاد۔

"لیکن مہمان زیادہ ہیں، حکومتی ہڑتال کی وجہ سے تندور بھی بند ہیں۔"

ایک اور یاد۔

"کھانا ضرورت سے کہیں زیادہ ہے، تم فکر نہ کرو۔" بہت سی ماضی کی یادوں نے اس کے ذہن کے پردے کو جھنجھوڑا تھا۔

"امان اللہ سالن کا ذائقہ ٹھیک نہیں ہے جو کھاتے کھاتے رک گئے۔" کلثوم نے دوسری مرتبہ پوچھا۔

"نہیں بہت مزے کا ہے، میں اماں بی کے پاس بیٹھا ہوں، ان کا بھی کھانا لے جاؤں۔" یہ کہتے ساتھ ہی وہ کلثوم کی جانب سے رخ پھیر گیا۔

"نہیں، میں لے آتی ہوں، تم چلو۔" کلثوم ٹرے میں برتن رکھتے ہوئے بولی تو امان اللہ کچن سے نکل گیا، اماں بی اور امان اللہ کو کھانا دے کے وہ واپس کچن میں چلی آئی ابھی وہ کچن کی صفائی کر رہی تھی کہ کچھ دیر میں وہ کلثوم کے سامنے موجود تھا۔

[illegible]
دیا، اپنے لئے بھی کچھ رکھا ہے کھانے کو۔" امان اللہ کا سوال کم اور تجسس زیادہ تھا۔

"بہت سالن ہے۔" مختصر الفاظ میں کلثوم نے جواب دیا۔

امان اللہ کو جیسے یقین نہیں آیا تھا، بے یقینی کے انداز میں اس نے سالن کے دو گے سے ڈھکن اٹھایا۔

"یقین آ گیا کہ میرے لئے بہت سالن ہے۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کلثوم نے کہا، وہ یقیناً امان اللہ کی بے یقینی کی حالت پر خاصی محظوظ ہوئی۔

☆☆☆

وہ شام میں سو کر اٹھی تو اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا، بند کمرے میں گھٹن محسوس ہونے لگی تو وہ گھبرا کر اٹھی اور کھڑکیوں کے پردے دونوں ہاتھوں سے ہٹائے، صحن میں زلیخا بیگم ٹہلتی نظر آئیں۔

"آنٹی، اب درد کیسا ہے گھٹنے کا، کچھ افاقہ ہوا درد میں۔" وہ صحن میں چلی آئی۔

"ہاں، بہتر ہے۔" ابھی وہ ٹھیک طرح سے ٹانگ پر وزن نہیں ڈال پا رہی تھی، چلنے میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ باقی تھی۔

"شکر ہے اللہ کا۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"میں تو ڈر گئی تھی کہیں کوئی گھٹنے کی ہڈی تو نہیں فریکچر ہوئی، اتنے روز کی ٹھوکر لگی پانی کے کنارے کی کہ میرے لئے زمین پر بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔" زلیخا بیگم کے لہجے کی فکرمندی اور پریشانی فاطمہ کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

"آپ بہت جلدی گھبرا گئیں تھیں۔"

"دل کی پریشانی نے تو اعصاب کمزور کر

دیتے ہیں۔" زینت بیگم کے لہجے کی پریشانی جائز تھی، جوان اولاد زندگی کی غلط راہوں پر قدم اٹھانے لگے تو ماں باپ کا پریشان ہونا لازمی ہے۔

"آپ اس طرح حوصلہ ہار دیں گئیں تو انکل بھی پریشان ہو جائیں گے، صائمہ کی شادی ویسے ہی سر پر ہے۔"

"مجھے تو تمہارا ابھی سہارا بہت ہے فاطمہ۔" فاطمہ کی جانب مشکور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"میرا فرض ہے آنٹی، آپ سب بھی تو میرا اتنا خیال رکھتے ہیں۔"

"تمہارا نہیں، ہمارا فرض ہے، تم تو جس مجبوری میں ہمارے در پر آئیں ہم تو رتی بھر بھی تمہارا خیال نہیں رکھ سکے، الٹا ہم ہمارے خیال میں ہلکان ہوئی رہتی ہو۔"

"آنٹی، اب آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔" درحقیقت وہ اس گھر کے مکینوں کی احسان مند تھی۔

"اور یہ آپ گھٹنے کی چوٹ کو لے کر ایسے ہی ڈر گئیں تھیں، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گی۔"

"صائمہ کی شادی سر پر ہے تو اس لئے زیادہ ڈر گئی کہ اس موقع پر بستر پر پڑ گئی تو سب انتظام کیسے ہوں گے۔"

"کوئی ڈر ہمیں تب تک نہیں ڈرا سکتا جب تک ہم خود اس کے سامنے گھٹنے نہ ٹیک دیں۔"

"کہاں سے سیکھی ہیں اتنی سمجھ داری کی باتیں، اتنی چھوٹی عمر میں۔"

"زندگی کے حالات سکھا دیتے ہیں، زندگی گزارنا بھی اور اسے سمجھنا بھی۔" جواب میں گہری نگاہیں، فاطمہ کے چہرے پر ڈالیں۔

"کچھ تو بات ہے اس لڑکی میں، چند دن پہلے ہی اس گھر میں آئی ہے اور ان چند دنوں میں اپنا بنا لیا۔" چند لمحوں پہلے ان کے ذہن میں آئی بات نے دوبارہ سے ان کے ذہن کو جکڑا تھا۔

"اپنے انکل کی بات کے بارے میں سوچا۔"

"اس بات کا جواب تو میں تب دوں گی جب آپ مجھے ایک بات کلیئر کریں گئیں۔"

"کون سی بات؟"

"یہی کہ آپ یہ سوال مجھ سے لڑکے کی ماں بن کر پوچھ رہی ہیں یا میری آنٹی۔"

"میں سمجھ سکتی ہوں فاطمہ، اس وقت تمہارے انکل کی بات کو لے کر تمہارے دل میں بہت سے سوال آ رہے ہوں گے، سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ اگر میں اپنی بات کروں تو جب تمہارے انکل نے تم سے ولی کے بارے میں پوچھا تو تمہاری سوچنے سمجھنے کی حالت نہیں تھی، انہوں نے تم سے بات کرنے سے پہلے مجھے نہیں بتایا تھا، اگر وہ تم سے بات کرنے سے پہلے مجھ سے کر لیتے تو میں شاید تمہیں پہلے سے اشارہ دے دیتی، لیکن انہوں نے ایسا کیا تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہو گا۔"

"آپ کی مرضی شامل نہیں۔"

"یہ کیسے سوچ لیا تم نے۔"

"آپ نے خود ہی تو کہا کہ انہوں نے آپ سے کوئی بات نہیں کی۔"

"بات نہ کرنے کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ اس میں میری مرضی شامل نہیں، میں تو بہت دن سے سوچ رہی تھی، دل میں کئی مرتبہ خیال آیا کہ تمہارے انکل سے بات کروں، لیکن یہ سوچ کر چپ ہو جاتی تھی کہ کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ ہم تمہارے ساتھ کچھ غلط کر رہے ہیں، ابھی ابھی تو تمہارے والد فوت ہوئے ہیں، مجھے بہت جلدی لگا تھا اور

پھر بہت ڈھیر سارے وسوسے دل میں تھے۔

"میں جان سکتی ہوں؟"

"تم پیاری ہو، پڑھی لکھی ہو، دوئی جیسے ملک میں پلی بڑھی ہو، کہیں تمہارے والدین نے تمہارا رشتہ نہ کیا ہو۔"

"کہیں تم کسی کو پسند نہ کرتی ہو اور پھر ول۔"

"ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے اسے زندگی کے ساتھی سے خوشیاں ملیں، سکھ ملے، کون لڑکی چاہتی ہے کہ اس کا شوہر اکھڑ، بدتمیز ہو۔"

"اور یہ تمام خیالات آپ کے اپنے بیٹے کے بارے میں ہیں۔"

"فاطمہ تم مجھے صائمہ کی طرح پیاری ہو، ایک ماں ہونے کے ناطے میں ایک داماد پوچھتے وقت خیال رکھوں کہ اس میں تمام خوبیاں ہوں جو میری بیٹی کے اچھے مستقبل کی ضامن ہوں تو میں تمہارے بارے میں بھی ایسی ہی سوچ رکھوں گی، حقیقت پسند ہوں، اس حقیقت سے منہ نہیں پھیر سکتی اور تم سے بھی یہی چاہوں گی تم جو بھی فیصلہ کرو، سوچ سمجھ کر، چاہتی ہوں کہ بغیر کسی دباؤ کے تم فیصلہ کرو، زندگی تمہاری ہے تمہیں گزارنی ہے۔"

زلیخا بیگم یہ کہہ کر خاموش ہو گئیں لیکن فاطمہ کے لیے سوچ کے بہت سے در وا ہو گئے۔

☆☆☆

"یار ایک تو تمہاری خاطر مام سے جھوٹ بول کر آیا ہوں اور یہاں تمہارے مزاج نہیں مل رہے۔" وہ دونوں ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے، اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھی لڑکی میز پر دونوں بازو رکھے ہاتھوں کی انگلیوں سے ٹیبل بجا رہی تھی۔

"پچھلے پندرہ منٹ سے پاگلوں کی طرح اس کے ہاتھوں کی مخروطی انگلیوں کی حرکت رکی تھی۔

"شکریہ۔" وہ ایک ہاتھ ماتھے تک لے جاتے قدرے سرخم کرتے مسکراہٹ لیے بولا۔

"کس بات کا؟" مخروطی انگلیوں میں پھر سے حرکت شروع ہو گئی تھی۔

"میرے انتظار میں پاگل ہونے کا۔"

"باتیں بنانے میں ماہر ہو۔" اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر وہ لڑکی مسکرائی پھر وہ کرسی سے ٹیک لگا کر پیچھے ہو گئی۔

"My complimint۔"

"اب بتاؤ تم نے اپنی مام سے کیوں جھوٹ بولا۔" وہ اس سے پوچھ رہی تھی، وجہ جاننا چاہ رہی تھی سمیر کی اس بات کی جو اس نے چند منٹ پہلے کہی تھی۔

"آنے نہیں دے رہی تھیں۔"

"یہی تو وجہ پوچھ رہی ہوں کہ روک کیوں رہی تھیں۔"

"بس ایسے ہی۔" اس نے جیسے وجہ بتانے سے انکار کیا۔

"بس ایسے ہی تو کوئی نہیں روکتا، ضرور کوئی وجہ تو ہو گی۔" اس نے اصرار کیا تھا۔

"ڈیڈ کے بزنس فرینڈ اپنی فارن پلٹ بیٹی کے ساتھ ڈنر پر انوائیٹڈ ہیں۔" سمیر جانتا تھا کہ اب وہ اس بات کے پیچھے پڑ گئی ہے تو اصل بات اگلوا کر رہے گی۔

"خیریت؟" لڑکی نے اسٹائل سے تراشیدہ ابرو اچکائے۔

"ہاں، ابھی ریسنٹلی ان کی بیٹی نے یوکے سے ایم بی اے کمپلیٹ کیا ہے واپس پاکستان آئی ہے تو ڈیڈ نے انہیں انوائیٹ کر لیا۔" اس کے

پاس اصل بات بتانے کے علاوہ چارہ نہیں تھا، جب مدمقابل آپ سے اچھی آئی، کیور کھتا ہو تو یہ یقین بھی ہونا چاہیے کہ وہ آپ کے ہر جھوٹ کو پکڑ سکتا ہے۔

"Not sounds good۔" اس نے منہ چڑھایا تو ستوان ناک کی سائڈوں پر باریک لکریں پڑیں۔

"کیا مطلب؟"

"تمہارے مام ڈیڈ نے ضرور کسی اسپیشل ریزن سے انوائیٹ کیا ہوگا۔" اس لڑکی نے اپنے تئیں قیاس آرائی کی۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" سمیر نے دور کھڑے ویٹر کو اشارہ کیا۔

"دال میں کچھ کالا دکھتا ہے۔" معنی خیز انداز میں وہ بولی۔

"ارے نہیں، ایسا کچھ ہوتا تو مام ضرور ذکر کرتیں۔" اس نے اس کی قیاس آرائی کو غلط فہمی قرار دینے کی کوشش کی۔

"ابھی ذکر نہیں کیا تو کر بھی دیتیں۔" اس نے اپنی بات پر زور دیا تو سمیر بھی جیسے خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"یار تم بھی کن باتوں میں الجھ رہی ہو، میں یہاں یہ سب سننے نہیں آیا۔" اس نے دور سے ویٹر کو قریب آتے دیکھا۔

"پھر تم کیا سننا چاہتے ہو؟" سوالیہ انداز میں اس لڑکی نے سمیر کی جانب دیکھا۔

"وہی جسے سن کر دل خوش ہو جائے۔" سمیر کی نگاہ ویٹر کی جانب تھی لیکن مخاطب وہ تھی۔

"کچھ کھانے کو آرڈر کرو، پیٹ میں کچھ کھانے کو اترے تو دل خوش کرنے کی باتیں منہ سے نکلیں۔" ویٹر مینو کارڈ لئے ان کی ٹیبل کے قریب پہنچ گیا تھا۔

"ہاہا۔" وہ قدرے ہنستے ہوئے ویٹر کو مینو لکھوانے لگا، اسے مینو کارڈ کی ضرورت نہیں تھی، وہ پہلے سے ہی اس کی چوائس جانتا تھا۔

"اب بولو۔" ایک گہری نگاہ اس نے صبیح چہرے پر جمائے وہ مسکرا کر معنی خیز انداز میں بولا، تو وہ بھی ایک ادا سے مسکرا دی، ویٹر کے جاتے ہی اب وہ مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ تھا۔

وہ لڑکی حسین سے بڑھ کر حسین تر تھی اور اس وقت سمیر بھرپور انداز میں اس لڑکی کی کمپنی کو انجوائے کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

وہ اس وقت امان ولا میں صوفے پر گھٹنوں پر بازو ٹکائے سر جھکائے انداز میں بیٹھا تھا، نیوی بلیو دھاری دار شرٹ کے اوپری بٹن کھلے ہوئے تھے، کوٹ قریب صوفے پر دھرا ہوا تھا، شرٹ کے سامنے کو لڈ ڈرنک گرنے کے نشان تھا، کچھ سوچتے ہوئے اس نے قدرے سیدھے ہو کر بازو سیدھے کئے اور شوز کے تسمے کھولنے لگا، پیروں کو شوز کی قید سے آزاد کر کے اس نے موزے بھی اتار دیئے۔

بائیں بازو کی کلائی پر بندھی گھڑی کو نگاہوں کے سامنے کر کے ٹائم نوٹ کیا، وہ جیسے کسی کے انتظار میں تھا، کمرے کے باہر سے آتے قدموں کی چاپ پر بے ساختہ ہی اس نے سر اٹھایا تھا، امداد صاحب کو دروازے سے داخل ہوتے دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، اس نے کچھ نے کہنے کے لئے ہونٹ کھولے تھے لیکن امداد صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا تھا، ان کے قدم اندر کی جانب بڑھے۔

وہ شش و پنج میں اپنی جگہ کھڑا تھا، وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ اندر جائے نہ جائے۔

کچھ دیر پہلے اس کے بیڈ روم سے فرزانہ کی چیخوں کی آوازیں آنا جو تھم گئیں تھیں، وہ دوبارہ سے آنا شروع ہو گئیں، لیکن اب وہ چیخیں رونے میں تبدیل تھیں، وہ دھیمے قدموں کمرے کی جانب بڑھا۔

"I will kill him۔" فرزانہ اسے کمرے کے دروازے پر دیکھ کر چلائی تھی۔

"I do not want to live with him۔"

رونے سے خراب میک اپ بکھرے کاجل، الجھے بالوں میں وہ کہیں سے بھی رکھ رکھاؤ، نٹ کھٹ سے تیار فرزانہ نہیں لگ رہی تھی، کچھ دیر پہلے فرزانہ کے ہاتھ میں کمرے کی جو چیز آئی اس نے بے دردی سے اٹھا کر یا دیوار پر ماری تھی یا اس کی طرف اچھالی تھی، کمرے کی ڈریسنگ پر بکھری میک اپ کی چیزوں اور کلون کی ٹوٹی بوتلوں سے اٹھتی مہک پورے کمرے کی فضا میں بکھری ہوئی تھی، ایک نظر کمرے کی ابتر حالت پر ڈال کر اس نے ہذیانی انداز میں بیڈ پر بیٹھی فرزانہ پر ڈالی اور پھر خاموشی سے ایک گہری سانس لیتے وہ پلٹا، خاموشی صرف اس کے وجود پر چھائی دکھائی دے رہی تھی۔

اس وقت اس کی روح میں جو جوار بھاٹا مچا ہوا تھا اس کو باہر آنے سے روکنے کے لئے وجود پر چھائی خاموشی کی چادر کی ضرورت تھی، ہونٹوں پر قفل ضروری تھا۔

ذہن میں ابھرتی سوچوں کو مصلحت کا پیراہن دینا تھا۔

کچھ دیر بعد امداد صاحب اس کے سامنے کھڑے کہہ رہے تھے۔

"میں ابھی فرزانہ کو ساتھ لے کر جا رہا ہوں، ہائپر ہوئی ہے ایک دو دن میں نارمل ہو جائے گی تو آجائے گی۔"

"انکل!" اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے۔

"Be relax everything will be alright۔"

"انکل میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" اس نے ایک مرتبہ کچھ کہنے کی کوشش کی تھی، وہ بھی اپنی جانب سے کہنا چاہتا تھا، اس کا بھی ایک موقف تھا، وہ بھی بولنے کا حق رکھتا تھا۔

"امان اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا، لوئر مڈل کلاس کے ساتھ یہ چھوٹے موٹے کلاس ڈفرینس کے اشو چلتے رہتے ہیں، ساری زندگی کنزرویٹو ماحول میں مائینڈ سیٹ ہوا ہوتا ہے، پارٹیز، کلبز، اسموکنگ، ایلیٹ کلاس کے ایٹی کیٹس میں بہت عام سی چیزیں ہیں۔"

امداد صاحب اسے بولنے کا موقع دیئے بنا بولے تو پھر بولتے ہی چلے گئے۔

"تو ڈاؤٹ، تم نے شروع دن سے لے کر آج تک اپنے آپ کو خاصا گروم کیا ہے لیکن میرا مشورہ ہے کہ کوشش کرو اپنی سوچ کو بھی گروم کرنے کی۔"

امداد صاحب کہہ کر فرزانہ کو لئے امان ولا سے چلے گئے تھے، وہ وہیں اپنی جگہ پر کھڑے کا کھڑا رہ گیا تھا، وہ اس منظر میں موجود ہوتے ہوئے بھی کہیں نہیں تھا۔

اگر اسے بولنے کا حق نہیں دیا گیا تھا، تو وہ سوچ تو سکتا تھا، جس انسان کو چاہ کر دل دیں وہی خود جان لینے کے درپے ہو، اس سوچ نے اسے کسی انجانے پچھتاوے کا احساس کروایا تھا۔

زندگی میں جس انسان کے ہمقدم چلنے کی خاطر انسان حلال حرام کے فرق کو بھول جائے، وہی انسان آزادی کے نام پر بے حیائی کی ڈیمانڈ

کرے، اس سوچ پر وہ اپنے وجود پر قابو نہیں کر پایا، صوفے کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی گاڑی کی چابی لئے وہ تیزی سے گیراج میں چلا آیا، اسے گاڑی اسٹارٹ کرتے دیکھ کر گیٹ پر بیٹھے چوکیدار نے مین گیٹ کھولا تھا۔

☆☆☆

''آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا۔'' اسے لگا تھا کہ جیسے سجاد صاحب نے اندھے کنوئیں کے کنارے لاکر دھکا دیا ہو۔

''بات سوچ سے کہیں آگے کی ہے۔''

ولی کو اپنی سماعت پر شبہ ہوا تھا، لیکن یہ حقیقت تھی اس کے باپ نے شاید اسے اندھے کنوئیں میں دھکیلنے کا فیصلہ کر کے دھکا دے دیا تھا۔

''آپ کو یہ بات سوچنے سے پہلے میرے بارے میں بھی سوچنا چاہیے تھا۔'' وہ کسی صدمے کی کیفیت میں بولا تھا۔

''تمہارے بارے میں بھی سوچا تھا۔'' وہ کنوئیں میں گر رہا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ آپ کہہ رہے ہیں، آخر کیا نظر آ گیا آپ کو اپنے جگری دوست کی بیٹی میں۔'' اس کے باپ کا مطالبہ اس کے لئے غیر متوقع تھا، اس کا باپ کبھی اس کی زندگی کے لئے اچھا نہیں سوچے گا، اس کے دل کو یقین ہو چلا تھا۔

''نیک بیوی زندگی کی نعمت سے کم نہیں ہوتی۔''

''آپ بیٹے کے گلے میں طوق ڈال رہے ہیں، آپ کسی رشتہ کروانے والی سے کہیں مجھ سے کہیں بہتر رشتے ملیں گے۔'' اس نے اپنے طور پر سجاد صاحب کو بہتر آپشن دیا تھا یہ سوچ کر کہ شاید اس کی اس طریقے پر عمل کرنے سے جان خلاصی ہو جائے۔

''اسے مل جائیں گے لیکن تمہیں نہیں ملیں گے۔'' اس مرتبہ سجاد صاحب کی زبان سے ادا ہوا جملہ پہلے سے کہیں زیادہ غیر متوقع تھا۔

''اپنے دوست کی ہمدردی میں بیٹے کو قربانی کا بکرا بنا رہے ہیں۔'' وہ صدمے سے نکل کر الجھنے کی کیفیت میں جانا شروع ہو گیا تھا۔

''صرف اسی کے آسرے کا نہیں سوچا، بیٹے کو بھٹکنے سے بچانے کو بھی سوچا ہے۔''

''ابا کیا بھٹک گیا ہوں میں، جو آپ کے ذہن میں میرے بارے میں ایسی سوچیں آتی ہیں۔'' ولی اندھے کنوئیں کی تہہ پر چت لیٹا تھا۔

''سوچ سمجھ والے ہو، چھوٹے بچے نہیں رہے جو تمہیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھاؤں، سختی بھی کر کے دیکھ لی ہے، اس سے زیادہ جوان اولاد کے ساتھ کیا سختی برتوں۔''

''اگر آپ کو لگتا ہے کہ انگلی پکڑ کر چلنے کی عمر سے نکل گیا ہوں تو ہاتھ پکڑ کر اندھے کنوئیں میں کیوں دھکیل رہے ہیں۔'' کنواں بہت گہرا تھا، اس نے کوشش کی تھی اس کنوئیں سے نکلنے کی، وہ نکل نہیں پایا تھا۔

''میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر اندھے کنوئیں میں نہیں دھکیل کا بلکہ تمہارا ہاتھ فاطمہ کے ہاتھ میں پکڑا کر کھائی میں گرنے سے بچانا چاہتا ہوں۔''

''برائے مہربانی، آپ میرا اچھا سوچنا پلیز بند کریں، پہلے ہی میں اس زندگی سے تنگ ہوں، اس گھر کے حالات سے تنگ ہوں، یہ نہ ہو آپ کے اس بھلے سے بچنے کو میں اس گھر سے ہی چلا جاؤں۔''

''اگر تم گھر سے جانے کا فیصلہ کر ہی چکے ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''بہت معذرت کے ساتھ میں یہ نکاح نہیں

کر سکتا، میری زندگی کے مقصد کے بارے میں آپ بخوبی واقف ہیں، اسے میری نافرمانی سمجھیں یا کچھ بھی لیکن میں فاطمہ سے شادی نہیں کروں گا۔" وہ دو ٹوک انداز میں یہ بات کہہ کر کمرے سے باہر نکلنے لگا تھا جب سجاد صاحب کی آواز نے اس کے قدم جکڑے تھے۔

"یہ پیپرز میں نے وکیل سے تیار کروائے ہیں، ایک فوٹو کاپی تمہارے لئے رکھی ہے۔"

"ابا یہ کیا ہے؟" کنویں سے نکلنے کے تمام راستے مسدود تھے۔

"اتنا پڑھے تو ہو کہ پڑھ سکو۔"

"آپ ایسے کیسے کر سکتے ہیں۔" کنویں میں اندھیرا اس کی توقع سے زیادہ گہرا تھا۔

"کیوں من مانی صرف تم ہی کر سکتے ہو، ویسے بھی یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ بیٹا من مانی کرے تو جائز، باپ پر من مانی لازم نہیں۔"

"آپ اس طرح کیسے کر سکتے ہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑے اسٹامپ پیپر کو ہلا کر سجاد صاحب کو دیکھا، وہ سخت بے یقینی کی کیفیت میں تھا۔

"اسی طرح جیسے تمہیں پالا ہے، تمہارے پالنے پر پیسہ خرچ کر سکتا ہوں، تمہیں پڑھا لکھا کر قدموں پر کھڑا کرنا ہی باپ کا فرض نہیں ہے، کچھ فرض بیٹے کا بھی ہے، جس طرح تمہاری پرورش پر پیسہ خرچ کیا ہے اسی طرح تمہیں کھڑے کھڑے جائیداد سے عاق بھی کر سکتا ہوں۔"

"ایک دوست کی بیٹی کے لئے آپ بیٹے کی زندگی برباد کر رہے ہیں۔" اس نے احتجاج بلند کیا تھا۔

"یہ بات تم تھوڑی دیر پہلے بھی کہہ چکے ہو، دوبارہ سے الفاظ کی کمی بیشی سے وہی بات دہرانے سے میرا فیصلہ بدل نہیں جائے گا، میری سوچ اب بھی وہی ہے جو پہلے تھی، فیصلے کی باری تمہاری ہے، اس وقت جاؤ آرام سے سوچو، ذہن پر زور دو اور پھر فیصلہ کرو کہ تمہیں فاطمہ سے نکاح منظور ہے یا پھر جائیداد سے عاق ہونے پر رضامندی۔"

"یہ تو سراسر بلیک میلنگ ہے۔" وہ جیسے زچ ہوا تھا بری طرح سے۔

"اگر اولاد محبت کے نام پر والدین کو بلیک میل کرنے کا احتیاط رکھتے ہیں تو والدین کو بھی تھوڑی سی بلیک میلنگ کرنے کی چھوٹ ہونی چاہیے۔" ولی کے انداز کی پسپائی کو دیکھتے ہوئے سجاد صاحب کو جیسے سکون آیا۔

"سجاد صاحب کی بات پر بے ساختہ اس کا دل کیا کہ وہ جا کر فاطمہ کا گلا گھونٹ دے یا پھر اسے چھت سے جا کر پھینک دے۔" وہ سوچ رہا تھا، اسی سوچ میں گم تھا کہ فاطمہ سے کیسے جان چھڑائی جا سکے کہ سجاد صاحب کی آواز اسے سنائی دی۔

"اور ایک بات کان کھول کر سن لو۔" انہوں نے کہنے کو تمہید باندھی۔

"پہلے کون سا بند ہیں، کاش بند ہوتے۔" زیر لب کہتے ہوئے اس نے منہ بناتے ہوئے چہرہ دوسری جانب پھیرا۔

"اگر تم نے اس کمرے سے نکلنے کے بعد فاطمہ کو اس سلسلے میں کچھ بھی کہنے کی جرأت کی یا پھر فاطمہ اس گھر کو چھوڑ کر گئی تو یہ اسٹامپ پیپر اس صورت میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔" سجاد صاحب نے اسے کھلے الفاظ میں وارن کیا۔

"یہ بھی لکھوا لینا تھا اس میں۔" اس کی مجبوری تھی اندھے کنویں میں ٹھہرنا، جب تک کہ نکلنے کا کوئی راستہ نہ مل جاتا۔

"تمہارے سے کچھ بعید نہیں، اس معصوم کی

نے والی مسکراہٹ چھپا گئے، وہ جیسے محظوظ ہو رہے تھے۔

"وہ معصوم پہلے میری جان کو آئی ہے اس سے جان چھوٹ لے، آپ فکر نہ کریں نہ اس کا گھونٹوں گا نہ اسے چھت سے دھکا دوں گا، اب میں جاؤں اگر آپ کی اجازت ہو تو۔" وہ سخت تپا ہوا تھا۔

اس کے کمرے سے نکلتے ہی سجاد صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، وہ اپنی بات منوا چکے تھے اور اپنی اس کامیابی پر خوش تھے۔

ٹھیک تین دن بعد جمعہ کو انہوں نے مسجد میں سادگی سے امام صاحب سے ولی اور فاطمہ کا نکاح پڑھوایا تھا۔

نکاح پر سائن کرتے وقت ولی کو ایک حیرت کا جھٹکا لگا تھا لیکن وہ خاموش رہا تھا، اس نے خاموشی سے بلاچوں چراں نکاح نامے پر سائن کیے تھے۔

☆☆☆

وہ دونوں اس وقت ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے ہال کے قدرے کونے والی ٹیبل پر بیٹھے جیسے کسی کے انتظار میں تھے۔

"آخر تم مجھے یہاں لائے کیوں ہو؟" پچھلے دس منٹ میں پانچویں مرتبہ ولی نے پوچھا۔

"کسی سے ملانے۔" ہر مرتبہ کی طرح چوتھی مرتبہ بھی سمیر نے جواب دہرایا۔

"یہی تو پوچھ رہا ہوں، تم آخر کس کے انتظار میں ہو، جس سے ملوانے کی بے چینی نے مجھے بھی انتظار کی سولی پر لٹکایا ہوا ہے۔" ولی کے اصرار نے جھنجھلاہٹ میں تبدیلی کی۔

"تھوڑی دیر صبر کرو پیارے، تھوڑا انتظار کرو تمہیں خود ہی پتہ چل جائے گا کہ میں تمہیں اس سے ملوانے لایا ہوں یا پھر تم دونوں کو ملانے۔" آنکھیں مٹکاتے ہوئے معنی خیز انداز میں سمیر مسکرایا۔

"یار کیا بکواس ہے یہ، اگر تو نہیں بتائے گا تو سچ میں، میں چلا جاؤں گا، مجھ سے تیرا یہ کریٹ کیا ہوا سسپنس ہضم نہیں ہو رہا۔" وہ سخت تنگ ہوا تھا اور واقعی میں کرسی گھسیٹ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوکے اوکے بتاتا ہوں۔" سمیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھایا۔

"واٹ؟" اس کے کہنے پر اگلے چند لمحوں میں سمیر کی زبانی ولی نے جو سنا تھا وہ اسے شاک میں ڈالنے کو کافی تھا۔

"تم تو ایسے حیران ہو رہے ہو جیسے اس تمام اسٹوری میں میرا اہم کریکٹر ہے، حالانکہ اصل کریکٹر تو تم پلے کر رہے ہو۔"

"بکواس نہ کرو مجھے سیدھی طرح بتاؤ کہ سارا معاملہ کیا ہے۔" ولی کے دماغ کی پھرکی صحیح معنوں میں گھومی تھی۔

"سب کیا دھرا تمہارا ہے اور پوچھ مجھ سے رہا ہے۔" سمیر پنڈورا باکس کھولنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"She is very much impressed by your personality۔" پنڈورا باکس کھل چکا تھا۔

"ہیں۔" پنڈورا باکس کھل کر بھی راز راز ہی تھا۔

"کیوں یقین نہیں آ رہا۔"

"نہیں، بالکل نہیں، جو لڑکی میرے حلیے کو دیکھ کر مجھے چوکیدار سمجھ رہی ہو، وہ میری پرسنیلٹی کو لے کر امپریس کیسے ہو سکتی ہے۔"

"نہ کرو یقین، ابھی آتی ہو گی، خود ہی پوچھ

لیتا۔"
"اب اس میں چاہے تمہارا جھوٹ ہو یا پھر اس لڑکی کی کوئی پرسنل ریزن، میں نہیں جانتا لیکن کچھ تو گڑبڑ ہے سمیر۔" ولی، کو رتی بھر بھی سمیر کی بات کا اعتبار نہیں تھا۔

"کوئی گڑبڑ نہیں ہے، سیدھا سادھا معاملہ ہے، تم جس واقعے کی بات کر رہے ہو وہ ایک ماہ پہلے کا ہے، اس کے بعد تم دونوں کی کئی مرتبہ میرے گھر ملاقات ہوئی ہے، انسان کی رائے اتنے عرصے میں بدل جاتی ہے۔" سمیر نے جیسے الجھی گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی تھی، راز کھلنے لگا تھا۔

"تمہارے گھر پر جتنی میری اس سے آتے جاتے ہیلو ہائے ہوئی ہے، اس میں انسان دوسرے کے بارے میں زیادہ نہیں جان پاتا، اور جہاں تک میرے علم میں ہے وہ تمہاری گرل فرینڈ ہے۔"

سمیر کی بات میں لاجک تھی لیکن ولی کے ذہن میں کہیں نہ کہیں پھانس تھی جو ذہن سے نکل کے نہ دے رہی تھی۔

"نہیں، وہ صرف فرینڈ ہے، تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ اس کے اور میرے ڈیڈ کا مشترکہ بزنس ہے۔"

"یار مجھے نہیں معلوم کہ تمہارے دل کو کیا مسئلہ ہے، سیدھی سی بات تمہارے دل کو سمجھ کیوں نہیں آ رہی، لیکن ایک بات دوست ہونے کے ناطے کہے دیتے ہوں کہ زندگی میں آنے والے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینا، تمہاری زندگی بدل جائے گی۔"

"کہنا کیا چاہتے ہو؟" اس مرتبہ سمیر کی لی کو اچھا خاصا چونکایا تھا۔

"اگر وہ تمہاری جانب دوستی کا ہاتھ ... باپ کی اکلوتی بیٹی ہے، اس کا باپ جس سے بھی اس کی شادی کرے گا سوچ اس کا کریئر تو راتوں رات بن جائے گا۔"

سمیر کی بات پر وہ پہلی مرتبہ خاموش رہا تھا، زبان سے تائید نہیں کر سکا تھا لیکن کوئی ایسی بات تھی جس نے ولی کے ہونٹوں پر وقتی طور پر قفل ڈالے تھے، اس کی زبان خاموش تھی۔

ہونٹ ساکت تھے لیکن دماغ عجب سی بھول بھلیوں میں الجھ چکا تھا، تھی سلجھانے سلجھاتے ولی اپنا دماغ الجھائے بیٹھا تھا۔

☆☆☆

وہ اسے کھانے پر بلانے آئی تھی، کمرے میں بکھرے بیئر کے کین اور سگریٹ کے ٹکڑے اور راکھ دیکھ کر وہ حیران ہوئی، اس کی حیرت اس وقت پریشانی میں تبدیل ہوئی جب اس کی نظر بیڈ کی دوسری جانب بیڈ سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھے امان اللہ پر پڑی تھی، تھکن اور شراب کے نشے میں سرخ آنکھوں اور لاغر وجود، کلثوم کو بے ساختہ اس پر ترس آیا تھا، پریشانی نے دنوں میں اسے کمزور کر دیا تھا۔

"سنبھالو خود کو امان اللہ۔" اپنے دونوں ہاتھوں سے موبائل تھامے وہ کانپتے ہاتھوں سے بٹن پش کر رہا تھا۔

"کسے فون کر رہے ہو؟"

"میں، میں امداد صاحب کو کر رہا ہوں کلثوم وہ نہیں اٹھا رہے۔" امان اللہ نے اپنی متورم آنکھیں اٹھا کر کلثوم کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں جو کچھ تھا کلثوم کو ٹھٹکا گیا۔

"بزی ہوں گے۔"

"میری ایک فون کال پر میرا فون ریسیو کرتے ہیں، اب پچھلے ایک ہفتے سے نہیں

رہے۔" اس کا رندھا ہوا لہجہ عجیب سا تھا۔

"Out of country ہو گئے۔"

ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کو وہ بولی تھی۔

"نہیں ہیں وہ Out of country مجھے جھوٹے تسلی دلاسے نہ دو۔" امان اللہ اس کی جھوٹی تسلی پر اکھڑا۔

"میں ایسا کچھ نہیں کر رہی، صرف وہی کہہ رہی ہوں جو میرے خیال میں Possibilities ہو سکتی ہیں۔" اس نے اپنے پیروں کے پاس قالین پر پڑی سگریٹ کی ڈبیا کو اٹھا کر ڈسٹ بن میں پھینکا۔

"کھانا لگاؤں، کھاؤ گے کھانا، وہ جو اسے کھانے پر بلانے آئی تھی اس وقت اس ابتر حالت میں دیکھ کر وہ اسے یہ نہیں کہہ پائی تھی کہ اماں بی کھانے پر بلا رہی ہیں۔"

"نہیں، میں نہیں کھاؤں گا۔"

"یہیں لے آؤں تھوڑا سا کھا لو۔" اب وہ قالین پر جا بجا خالی بیر کین کی بوتلیں جھک کر اٹھانے لگی اور ایک ایک کر کے ڈسٹ بن میں پھینکنے لگی۔

"کھانا نہیں کھانا مجھے، وہ میں میرے ڈرار میں بوتل پڑی ہے۔"

"تم پہلے ہی اوور ڈوز لگ رہے ہو۔" بیڈ کی چادر کی شکنیں نکالتے ہوئے لمحے بھر کو اس کے ہاتھ رکے پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"آپ کے کہنے سے کیا ہوتا ہے، مجھے اس وقت طلب ہو رہی ہے۔" امان اللہ کی حالت زار دیکھ کر اور اس کے لہجے کی تلخی کو محسوس کر کے وہ لمحے بھر کو خوف زدہ ہوئی۔

"میں کافی لاتی ہوں۔" اس نے کمرے سے نکلنے کو بہتر سمجھا۔

"آپ، کہاں جا رہی ہیں، آپ کہیں نہیں جائیں گی۔" اس کے انوکھے مطالبے پر کلثوم ٹھٹکی کمرے سے باہر کی جانب اٹھتے قدم رکے تھے، وہ پلٹی تھی، خاموش نظروں سے اسے قالین پر بیٹھے دیکھنے لگی۔

"اچھا، جانا ہے تو پھر جائیں، میرے روکنے سے کیا ہوتا ہے، ایک ایک کر کے سبھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں، سب ہی یوز کر کے مجھے چھوڑ گئے امداد صاحب کو تو دیکھو، میرے ساتھ کیا کیا، انہوں نے تو مجھے بیٹا کہا تھا، اپنی بیٹی سے شادی کی، آپ کو تو پتہ ہے میری شادی کن حالات میں ہوئی تھی، مجھے جاب آفر کی، بیٹی سی شادی کی، میرا مس یوز کیا، مجھے ہمیشہ contract میں 3rd party کے طور پر رکھا ان کی بیٹی کا میں نے ہر طرح کا خیال تھا، بدلے میں مجھے کیا ملا، بیٹی کو لگتا ہے مجھ سے زیادہ نیرو مائنڈڈ، مرد اس نے اپنی ساری زندگی میں نہیں دیکھا۔" کلثوم کو وہ اپنے ہوش میں نہیں لگا تھا اور حقیقت میں بھی ایسا تھا، وہ جسمانی تھکن سے کہیں زیادہ ذہنی توڑ پھوڑ کا شکار تھا۔

"لیٹ جاؤ امان اللہ۔" نجانے کلثوم کے ذہن میں کیا سمائی، بیڈ سے تکیے اٹھا کر اس کے پاس قالین پر رکھتے ہوئے بولی۔

"میرا دل اس سے بات کرنے کو چاہے اور وہ ساری رات دوستوں کے ساتھ فون پر بزی رہے، لیٹ نائٹ وہ غیر مردوں کے ساتھ پارٹیز اٹینڈ کرتی پھرے اور میں بے غیرتوں کے ساتھ گھر پر اس کے واپس آنے کا انتظار کرتا رہوں، اس سے زیادہ اور کیا آزادی پن کر ثبوت دیتا۔" وہ تڑپ رہا تھا، اس کا تڑپنا جائز تھا۔

"صبر کرتے ہیں امان اللہ۔"

"صبر، مرد ہوں میں، میری بیوی، کو غیر مرد بانہوں میں لئے آدھی رات کو گھر چھوڑنے آئیں

تو صبر کر کے اور کتنی بے غیرتی کا مظاہرہ کروں۔"

"پلیز لیٹ جائیں۔" کلثوم نے اسے جیسے دوبارہ لیٹنے پر آمادہ کرنا چاہا۔

"میں نے اگر امداد صاحب اپنی بیٹی کو سمجھانے کو کہا تو وہ الٹا مجھے لوئر مڈل کلاس کے طعنے دینا شروع ہو گئے۔ کبھی کبھی مجھے سمجھ نہیں آتا انہوں نے اپنی بیٹی کی مجھ سے شادی گھر بسانے کو کی یا اپنی بیٹی کی ذلالتوں پر شوہر کے نام کا پردہ ڈال کر سینڈ کیا تھا۔" وہ رو رہا تھا، آنسوؤں نے اس کے چہرے کو بھگویا ہوا تھا، کلثوم جواب میں چپ تھی، اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

"آپ خاموش ہیں، کچھ تو بولیں، کچھ تو جواب دیں، آپ ہی کہتی ہیں اللہ کسی کے ساتھ برا نہیں کرتا تو اب میں نے ایسا کیا کیا جو میرے ساتھ انتہا درجے کا برا ہو رہا ہے۔" وہ کلثوم کو بولنے کو کہہ رہا تھا، کلثوم بولتی بھی تو کیا بولتی۔

"انشاء اللہ سب ٹھیک ہوگا۔" اس سے بہتر جواب کلثوم کو سمجھ نہ آیا۔

"سب کچھ ڈبو کے بیٹھا ہوں، کسی وقت بھی وارنٹ گرفتاری جاری ہو سکتے ہیں، ارریسٹ ہو سکتا ہوں، بیوی ہے کہ آئے دن ناراض ہو کر میکے چلی جاتی ہے، میرا تو سارا کیریئر داؤ پر لگا ہوا ہے، جاؤں تو کہاں جاؤں، میرا تو کوئی بھی نہیں ہے۔" میں نے اللہ سے دنیا کی آسائش ہی مانگی تھی، بدلے میں اس نے مجھے آسائشوں سمیت ذلت پکڑا دی۔

"میں کیسے مانوں اس اللہ کو اور اس کے رحم کو؟"

"یہ مانتا نہیں تو اور کیا ہے، اعتبار ہے تو یقین کرتے ہو کہ سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہے، بس بھول رہے ہو تو یہ کہ۔"

"وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

"ہر چیز، ہر کام، اپنے مقررہ وقت پر ہوتا ہے، ہر تکلیف کسی خاص مقصد کے لئے آتی ہے اور اس کی تکلیف اس کی آزمائش پوری ہونے پر ہی ختم ہوتی ہے۔" یہ کہتے ساتھ ہی اس نے امان اللہ کے بازو کو پکڑ کر اسے سرہانے کی جانب دھکیلا تھا، وہ کسی درخت کی ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح سرہانے پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"اللہ سے کہیں میں بہت تکلیف میں ہوں، اسے کہیں امان اللہ دکھی ہے۔" امان اللہ کی آنکھیں بند تھیں لیکن اس کی پلکوں کو بھگوتے آنسو کلثوم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، کون کہتا ہے مرد روتا نہیں ہے، شریف مرد کی شرافت پر وار اسے بھی تڑپا کر رلاتی ہے یہ الگ بات کہ وہ آنسو دنیا کی نظر سے پوشیدہ رہتے ہیں۔

"اللہ امان اللہ کو اپنی امان میں رکھے۔" کلثوم کا دل اس کی حالت دیکھ کر کٹا تھا۔

اور وہ اس کے قریب اس وقت تک بیٹھی رہی تھی جب تک امان اللہ کی بھیگی پلکیں خشک نہیں ہوئی تھیں، اس کے ہاتھ کی انگلیاں اس کے سر کو تب تک سہلاتی رہی تھیں جب تک وہ سکون کی گہری وادیوں میں چلا نہیں گیا تھا۔

☆☆☆

"دوسرا نکاح کر لو ولی۔"

"خیر تو ہے، یہ کس نے کہا آپ کو مجھے۔"

"مجھے کسی نے نہیں کہا، میں خود کہہ رہی ہوں تم سے۔" جواب میں وہ گلا پھاڑ کر ہنسا تو ہنستا ہی چلا گیا۔

"اماں نے یقیناً آپ سے ایسا کہنے کو نہیں کہا ہوگا، اماں کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"تمہیں لگتا ہے وہ ایسے بات کریں گے تم سے۔"

"چلیں سوچا جائے تو مشورہ اتنا برا بھی نہیں

جواب اگر مشورہ دے رہی ہیں تو پلیز یہ بھی بتا دیں کہ کس سے کروں دوسرا نکاح، اس گھر میں بچے ہوئے پہلا نکاح اماں ابا کی مرضی سے ہوا دوسرے نکاح کرتے وقت بھی مجھ سے کہاں پوچھا جائے گا۔"

"وہیں نکاح کرو جس کے ساتھ میں تمہیں تمہاری من پسند دنیا فتح کرنے میں آسانی ہو۔" یہ کہہ کر فاطمہ نے ایک نظر اس پر ڈال کر اچھے طور پر اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اس کی بات کو مذاق میں لے کر انجوائے کر رہا ہے یا پھر سیریس جان رہا ہے۔

"میں نے کچھ غلط کہہ دیا۔" اس کی ہنسی تھمنے کے بہت پل گزرنے کے بعد بالآخر اس نے پوچھا، جواباً ایک بھرپور مسکراہٹ نے ولی کے ہونٹوں کا احاطہ کیا۔

"ویسے آپ کو یہ خیال کیسے آیا؟" کسی بچے کی سی معصومیت چہرے پر سجائے وہ کسی میچور سے اپنے سوال کا جواب مانگ رہا تھا۔

لیکن ولی بچہ نہیں تھا نہ ہی وہ اس کی میچور، فاطمہ کو اس بات کا اچھی طرح سے اندازہ تھا۔

اس کی آنکھوں میں چھپی مسکراہٹ فاطمہ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں تھی۔

"یہ میری بات کا جواب تو نہیں ہے۔"

"یہ کوئی جواب نہیں ہے، بس خیال آیا کہ پوچھوں تو پوچھ لیا۔" اس مرتبہ ولی کے لہجے میں سادگی تھی۔

"بس مجھے لگا کہ تمہیں شادی کر لینی چاہیے۔"

"ایک عورت ہو کر مرد کو شادی کا مشورہ دے رہی ہیں، وہ مرد جس کے نکاح میں آپ خود ہیں۔"

"بات مرد، عورت کی نہیں ہے۔"

"ہماری سوسائٹی میں عورت کو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"جب بھی بات مرد کے لئے کہیں تو ضرورت کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔"

"Justify your statement۔"

"تم نہیں سمجھو گے، ایک دن سمجھ جاؤ گے۔"

"وہ دن کب آئے گا؟"

"وہ تو میں نہیں جانتی لیکن کم از کم آج کی تاریخ، وہ دن نہیں ہے۔"

"آپ سمجھائیں، میں سمجھ جاؤں گا، اب یہ نہ کہئے گا کہ بچہ ہوں، چھوٹا ہوں تو سمجھ نہیں پاؤں گا۔"

"چھوٹے تو نہیں ہو، ناسمجھ ہو۔"

"ہاہا، آپ کو لگتا ہے، یہ آپ کا خیال ہے۔" وہ گلا پھاڑ کر ہنسا تو پھر ہنستا ہی چلا گیا۔

"میں آپ کو وہی نظر آتا ہوں، جو آپ کو دکھانا چاہتا ہوں۔"

"کیا دکھانا چاہتے ہو ولی؟"

"یہ تو آپ کی نظر پر منحصر ہے آپ کیا دیکھ رہی ہیں۔"

"جن گھروں میں بہنیں بیٹیاں ہوں، ان گھروں کے مرد جب گھر میں داخل ہوتے ہیں تو ان کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ نہیں ہونی چاہیے، ان کی آنکھوں میں سرخی کے ڈورے اگر نیند کے ہوں تو الگ بات لیکن اگر وہ سرخی کی وجہ کوئی اور بات ہو تو نہ صرف گھر کے مکینوں کے لئے قابل اعتراض ہوتے ہیں بلکہ خود بھی کبھی کبھی انسان کے لئے تکلیف کا باعث بن جاتے ہیں۔" فاطمہ کی بات پر وہ سن ہو گیا تھا، اس کے قہقہے کا گلا کسی نے اتنی سختی سے گھونٹا تھا کہ اسے اپنی روح تکلیف میں تڑپ اٹھی تھی۔

کریں گے ہی پہلے تو مجھے گھر سے باہر نکال کریں گے۔"

"اماں، آپ کی اولاد جوان ہوگئی لیکن آپ ابھی تک ابا سے ڈرتی ہیں۔"

"تو مکان کی بنیاد رکھنے چلا ہے، تجھے سمجھ نہیں آئے گی، میں نے تیرے ابا کے ساتھ گھر بسایا ہے۔" زلیخا بیگم گہری سانس لے کر بولیں۔

☆☆☆

وہ بہت دیر سے سامنے بیڈ پر سوتے امان اللہ کے وجود پر نظریں ٹکائے سوچوں میں محو تھی۔

"صبح سے دیکھ رہا ہوں، آپ کچھ الجھی سی نظر آرہی ہیں۔" امان اللہ سو نہیں رہا تھا، آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔

"کچھ کہنا ہے امان اللہ۔" کلثوم کرسی پر سیدھے ہو کر بیٹھی تھی، وہ اس قدر اپنی سوچوں میں محو تھی کہ امان اللہ کے سونے نہ سونے کا اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"آپ کو مجھ سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔" امان اللہ کی آواز نے اسے جیسے انجانی مشکل سے نکالا تھا، وہ قدر اس کی جانب رخ پھیرتے ہوئے بولا۔

"ہاسپٹل سے کل ڈسچارج ہو جائی گے آپ۔" کلثوم نے اپنی سوچ کر الفاظ کا روپ دینے کے لئے تمہید باندھی۔

"جی، مجھے معلوم ہے، صبح ڈاکٹر صاحب آپ کو راؤنڈ پر بتا رہے تھے تو میں سن رہا تھا۔" امان اللہ کا لہجہ سرسری تھا۔

"آپ کو ہاسپٹل ڈیوز کو لے کر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں نے اپنے منیجر کو آفس کال کر دی ہے۔" اس نے اپنے طور پر کلثوم کی سوچ کو پڑھنے کی کوشش کی۔

"میں اس بات کو لے کر پریشان نہیں ہوں۔" اس کی بات کو رد کرتے ہوئے کلثوم بولی، وہ واقعی پریشان نہیں تھی کہ سوچ میں گم ضرور تھی۔

"کوئی اور وجہ ہو تو آپ بتائیں کلثوم۔"

"تم ڈسچارج کے بعد کہاں جاؤ گے؟" نپے تلے انداز میں کلثوم بولی۔

"امان ولا اور کہاں؟" جتنا گہرا سوال کلثوم کا تھا اس کے جواب میں امان اللہ انتہائی آسانی سے بولا۔

"ان حالات میں جب فرزانہ بھی وہاں موجود نہیں ہے۔" کلثوم کی نگاہیں سوالیہ انداز میں امان اللہ کے چہرے پر ٹکی اسے کچھ اور کریدنے کی کوشش میں تھیں۔

"فرزانہ ہوتی بھی تو تب بھی اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر تھا۔" اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہوئے امان اللہ طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے بولا۔

"پھر بھی تمہیں اس وقت کیئر کی ضرورت ہے۔" کلثوم کو وہ قدرے افسردہ دکھائی دیا تھا۔

"میل نرس ارینج ہو جائے گی، اس کی آپ فکر نہ کریں۔" امان اللہ کو اس لمحے کلثوم کی تشویش پر دل میں سکون اترتا محسوس ہوا۔

"اگر آپ کو برا نہ لگے تو میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں، یہ میں اپنے لئے نہیں کہہ رہا لیکن۔" امان اللہ ابھی فقرہ پورا بھی نہیں کر پایا تھا کہ کلثوم نے اسے بیچ میں ٹوک دیا۔

"نہیں یہ ممکن نہیں ہے، میں اماں بی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔" اگر امان اللہ اس کی سوچ پڑھنے کی کوشش کرتا تھا تو کلثوم کو بھی اس کی سوچ تک رسائی۔

"اماں بی سے میں بات کرلوں گا۔" اس نے کلثوم کی مشکل کا حل نکالا تھا۔

... میں واپس کر رہی ہیں، تمہارے ساتھ تمہارے قبر میں بھی نہیں چلیں گی۔"

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میں ان کی سوتیلی اولاد ہوں۔" امان اللہ اماں بی کے رویے کو لے کر ہمیشہ جذباتی ہو جاتا تھا۔

"مجھے جیلسی ہو رہی ہے۔" کلثوم نے ماحول کے بوجھل پن کو کم کرنے کی خاطر لہجے میں خوشگواریت کا عنصر لانے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں، جیلسی کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا، ہاں آپ کا شکر گزار ہوں آپ نے ہاسپٹل میں میری بہت کیئر کی ہے اور احسان مند کہ اماں بی کا خیال بیٹیوں سے بڑھ کر رکھ رہی ہیں۔" وہ کلثوم کا ممنون تھا، احسان مند تھا اور اسے ہونا بھی چاہیے تھا، اس وقت بھی وہ جو کچھ بول رہا تھا دل کی پوری سچائی سے بولا تھا۔

"کلثوم، سچ میں کہوں اپنے پر ترس آ رہا ہے، سراب کی سی خواہشوں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے میں جس دلدل میں دھنسا ہوا ہوں، بہت اکیلا پڑ گیا ہوں، جس دنیا کی تلاش میں، میں نکلا تھا، اس کو فتح کرنے کے چکر میں پھنس کر بھرے مجمعے میں اکیلا پڑ گیا ہوں۔" امان اللہ کے ٹوٹے شکستہ لہجے پر کلثوم نے اپنے دل میں کچھ ٹوٹتا محسوس کیا۔

"امان اللہ، ہنسی مذاق الگ بات لیکن تم ایک ماں کی محبت نہیں سمجھ پاؤ گے، اولاد، اپنی ماں کو جیسے رنگ دینا چاہے دے لیتی ہے لیکن ماں کو اولاد صرف محبت کے رنگ میں دکھائی دیتی ہے۔"

وہ خاموش رہا تھا، ماضی میں اگر یہی بات اسے کہی جاتی تو وہ اسے ہنسی میں اڑا دیتا، اس بات کی گہرائی کو سمجھ نہ پاتا لیکن وہ اس وقت حال

... سے آشکار نہیں کیے تھے جب بھی شعور کے ... سے دروازوں کے قفل وہ اپنے ہاتھوں سے کھول چکا تھا، گو کہ ابھی بہت سے شعور کے دروازوں کے قفل کھلنے باقی تھے لیکن جتنے بھی کھلے تھے ... پچھتاووں کے احساس لیے اس کے ہونٹوں پر ... ڈالے ہوئے تھے۔

اس دن وہ غصے میں امان والے گاڑی لے کر نکلا تو ریش ڈرائیونگ میں وہ فٹ پاتھ ... لگے پول میں گاڑی دے ماری تھی، ایکسیڈنٹ کے نتیجے میں وہ دائیں ٹانگ کا فریکچر کروا بیٹھا اور اب پندرہ دن کے بعد اس کا ہسپتال سے ڈسچارج ہو رہا تھا۔

☆☆☆

"انکل، کچھ کہنا تھا آپ کو مجھ سے۔" ... صاحب کمرے کی کھلی کھڑکی سے باہر ... منظر پر نظریں جمائے ہوئے تھے جب فاطمہ کمرے میں داخل ہوئی۔

"کہنا تو بہت کچھ چاہتا ہوں، لیکن سمجھ نہیں رہا کہ کس رشتے کی حیثیت سے کہوں۔" ... بدستور اس کی جانب پشت کیے ہوئے تھے۔

"آپ مجھ سے کچھ بھی کہہ سکتے ہیں، اس رشتے کے ناطے جو باپ بیٹی میں ہوتا ہے، جو ... سسر کی حیثیت رکھتا ہے۔" فاطمہ کے دل میں ... کھٹک پھٹک شروع ہوئی، لیکن بظاہر اس نے ... کی بشاشت کو قائم رکھا۔

"اگر بیٹے کی بیوی کی حیثیت سے کہوں تو ... کیا بہتر نہیں ہے۔" یہ کہتے ساتھ ہی وہ مڑ ... تھے، فاطمہ نے دیکھا تھا ان کے انداز کو ان کے ہونٹوں پر چھائی مسکراہٹ کو۔

"جس رشتے کی حیثیت ہی کوئی نہیں ...

بنیاد بنانا چاہتے ہیں۔" فاطمہ کو زیادہ وہ پل نہ لگے تھے موضوع کی گہرائی کو جاننے میں، گفتگو موضوع سے پردہ اٹھنے میں۔

"جو کچھ سنا ہے، وہ بیٹے کی بیوی کی حیثیت سے، اس میں نہ تو بیٹی کہیں آتی ہے نہ ہی بہو۔"

"انکل آپ کو لگتا ہے کہ میں نے غلط کیا۔"

"کچھ صحیح بھی تو نہیں کیا، اسے دوسری شادی کا راستہ تو تم نے ہی دکھایا ہے۔" جواب میں وہ سن ہو گئی تھی، اسے ولی سے یہ امید نہیں تھی کہ اپنی چال کے لئے اسے ہی شطرنج کا مہرہ بنائے گا۔

"تم نے بہت بڑی حماقت کی، مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔" سجاد صاحب کا خفا ہونا بجا تھا۔

"میں اور کیا کرتی انکل۔" یک دم ہی بے بسی کی لہر نے اس کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اس کے لہجے میں بھی بے بسی کی رمق تھی۔

"مجھے لگا تھا کہ اس کی زندگی میں تمہیں شامل کر کے میں نے اس کی ذات میں پنپتی برائیوں کو لگام ڈال دیں۔" سجاد صاحب جیسے خود کلامی کے انداز میں کہتے بیڈ کے کنارے پر بیٹھے لیکن وہ جانتی تھی کہ مخاطب وہ اسی سے تھے۔

"وہ جس راستے پر چل پڑا ہے، اسے ہم نہیں روک سکتے، اسے سنبھلنے کو وقت دیں، کچھ لوگ دوسروں کو غلطیوں پر ٹھوکریں لگتے دیکھتے ہیں خود سنبھل جاتے ہیں اور کچھ لوگ خود ٹھوکر کھا کر سنبھلتے ہیں، وہ جس دنیا کی تلاش میں چل نکلا ہے، دیکھ لینے دیں اسے، وہ دنیا اور اس دنیا کی چکا چوند کے پیچھے کے اندھیرے، وہ تہیہ کر چکا ہے کہ اسی راستے پر چلنا ہے، میں نے تو اسے جائز کا حصہ دکھایا ہے، اس نے جو خواہشات کا محل تعمیر کیا ہے اس تک پہنچنے کے لئے وہ زندگی کی اس اسٹیج پہ ہے کہ اسے جائز ناجائز کی کوئی پرواہ نہیں۔" وہ بولی تھی، اس مرتبہ اسے کھل کر بولنا ہی پڑا تھا، اسے اپنے دل کی بات سجاد صاحب سے شیئر کرنی پڑی تھی۔

"خدا تمہاری مشکل آسان کر لے۔" اتنے میں کمرے میں ایک تیسری آواز گونجی تھی۔

سجاد صاحب اور فاطمہ نے بیک وقت آواز کی جانب دیکھا تھا، دروازے پہ کھڑی زلیخا بیگم مسکرا رہی تھیں۔

"خدا انسان کی مشکل تب آسان کرتا ہے جب وہ مشکل سے نکلنا چاہے۔"

"کبھی کبھی ظاہر پر ایسا ہی لگتا ہے کہ ہم مشکل کو اپنے گلے کا ہار کر رہے ہیں، لیکن دور اندیشی سے سوچیں تو اس میں بھی مصلحت ہوتی ہے۔"

"مصلحت؟"

"انسان بہت بے بس ہے، بہت کمزور، رب کے دیئے اشرف المخلوقات کے لقب پر خود کو مضبوط ظاہر کرنے پر، خود فریبی میں مبتلا ہو جاتا ہے، بھول جاتا ہے کہ سب فیصلے رب کے ہیں، وہی ان فیصلوں پر قادر ہے، دلوں کا حال تو رب جانتا ہے، میں تو اپنی زندگی کے تجربات کی روشنی میں فاطمہ کے اس فیصلے کو دیکھوں تو مجھے یہ بچی بہت سمجھدار دکھائی دیتی ہے، باقی آگے جو رب کو منظور۔" الٹا اس کو ڈانٹنے کی بجائے اس کی طرف داری میں لگ گئی ہیں۔

"اگر میں اس کی جگہ ہوتی تو شاید میرے پاس بھی کوئی اور آپشن نہ ہوتی۔"

"لاحول ولا قوۃ، زلیخا بیگم، آپ نے یہ کیسے سوچ بھی لیا، میں نے تو ساری زندگی سگریٹ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا، حلال کمایا حلال کھایا۔"

"اب یہ بات بھی جانے دیں شادی کے شروع میں تو میں نے خود آپ کو سگریٹ پیتے

دیکھا ہے، وہ تو جب دلی پیدا ہوا تو آپ نے، خود ہی چھوڑ دی۔"

"زلیخا بیگم کیا بچی کے سامنے میرے پول کھولنے چلی ہو۔" یک دم سے سجاد صاحب گڑبڑائے تو زلیخا بیگم کے ساتھ ساتھ فاطمہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ ابھر آئی تھی، ماحول کا بوجھل پن ختم ہوگیا۔

☆☆☆

ہسپتال سے آتے ساتھ ہی اس نے اپنی نرسنگ کیئر کے لئے میل نرس کا انتظام کیا تھا، وہ خود بھی زمانے کی سختیاں اپنی جان پر اٹھائے ہوئے تھا، حوصلہ مند تو ہی اسی لئے بہت تیزی سے انجری سے ریکوری کر رہا تھا۔

"آپ کی دل پاور اسٹرانگ ہے، مریض کے جینے کی امنگ اسے بہت تیزی سے ٹراما سے ریکور کرتی ہے۔"

ڈاکٹر نے اسے بیساکھیوں سے چلنے کی اجازت دے دی تھی۔

اس کی آفس سے غیر موجودگی میں امداد صاحب آفس سنبھال رہے تھے جبکہ فرزانہ بھی روزانہ کچھ دیر کے لئے آفس کا چکر لگاتی تھی، اس کے ایکسیڈنٹ سے پہلے کی جھڑپ میں امداد صاحب اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے، اس کے ہسپتال سے امان ولا واپسی پر فرزانہ کو پہلے سے گھر میں موجود پا کر دل میں کچھ مطمئن ہوا کہ چلو مسئلے کا حل لیکن اگلے آنے والے چند روز میں فرزانہ کی خاموشی اور بے رخی نے اس کے دل سے اس خوش فہمی کو نکال دیا تھا۔

اس دن وہ صبح اٹھا تو ناشتہ کرتے وقت اس کے دل میں فرزانہ کو آفس میں سرپرائز دینے کا خیال آیا، فرزانہ کو ہمیشہ سے سرپرائز لفٹس پسند تھے، ویسے وہ خود بھی فطرتاً صلح جو تھا۔

دوستوں کے ساتھ جھگڑا ہونے پر بھی وہ دل کی بھڑاس نکالنے کے ساتھ دل میں ابھرتی کدورت کو بھی نکال دیتا تھا، تمام زندگی صلح میں پہل کرنے پر اس نے کبھی اپنے قدم پیچھے نہ کئے تھے۔

اس نے ڈرائیور کو گاڑی پر کپڑا مارنے کو کہا، وہ تیزی سے صحت یابی کی جانب گامزن تھا، لیکن اتنا صحت یاب نہیں ہوا تھا کہ خود سے ڈرائیونگ کر سکتا۔

اس کی دائیں ٹانگ سے پلستر تو اتر چکا تھا لیکن وہ ابھی بے ساکھیوں کا محتاج تھا، ڈاکٹر نے سختی سے اسے ٹانگ پر وزن ڈالنے سے منع کیا تھا، اگلے بیس منٹ بعد ہی وہ آفس جانے کے لئے تیار تھا، راستے میں اس نے ڈرائیور کو بیکے شاپ پر رکنے کا کہا۔

سرخ گلابوں کا بکے آرڈر کرتے وقت وہ خاصا خوش تھا، یہ سچ تھا کہ شادی کے اتنے عرصے بعد بھی اس کی فرزانہ سے ذہنی ہم آہنگی نہ ہو پائی تھی، لیکن اتنے دنوں سے انجانی بے رخی کی فضا جو دونوں کے مابین حائل تھی اسے ختم کرنے کا اس سے بہتر موقع اسے دیکھائی نہ دیا۔

آفس انٹر ہوتے ہی اس کے ورکرز نے اسے اچانک دیکھ کر حیرت اور خوشی کا اظہار کیا، اس نے خوش اسلوبی سے ان کی نیک خواہشات کا خیر مقدم کرتے ہوئے وہ اپنے آفس کی جانب بڑھا، آفس میں داخل ہونے کے لئے ابھی اس نے ڈور ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا کہ دروازے کی دوسری جانب سے آتی فرزانہ کی آواز نے بے ساختہ اس کے قدم روک لئے۔

"تمہیں آج یاد آیا ہے، اتنے سال گزر جانے کے بعد، وہ بھی اس وقت جب کہ تمہیں اپنے گرتے ہوئے بزنس کی ساکھ کو بچانے کے

لئے میرے (Grow) گرو کرتے بزنس کے سہارے کی ضرورت ہے۔"

"فرزانہ اس وقت تم سے الگ ہونے کا فیصلہ میرا نہیں تھا، تم اگر میری جگہ کھڑی ہو کر سوچو گی تو میرا اتنا قصور نظر نہیں آئے گا۔" مرد کی آواز کو امان اللہ ہزاروں کے مجمع میں بھی پہچان سکتا تھا۔

کسی انجانی قوت نے امان اللہ کے قدم روک لئے، ڈور ہینڈل پر اس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی ہوئی۔

"تم اتنے سالوں بعد لوٹے ہو اور چاہتے ہو کہ میں اپنے شوہر سے طلاق لے کر تمہارے ساتھ بیاہ رچالوں، میرے اور ڈیڈ کے علاوہ تمہیں بھی یہ بات اچھی طرح سے معلوم ہے کہ جن کرائسس میں تم مجھے چھوڑ کر گئے تھے ان سے نکلنے میں میرے شوہر کا ہاتھ تھا، اس بدلے وقت میں اگر وہ ساتھ نہ دیتا تو میں ہار چکی ہوتی۔"

فرزانہ کی اس بات نے اس کے بے جان ہوتے وجود میں جیسے اسم پھونکا تھا، لمحے بھر میں ہی اس نے ایک فخر بھرے احساس کو اپنے وجود میں سرائیت کرتے محسوس کیا تھا، اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ فرزانہ کی زبان اگلے چند لمحوں میں جو سچ اگلنے والی تھی اس کا زہر اس کی رگوں میں ابھرتے فخر کی تاثیر کو ختم کر دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

اگلے چند لمحوں میں اس نے اپنے وجود کو پوری روح سمیت قبر کی اندھیری کھائی میں گرتے محسوس کیا تھا۔

آفس کا ڈور کھولے وہ اندر داخل ہوا، دونوں وجود اسے وہاں موجود پا کر کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تمہاری آج کی رات امان ولا میں آخری ہے، جو کچھ اپنے ساتھ لے جانا چاہو، لے جا سکتی ہو، تمہارے ڈیڈ کو میں انفارم کر دونگا کہ تمہیں آ کر لے جائیں، بس اتنی مہلت ہے تمہیں امان ولا میں رکنے کی، میرا لائیر بہت جلدی تمہیں طلاق کے پیپرز بھجوا دے گا، حق مہر تمہیں کورٹ کے ذریعے ملے گا اس کی Writlten documentation ضروری ہے۔" یہ کہتے ساتھ ہی ہاتھ میں پکڑا بکے پھینکنے کے انداز میں ایک جانب اچھالا۔

"پہلے تم خود امان ولا سے ناراض ہو کر گئیں تھیں اس مرتبہ میں تمہیں نکال رہا ہوں ہمیشہ کے لئے۔"

دونوں نفوس کو کمرے میں حیران چھوڑے وہ آفس سے نکل آیا، اس کی انا پر کاری وار تھا، بات صرف انا کی ہوتی تو پھر بھی وہ خود پر جبر کرتے ہمیشہ کی طرح، لوئر مڈل کلاس کا طعنہ روح پر سہہ لیتا، لیکن اس مرتبہ اس کی مردانگی پر وار ہوا تھا۔

مردانگی ایک مرد کا زیور ہوتی ہے، اس میں کسی طبقے کے مرد کی تفریق نہیں ہوتی، بالکل اسی طرح جیسے حیا عورت کے وجود کا گہنا۔

گہنا بھی تو ایک کی کلائی کی ملکیت میں سجتا ہے۔

ایک کلائی سے دوسری اور پھر تیسری کلائی کا سفر کرتے گہنے کی نہ وقعت ہوتی ہے نہ ہی اوقات۔

آفس سے امان ولا کا راستہ جس خاموشی اور صبر کے ساتھ اس نے طے کیا تھا، یہ صرف رب کی ذات کو علم تھا یا پھر خود اس کی روح کو کہ کس صبر اور حوصلے کے ساتھ اس نے ذات میں ہونے والی توڑ پھوڑ کو برداشت کیا تھا۔

ایلیٹ کلاس میں رہنے کے لئے اس سوسائٹی کا حصہ کہلانے کے لئے وہ دنیا کی ہر ذلت کو گلے سے لگانے کو تیار تھا، لیکن اس کی بیوی کسی غیر مرد کی ناجائز اولاد کی قاتل کہلائے یہ ذلت اس کی روح کو گوارہ نہ تھی۔

☆☆☆

وہ الماری کھولے کپڑوں کو ترتیب سے رکھ رہی تھی کہ اسے اپنے پیچھے آواز سنائی دی، ولی کچھ دیر پہلے ہی گھر لوٹا تھا۔

''نہیں چاہیے مجھے تمہاری خیرات۔''

''خیرات۔'' وہ الماری میں کپڑے رکھتے ہوئے مڑی۔

ولی اس کے سامنے کھڑا تھا، چہرے پر طیش، آنکھوں میں تنفر لئے۔

''ہم اپنی بہن بیٹی کی شادی کا خرچہ اچھی طریقے سے اٹھا سکتے ہیں۔'' ہزار کے نوٹوں کی کاپیاں اس کے بیڈ پر پڑی تھیں، کچھ لمحے لگے تھے، فاطمہ کو معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے۔

''یہ کیا طریقہ ہے؟'' بہت اطمینان اور سکون سے کہتی وہ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

''یہی صحیح طریقہ ہے۔'' وہ بلند آواز میں اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولا۔

''تمہیں ہمارے سر پر احسان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' فاطمہ کو اس کی بات سن کر افسوس ہوا تھا، وہ اس آدمی کو کبھی نہیں سمجھ پائے گی۔

''ولی ایسی بات نہیں ہے۔'' اسے معلوم تھا کہ وہ اپنی صفائی میں کچھ بھی نہ بول پائے گی۔

''انکل کو فوتگی کے بعد صائمہ کی رخصتی کے لئے جہیز کو لے کر انکل کے کچھ پیمنٹس کرنی تھیں۔''

''صائمہ کا باپ مرا تھا، بھائی زندہ تھا۔''

''تم یہاں نہیں تھے۔'' اس مرتبہ فاطمہ کا سکون بھی برباد ہوا تھا۔

''اگر یہاں نہیں تھا تو قبر میں بھی نہیں تھا۔'' بلیو جینز، لائٹ براؤن شرٹ، گندمی رنگت بڑی بڑی آنکھیں وہ زیادہ دیر اس سے نگاہیں نہیں ملا پائی۔

''تمہیں موبائل پر کانٹیکٹ کرنے کی بہت کوشش کی، موبائل آف تھا۔'' اس نے نظریں پھیرتے ہوئے کہا، کیا تھا کہ کبھی یہ انسان بولتا تو سوچ سمجھ کر بولتا۔

''صبر کرتے انتظار کرتے، میں لوٹ آتا، ابھی بھی تو آیا ہوں۔'' وہ اپنے موقف پر اڑا ہوا تھا۔

''صائمہ کے سسرال کو صبر نہیں تھا، اس کی ٹکٹ بک نہ کرواتے تو اگلے پورے ایک ماہ اس کی فلائٹ بک نہ ہو پاتی، آج کل سیزن ان ہے، تمام فلائیٹس کی بکنگ فل ہیں۔'' بے ساختہ ہی فاطمہ کو بھی غصہ آیا تھا، یہ انسان کبھی نہیں سمجھے گا، عقل کے معاملے میں اس کا آئی کیو لیول کم تھا، وہ مرد تھا۔

''مجھ سے بہانے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔

''یہ بہانہ نہیں ہے، میں کوئی بہانہ نہیں بنا رہی، تم خود سے کنفرم کر سکتے ہو۔'' فاطمہ بھی اپنے لہجے کی درشتی پر قابو نہیں رکھ پائی تھی، مد مقابل اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھا، کوئی لاجک یہاں کام نہیں آ رہی تھی۔

''خود کو اتنا سخی شو آف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تم بلاوجہ بدگمان ہو رہے ہو۔'' ولی کی بات پر بے ساختہ ہی اس کا دل اپنا سر پیٹ لینے

کو چاہا۔
"بلاوجہ یہ تمہیں بلاوجہ لگتا ہے۔"
"وہ صرف تمہاری بہن نہیں، میری بھی کچھ لگتی ہے۔" بحث طول ہو کر جھگڑے کی شکل اختیار کر رہی تھی۔
"میرے ساتھ نکاح پر بھی اپنا راستہ سیدھا نہیں ہوا تو یہ طریقہ اپنایا۔"
"کیا مطلب، کیا کہنا چاہ رہے ہو۔" فاطمہ اپنی جگہ سن ہو گئی۔
"یہی کہ تم ان باتوں سے صائمہ اور اماں کو اپنی باتوں میں لگا کر اپنا الو سیدھا کر سکتی ہو مجھے نہیں، میں تمہاری باتوں میں آنے والا نہیں ہوں۔"
"ولی، نہ میں تمہیں سمجھا سکتی ہوں اور نہ ہی تم اس وقت کوئی بات سمجھنے کے موڈ میں ہو، بعد میں بات کریں گے۔" فاطمہ کے لہجے میں دکھ، درد تکلیف سب کی ملاوٹ تھی۔
"نہ ابھی نہ ہی بعد میں، جانتا ہوں تم جیسی عورتوں کی حقیقت۔" بحث کا موضوع بدل چکا تھا، وہ بغض جو فاطمہ کے لئے دل میں دبائے بیٹھا تھا آہستہ آہستہ ظاہر ہونے لگا۔
"تم جیسی، آخر تم مجھے سمجھتے کیا ہو۔" فاطمہ تڑپی تھی، بہت دیر سے وہ صبر سے کام لے رہی تھی، صبر جواب دے گیا تھا، خودداری پر کاری وار تھا۔
"مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے خود سے پوچھو، خود اپنی حرکتیں دیکھو۔" ولی کے ہاتھ جیسے اس کی دکھتی رگ آئی تھی، اس نے ہولے ہولے اسے دبانا شروع کیا تھا۔
"تم اب حد سے بڑھ رہے ہو۔"
"حد سے میں نہیں تم بڑھنے کی کوشش میں ہو، اس لئے میں تمہیں تمہاری لمیٹس دکھا رہا ہوں۔" دکھتی رگ کو مزید مسلا گیا تھا۔
"اب میرے سامنے یہ آنسو بہا کر خود کو مظلوم شو کر رہی ہو۔"
"میں، میں کچھ بھی شو نہیں کر رہی ولی۔" دکھ، اذیت میں فاطمہ کا گلا رندھ گیا۔
"اب اگر تمہیں کچھ اور کہنا نہیں ہے تو پلیز اپنی شکل گم کرو۔"
آنکھوں میں مرچیں سی لگی تھیں، جنہیں چھپانے کو وہ پلکیں جھکا گئی، نجانے کیا ہوا تھا لمحہ بھر میں کہ ولی کو یک دم سے اس سے نفرت ہی محسوس ہوئی تھی، وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا تھا، فاطمہ اس افتاد پر پہلے تو گھبرائی، اس گھبراہٹ میں وہ پیچھے کی جانب ہٹی، اس کی پشت الماری کے ساتھ جا لگی تھی، ولی اس کے سامنے کھڑا تھا۔
"سمجھ کیا رکھا ہے تم نے خود کو۔"
"ولی۔" اس نے سائیڈ سے نکلنا چاہا، ولی نے بازو اٹھا کر ہاتھ الماری پر رکھ دیا۔
"جب سے تمہارے منحوس قدم اس گھر میں پڑے ہیں میری زندگی عذاب میں آ گئی ہے۔" فاطمہ کے فرار کے راستے مسدود تھے۔
"چھوڑو ولی، مجھے درد ہو رہا ہے۔" ولی نے اس کے بازو کو ہاتھ سے پکڑ کر دبایا۔
وہ تکلیف میں بلبلا اٹھی، مرد کے ہاتھ کی سختی وہ برداشت نہیں کر پائی۔
"اوہاں، میں تو بھول ہی گیا تھا درد تو صرف تمہیں ہوتا ہے، عورت جو ہوئی، کمزور عورت۔" ولی تنفر سے کہتا اس کے بازو پر دباؤ مزید سخت کر گیا۔
"میں اس وقت تم سے برے سے برا سلوک کر سکتا ہوں اور یہ تم اچھی طرح جانتی ہو، اب تو ابا بھی نہیں رہے جو تمہیں مجھ سے بچا

سکیں۔"

"تم اس وقت تک مجھ سے برا سلوک نہیں کر سکتے جب تک میرا رب نہ چاہے اور یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں، انکل کے بچانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جنہوں نے مجھے خود تمہاری تحویل میں دیا تھا کہ تم مجھے دنیا سے بچا سکو نہ مجھے تم سے بچنا پڑے۔" اس نے نڈر پن سے اس کی نگاہوں میں نگاہیں ڈالیں، ایک ہاتھ کی گرفت سے ولی کے اپنے بازو پر رکھے ہاتھ کو ہٹانے کی کوشش کی۔

"تم اس وقت میرے نکاح میں ہو، یہ مجھے تمہیں یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے۔" کیسے پھر کو ولی اس کے نڈر پن سے خائف ہوا، پھر عورت کو ڈرانے کو آخری حربہ آزمایا۔

"اس میں تمہارے نکاح میں ہوں، تم حق رکھتے ہو، اس کے باوجود میرا رب مجھ سے اتنا برا نہیں کر سکتا کہ تمہیں ظلم کی کھلی چھوٹ دیے دے۔"

"خود پر اتنا یقین آخر تم ہو کون۔"

"خود پر نہیں اپنے رب پر یقین ہے، ساری زندگی عزت سے گزاری ہے غرور نہیں فخر ہے۔"

"کمزور عورت۔" ایک مرتبہ پھر سے ولی نے اسے عورت کا طعنہ مارا۔

"جسم کمزور ہے، عقل تم سے اچھا مضبوط ایک عورت مرد کے پیچھے کھڑی ہوتی ہے تو اسے گرنے نہیں دیتی، ساتھ چلتی ہے تو مرد دنیا فتح کرتا ہے۔"

"اور اگر تمہیں لگتا ہے تم اس کمزور جسم پر غلبہ پالو گے تو وہ بھی تمہاری بھول ہے میں اسے بھی رب کی آزمائش سمجھ کر قبول کر لوں گی، ولی آزمائش تو میری اس دن سے شروع ہوئی تھی جب میرے باپ کا سایہ میرے سر سے اٹھا تھا، جس دن میں نے اس گھر میں قدم رکھا تھا، جس دن میں تمہارے نکاح میں آئی تھی، جس دن انکل فوت ہوئے تھے اور ابھی، اس وقت بھی تو تمہارے ساتھ میں آزمائش سے گزر رہی ہوں۔" آنسو اس کی پلکوں یک باڑ توڑ کے گالوں پر اترے۔

"تمہیں مجھ سے ڈر نہیں لگتا۔" ولی نے اسے آخری حد تک ڈرانے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے اپنے رب کے رحم دل ہونے پر پورا یقین ہے۔" فاطمہ نے ہنوز اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے ہوئے کہا۔

"تمہیں شاید معلوم نہیں میں نے اس وقت پی رکھی ہے، چاہوں تو تمہارے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہوں، آخر مرد ہوں۔" عورت ایک مرد کے سامنے تن کر کھڑی تھی، کوئی دھمکی اس پر کارگر نہیں تھی۔

"تم جب بھی گھر میں موجود ہوتے ہو میری کوشش ہوتی ہے باوضو رہوں۔"

"اگر میں تمہارا یقین توڑ دوں، سمجھتا کیا ہے تمہارا رب۔" دو بدو جواب آیا تھا کہ ولی اس کے کھلا چیلنج کر بیٹھا، آنسوؤں سے فاطمہ کے گالوں سے گردن تک کا فاصلہ لے گیا تھا۔

"وہ سمجھتا نہیں ہے، وہ قادر مطلق، وہ تو انسان ہے جو اشرف المخلوقات ہونے کے گھمنڈ میں خود کو خدا سمجھ لیتا ہے، تم تو صرف انسان ہو ولی، نام کے ولی، ولی کہلانے کا تمہارے بارے میں صرف سوچا گیا تھا لیکن تمہیں ولی کا عہدہ نہیں ملا تھا۔" ولی کے ہاتھ کی گرفت اس کے بازو پر ڈھیلی ہوئی تھی، ایک آنسو گال سے تھوڑی پر آ کر رکا اور پھر ولی کے آستین میں جذب ہو گیا۔

"دماغ خراب ہو گیا تمہارا، آئندہ میرے راستے میں مت آنا۔"

میں تمہارے راستے میں کبھی خود سے نہیں آئی، لائی گئی ہوں، اس میں اللہ کی کیا حکمت یہ بات میں آج تک نہیں سمجھ پائی، اگر تمہاری سمجھ میں آئے تو مجھے بھی بتانا۔'' ولی کے غصے کا چڑھتا گراف رکا تھا، ولی نے بازو بے ساختہ ہی ہٹالیا تھا۔

''تمہاری بکواس میرے سر پر سے گزر رہی ہے۔'' وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔

''میں تمہارے راستے میں ہوتی تو تمہیں دوسرے نکاح کا نہ کہتی، میں تمہارے راستے میں نہیں ہوں نہ آج نہ کل اور کبھی ایسا لگا کہ تمہارے راستے میں آرہی ہوں تو راستے سے ہٹ کے تمہارے گزرنے کو خود راستہ بنایا۔'' فاطمہ ہنوز اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔

''ہنہ میرے سامنے سے، گھر آیا تھا چند لمحے سکون سے گزارنے کو، بے سکون ہو گیا۔'' وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

''ولی تم جس راستے پر چل نکلے ہو، اس راستے پر قدم قدم بے سکونی کے ڈیرے ہیں، یہ بات تمہیں سمجھ نہیں آرہی۔'' آنسو صاف کرتے ہو بڑبڑائی تھی۔

☆☆☆

کلثوم اماں بی کو ناشتہ دے کر ابھی کچن میں اپنی چائے بنانے کی غرض سے آئی تھی کہ موبائل بجنے پر وہ کچن سلیب پر دھرے موبائل کی جانب لپکی، اسکرین پر امان اللہ کا نام بلنک کر رہا تھا اس نے یس کا بٹن پریس کیا۔

''کلثوم، اماں کہاں ہیں؟''

''کمرے میں۔'' مختصر دو حرفی جملے میں کلثوم نے جواب دیا۔

''میری بات کروائیں اماں سے۔'' شکستہ لہجے میں امان اللہ کی آواز سنائی دی۔

''امان اللہ سب ٹھیک ہے نا۔'' کلثوم کو اس کی آواز سن کر کچھ کھٹکا تھا۔

''پتہ نہیں، اماں سے بات کروائیں۔'' امان اللہ نے اصرار کیا۔

''اماں بی، امان اللہ کا فون ہے، آپ سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔'' وہ فون ہولڈ کیے اماں بی کے پاس کمرے میں چلی آئی۔

''تم پوچھ لو کیا بات کرتی ہے، مجھے تو اس سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' اماں بی نے لیٹے لیٹے جواب دیا۔

''آواز سے پریشان لگ رہا ہے، میں نے وجہ پوچھی، کہنا ہے پتہ نہیں۔'' امان اللہ کی آواز اور لہجہ کو سن کر اس نے اپنے طور پر اخذ کیا اماں بی کو بتانا ضروری سمجھا۔

''اماں۔'' وہ اماں بی کی آواز سن کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا، وہ زندگی میں کبھی اتنا اکیلا نہیں ہوا تھا جتنا اس وقت خود کو محسوس کر رہا تھا، کبھی اتنا بے بس نہیں ہوا تھا۔

''واپسی کے سفر پر پچھتاوے ندامت قدم قدم پر تڑپاتے ہیں اب ارادہ کر ہی لیا ہے واپسی کا تو فیصلے پر ثابت قدم رہنا۔'' کلثوم نے اماں بی کو بولتے دیکھا اور سنا۔

''میں بہت اذیت میں ہوں اماں۔'' بہت دیر رو چکنے کے بعد اس کے آنسو ذرا تھمے تو وہ نڈھال سا بولا۔

''میں کلثوم کو بھیج رہی ہوں تمہیں لینے۔'' وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا، اس کا دکھ ان کے دل پر بوجھ کی طرح ایک پہاڑ کی مانند گرا تھا لیکن انہیں حوصلہ کرنا تھا۔

''میں خود آرہا ہوں آپ کے پاس۔''

''ہمیشہ اپنی کرتے ہو، جب کہا ہے کلثوم آ رہی ہے تمہارے پاس تو تھوڑا صبر کرو۔'' وہ بیٹے

کے غم پر غم زدہ تھیں لیکن اپنا غم اسے محسوس کرا کر اس کے غم کو بڑھانا نہیں چاہتی تھیں۔

"جاؤ کلثوم، وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

"میں کہاں جاؤں؟" کلثوم نا سمجھی کی کیفیت میں بولی۔

"امان والا۔" مختصر الفاظ میں جواب آیا تھا، کہتے ہی پل وہ حیرت آنکھوں میں سموئے بے یقینی کی کیفیت میں امان بی کو دیکھتی رہی۔

"آپ مجھے امان والا بھیج رہی ہیں۔" دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اپنی جانب کرتے ہوئے وہ بھویں اچکاتے ہوئے بولی۔

"میں نے آج تک تمہاری کسی بات، کسی فیصلے سے اختلاف نہیں کیا، تمہارے تمام فیصلوں کے صحیح ہونے پر بھی مجھے یا تمہارے انکل کو شبہ نہیں رہا، اس بات کی تم بھی گواہ ہو کہ میں نے بھی آج تک اپنے کسی فیصلے کو تم پر لاگو نہیں کیا، لیکن آج میری بات کو چاہے حکم سمجھو یا خواہش۔" وہ دوٹوک لہجے میں امان بی بولی تھیں۔

"جیسے آپ کہیں امان بی، آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔"

"امان اللہ کی واپسی کے سفر میں، میں چاہتی ہوں تم اس کے ساتھ ہو تاکہ اس کی واپسی کی مشکلوں میں کچھ آسانی رہے۔"

گاڑی میں امان اللہ کے ساتھ واپسی کا سفر بہت ہی خاموشی سے کٹا تھا، گھر میں داخل ہوتے ہی حسن کو بیساکھی اور کلثوم کی سنگت میں طے کرتے وہ امان بی کے کمرے کی جانب بڑھا، دروازے تک پہنچ کر کلثوم کے قدم رک گئے تھے۔

"امان بی تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔" یہ کہہ کر وہ مصلحتاً ماں بیٹے کو اکیلے میں بات کرنے کا موقع دیتے ہوئے کھانے کا انتظام کرنے کچن میں چلی آئی تھی۔

☆☆☆

وہ امان بی کے کپڑے استری کر کے کمرے میں آئی تو ولی کو ان کے بیڈ پر لیٹے دیکھا، وہ بیڈ پر چت لیٹا ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ رکھے پاؤں کو ہلاتا دونوں بازو سر کے پیچھے باندھے چھت پر نگاہ کیے ہوئے تھا۔

"صائمہ کا فون آنے والا ہے، موبائل بجے تو اٹھا لینا، وہ تم سے بات کرنا چاہ رہی ہے۔" فاطمہ نے واش روم کے دروازے کی جانب نظر کی، واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی، امان بی واش روم میں تھیں، اس نے ولی کو دیکھا تھا پھر اس کے قریب موبائل رکھتے بولی۔

"میرے موبائل پر کرے گی اس کے پاس ہے نمبر، آپ کو اس زحمت میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ولی نے فاطمہ کی کپڑے کرسی کی بیک پر رکھنے اور موبائل کو بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھنے کی تمام کاروائی خاموش پہلے نگاہوں سے دیکھی۔

"اس نے پہلے تمہارے موبائل پر کال کی ہے، تمہارا فون ابھی بھی بند ہے۔" وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی لیکن مخاطب وہی تھا۔

"ہاں..... شاید۔" اس کی بات سن کر ولی چونکا، پھر سر کے پیچھے سے ہاتھ نکالتے لیٹے لیٹے اس نے دائیں پاکٹ میں ہاتھ ڈال کر موبائل نکالا۔

"میں چارجنگ پر لگا دیتا ہوں آپ لے جائیں اپنا فون۔" یہ کہتے ساتھ ہی وہ اٹھ بیٹھا، ابھی چارجنگ پر لگانے کے لیے اٹھنے لگا کہ فاطمہ بولی۔

"ابھی بات کر لو، میں تھوڑی دیر میں لے جاؤں گی۔" ابھی بات اس کی زبان سے ادا ہی

ہوئی تھی کہ ان کے موبائل پر کال آ گئی، صائمہ کی کال تھی۔

''ہیلو صائمہ کیسی ہو؟'' ناچار ولی کو کال ریسیو کرنی پڑی۔

''میں ٹھیک ہوں ولی بھائی۔''

''خیریت سے پہنچ گئی تھیں۔'' وہ پوچھ رہا تھا، فاطمہ نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر کمرے سے باہر نکل آئی۔

''ولی بھائی میں نے بہت مس کیا آپ کو۔''

''وہ میں بس مصروف ہو گیا تھا۔'' فی الفور اس سے کوئی بہانہ نہیں بن سکا۔

''ابا بھی نہیں تھے۔'' صائمہ کی آواز میں قدرے افسردگی گھلی۔

''روحیل کیسا ہے؟'' ولی نے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

''ٹھیک، مجھے ابا بہت یاد آ رہے ہیں۔'' وہ اس کا ماں جایا تھا، دونوں بہن بھائی کا دکھ مشترک تھا۔

''گڑیا، رونے سے مسئلہ حل تھوڑی ہوتا ہے۔''

''باپ بیٹیوں کے لئے کتنا ضروری ہوتا ہے، مجھے ساری زندگی اس بات کا احساس نہیں ہوا، آج ابا نہیں تو ان کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔''

''مجھے افسوس ہے گڑیا میں تمہاری رخصتی کے وقت موجود نہیں تھا۔''

''مجھے احساس ہے آپ بزنس میں کتنے مصروف ہیں۔''

''بزنس بہن سے زیادہ ضروری تو نہیں، بیڈ لک ہوئی کہ میرا موبائل آف تھا۔''

''چارجر میں ہوٹل میں بھول گیا تھا۔''

''ٹھیک یو بھائی آپ یہاں نہیں تھے، اس کے باوجود آپ کی طرف سے بہت پیارا گفٹ ملا۔'' ولی نے صائمہ کی چہکتی آواز سنی تھی۔

''گفٹ؟'' وہ حیران ہوا۔

''ہاں سچ میں، مجھے فاطمہ نے بتایا تو پہلے تو مجھے یقین نہیں آیا۔''

''کس بات کا یقین؟'' وہ لاعلم تھا، نہ اسے کسی گفٹ کے بارے میں علم تھا جو اس نے صائمہ کو دیا ہو، وہ کس یقین کی بات کر رہی تھی۔

''پہلے تو سچ میں اماں اور میں پریشان ہی ہو گئے، ابا کے اکاؤنٹ میں ہم ٹرانسیکشن تو کر رہے نہیں سکتے کہ ان کی ڈیتھ کے بعد اب لیگلی اکاؤنٹ ہینڈل کرنا پڑے گا، اماں بی کے پاس بھی جتنے پیسے تھے وہ ابا کے ہسپتال بلز میں چلے گئے، اس وقت آپ سے بھی بات نہیں ہو پا رہی تھی کہ فاطمہ نے بتایا کہ آپ بزنس ٹور پر جاتے وقت ان کو دوبئی میرے اور روحیل کی فلائٹ ٹکٹ کے پیسے دے کر گئے تھے۔'' صائمہ تو جیسے اپنی دھن میں بولتی جا رہی تھی، ہر گزرتے لمحے کے ساتھ شعور کے نئے در ولی پر آشکار ہو رہے تھے، بہت سی باتیں اسے پتہ چل رہی تھیں جن سے وہ پہلے لاعلم تھا۔

''تھینک یو آئین اتنا پیارا گفٹ، سچ میں ابا کے بعد آپ کے اس کیئرنگ رویے کے لئے دل سے شکریہ۔'' صائمہ خوش تھی، وہ چہک رہی تھی، وہ اپنے بھائی کی ممنون تھی، اس کا میکہ آباد تھا، باپ کے بعد کوئی اس کا خیال رکھنے کو تھا۔

''اور بھی کوئی ڈیوز رہتے ہوں تو بتانا، پیسے کی فکر نہ کرنا۔'' ولی بولا تھا، اسے بھرم رکھنا تھا، اپنے اور اپنی بہن کے مان کا، فاطمہ کا۔

(باقی اگلے ماہ)

اس کے قدم جہاں آ کر ٹھہرے، جہاں آ کر رو کے وہ شہر خموشاں تھا، اس چیختے چنگھاڑتے شہر کے بیچوں بیچ بسا شہر خموشاں، جہاں بس خاموشی اور ویرانے کا راج تھا، جو ایسے لوگوں سے بھرا پڑا تھا کہ کبھی جن کا دعویٰ تھا کہ شاید یہ دنیا ان کے بنا چل نہیں پائے گی اور آج یہ شہر خموشاں ایسے کتنے ہی لوگوں کو مسکن تھا اور وہ دعویٰ ان کے سرہانے چکراتا پھر رہا تھا، یوں بھی یہ دنیا بہت ظالم ہے، آج جو نگاہ کے سامنے ہے بس وہی یاد ہے، اگر جو ذرا سا نگاہ سے اوجھل ہوا تو سمجھو گویا دل سے، اوجھل ہو گیا اور اگر کوئی دنیا سے جا جائے تو بھلا کس کے پاس ہے آج کل فرصت کہ دو گھڑی کو اس کا حال پوچھنے کو اس خموشاں میں چلا آئے، کتنی ہی ایسی قبریں تھیں بری طرح زبوں حالی کا شکار اپنے پیاروں کی منتظر تھیں اور کتنی ہی ایسی تھیں جو سنگ مرمر سے مزین تھیں گویا ان کی خبر گیری کو کوئی باقاعدگی سے آتا ہو، اس کے قدم ایک قبر کے آگے آ کر رک سے گئے تھے، اس کا دل بھی ساتھ ہی ٹھہر گیا اس کے وجود کو آج بھی اندر مدفون وجود نے

## ناولٹ

جکڑ لیا تھا، باندھ لیا تھا، وہ کتنے ہی لمحے خاموشی سے وہیں کھڑا رہا تھا۔

"زاریہ شہزادی..... بنت قاسم شیرازی"

"تاریخ پیدائش..... 17 مارچ 1986"

"تاریخ وفات..... 17 مارچ 2008"

اس قبر پہ نصب یہ کتبہ آج بھی اس کا دل چیر دیتا تھا، بائیس سال فقط بائیس سال وہ اس دنیا میں رہی اور پھر اس کے دل اور دنیا کو ویران کر کے ہمیشہ کے لئے یہاں آن بسی جبکہ وہ آج بھی وہیں کھڑا تھا، محبت کا سیاہ ماتمی لباس اوڑھے روگی بن بیٹھا تھا، کیونکہ زارون نے زاریہ قاسم سے محبت نہیں کی تھی عشق کیا تھا اور عشق بھی بد

نہیں کرتا کم نہیں ہوتا، وہ آج بھی وہیں کھڑا تھا عشق کی اسی دہلیز پہ جہاں زاریہ اسے چھوڑ کر گئی تھی، وہاں وہ اتنی ہی محبت کرتا تھا اس سے عقیدت کی حد تک، وہ ذرا سا ترچھے رخ ہو کر اس کی قبر کے کنارے بیٹھا تھا، اب وہ یہاں کتنی دیر تک ایسے ہی بیٹھے رہے گا یہ زارون خود بھی نہیں جانتا تھا، کیونکہ وہ جب بھی یہاں آتا تھا، وہ آج بھی اسے ہمیشہ کی طرح جکڑ لیتی تھی، اٹھنے ہی نہیں دیتی تھی، اسے تھام لیتی تھی اور زارون ہمیشہ کی طرح اس کے آگے سرنڈر کر دیتا تھا، کتبے پہ گاڑیں اس کی نگاہیں کب دھندلانے لگیں تھیں اسے معلوم ہی نہیں ہوا تھا۔

"پاگل...... مرد روتے ہوئے اچھے نہیں لگتے ہیں۔"

وہ ہوتی تو نروٹھے پن سے اٹھلا کر یہی کہتی، اس کی یادوں پہ مسکراہٹ لے آئی تھی، اس لمحے عجیب دھوپ چھاؤں سا منظر زارون کے چہرے پہ آن ٹھہرا تھا، پاس سے گزرتے بوڑھے گورکن نے بہت غور سے اس منظر کو دیکھا تھا، یہ شخص اس قبر کے کنارے روزانہ اسی طرح گھنٹوں آکر بیٹھا کرتا تھا، جانے کون تھا، وہ اپنا سامان اٹھائے آگے بڑھ گیا تھا، اسے ایک نئی قبر تیار کرنی تھی، یہاں تو اب روز ہی کوئی نئی قبر تیار ہوتی تھی، کسی کے اپنے کے لئے پر ایسی دیوانگی اس نے کسی میں نہیں دیکھی تھی، کیونکہ وہ شاید نہیں جانتا تھا کہ اگر محبت کرنے والوں میں سے کوئی ایک اگر مر جائے تو دوسرا جیتے جی ہی مر جاتا ہے۔

☆☆☆

"پلیز فار گاڈ سیک انس، بند کرو اپنا یہ فضول سا راگ، ایک تو پہلے ہی اسائمنٹ نے دماغ کی دہی کر دی ہے اوپر سے تمہارے گٹار کی اس بھیں بھیں نے الگ سر میں درد کر دیا ہے۔"

پچھلے آدھے گھنٹے سے خاموشی سے سنتے ہوئے میرب کی برداشت کی حد اب ختم ہو گئی تھی، اپنے کمرے میں دروازہ کھول کر باہر لاؤنج کے صوفے پہ آنکھیں بند کیے جھومتے گٹار بجاتے انس پہ وہ زور سے چلائی تھی۔

"انس میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں پلیز بند کرو اسے۔" اب وہ بالکل اس کے سر پہ آکر چلائی تھی کیونکہ وہ مسلسل اسی طرح وہ اس کی بات ان سنی کرتے جھومے جا رہا تھا۔

"آپی آپ نے مجھ سے کچھ کہا کیا؟"

انجان بن کر معصومیت سے بولا تھا۔

"نہیں اتنی دیر سے میں ان دیواروں سے باتیں کر رہی ہوں۔" وہ چڑ کر بولی تھی، پرسوں اسائمنٹ جمع کرانے کی آخری تاریخ تھی اور اس کا ابھی آدھے سے زیادہ کام رہتا تھا، آج اتوار تھا اس لئے وہ ابھی فل موڈ بنا کر بیٹھی تھی کہ مکمل کر کے ہی اٹھے گی مگر انس کا یہ شوق کبھی کبھی ان کے لئے عذاب بن جاتا تھا، مسئلہ یہ نہیں تھا کہ وہ گٹار کیوں بجا رہا تھا مسئلہ یہ تھا کہ اسے گٹار بجانا نہیں آتا تھا، یوں اچھا بھلا میوزک سر درد بن جاتا تھا۔

"پلیز میرے بھائی اسے تھوڑی دیر کو بند کر دو یا پھر اسے کہیں اور جا کر بجا لو، پچھلے آدھے گھنٹے سے ایک لفظ نہیں لکھا جا رہا ہے مجھ سے اس کی بے ڈھنگی آواز میں۔" وہ اب باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولی تھی۔

"اماں دیکھ رہیں ہیں نا آپ کہ آپی میرے پیارے گٹار کے بارے میں کیا کہہ رہی ہیں۔" اماں کچن سے نکل کر کسی کام سے لاؤنج تک آئیں تو وہ روہانسا سا ہو کر ان سے بولا تھا۔

"بیٹا یہ تو تمہیں صرف بول رہی ہے میں اگر اب تم نے اسے بجانا بند نہ کیا نا تو دیکھنا میں

نہیں بھی۔" اماں کا غضب ناک انداز دیکھ کر اس نے گٹار اپنے پیچھے چھپا لیا تھا، کہ کہیں سچ میں وہ اسے توڑ ہی نہ دیں یا پھینک دیں، کیونکہ غصے میں اماں سے کوئی بعید نہ تھا، یہ گٹار بابا نے اس کی اٹھارویں سالگرہ پہ اسے گفٹ کیا تھا اور اسے بہت عزیز تھا، ٹھیک ہے اسے ٹھیک سے بجانا نہیں آتا تھا مگر وہ اسے اتنی بے رحمی سے ٹوٹتا ہوا بھی نہیں دیکھ سکتا تھا، میرب نے مسکرا کر ایک نگاہ اس پہ ڈالی اور اطمینان سے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی، جانتی تھی کہ اب اگلے کئی دنوں تک وہ گٹار بجانا تو دور اسے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا، کیونکہ ان کی اماں صرف کہتیں نہیں تھیں کر بھی دکھاتیں تھیں۔

"اللہ نے دو ہی بچے دیئے وہ بھی نکمے، بیٹا ہے تو سارا دن گٹار کو اولاد کی طرح سینے سے لگائے بھاں بھاں کرتا رہتا ہے اور بیٹی کو پڑھائی سے فرصت نہیں ملتی ہے، یہ نہیں کہ آ کر ماں کا ہاتھ ہی بٹا دے، باپ نے دونوں کو سر چڑھا رکھا ہے۔"

وہ ہانڈی میں چمچہ چلاتے ہوئے مسلسل بڑبڑا رہیں تھیں، جبکہ دونوں بچے اپنے اپنے کمروں میں اپنے پسندیدہ مشاغل میں مصروف تھے۔

☆☆☆

"مے آئی کم ان سر۔" سر حیدر ہنوز لیکچر دینے میں مصروف تھے، جواب نہ پا کر اس نے دوبارہ پوچھا تھا۔

"نو۔" وہ نخوت سے کہہ کر دوبارہ سے اپنے لیکچر کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، میرب کو پوری کلاس کے سامنے عجیب سی شرمندگی نے گھیر لیا تھا۔

"سر...... پلیز صرف پندرہ منٹ ہی تو لیٹ ہوں میں اور وہ بھی میرا قصور نہیں تھا سر ٹریفک جام میں پھنس گئی تھی۔" اس نے پھر سے ایکسپلین کر کے اپنے لیٹ ہونے کی وجہ بھی بتا دی تھی۔

"قصور آپ کا ہی ہے، جب آپ کو شہر کی ٹریفک کا علم ہے تو آپ کو وقت پہ گھر سے نکلنا چاہیے نا اور آج آپ پہلی بار لیٹ نہیں ہوئیں ہیں، تیسری بار آپ میری کلاس میں لیٹ ہیں، سو نو مور ایکسکیوز، پلیز تم کو، کل سے ٹائم پہ کلاس میں آ جائیے گا۔" وہ کورا سا جواب دے کر پھر سے لیکچر میں مصروف ہو گئے تھے، میرب کو اس لمحے عجیب اہانت کا احساس ہوا تھا، وہ مزید کچھ بھی بولے بنا کلاس سے نکل کر کوریڈور میں آ گئی تھی، کیونکہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ کھڑوس اب اسے کلاس میں آنے کی اجازت نہیں دے گا، سو مزید بے عزتی سے بہتر تھا کہ وہ کلاس ہی مس کر دے، وہ وہیں ریلنگ سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

"کروا لی نہ بے عزتی، مل گیا سکون، کتنی بار کہا ہے کہ ٹائم پہ آیا کرو، مگر تم سنتی ہی کہاں ہو، ہمیشہ کی طرح وقت پہ تمہاری آنکھ نہیں کھلی ہو گی۔" کلاس ختم ہوئی تو تمکین سیدھی ہی اس کے پاس چلی آئی تھی اور آتے ہی شروع ہو گئی تھی۔

"ہاں تو یار اسائنمنٹ مکمل کرتے کرتے رات لیٹ سوئی تو صبح آنکھ دیر سے کھلی نا، اس لئے لیٹ ہو گئی، اب یونیورسٹی لیول کے اسٹوڈنٹ ہیں اتنی اسپیس تو ملنی چاہیے نا، یہ کیا کہ اسکول کے بچوں کی طرح اٹھا کر پوری کلاس کے سامنے بے عزتی کر دی، کہ کلاس میں نہیں آ سکتی ہوں یہ کوئی بات ہے بھلا، صرف پندرہ منٹ سے کیا فرق پڑتا ہے، اب بندے کو اتنا روڈ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ اسٹوڈنٹ کی نگاہ میں اپنا امیج ہی خراب کر لے، ٹیچرز تو رول ماڈل ہوتے ہیں

بولنا شروع ہوئی تو پھر نگین کے لاکھ اشاروں پہ بھی چپ نہیں ہوئی، نگین نے بادر پکڑ کر بھی اسے بولنے سے روکنا چاہا مگر وہ میرب تھی، اسے بھلا کون روک سکتا تھا۔

"ایکسوزمی مس میرب آپ ذرا میرے آفس میں آئیے گا۔" زبان کو بریک لگا بھی تو اس کھڑوس کی آواز سے، اس کی آواز تو کیا آنکھیں بھی ایک جگہ ٹھہر سی گئیں تھیں۔

"جی..... جی..... جی سر میں آتی ہوں۔" وہ بمشکل بولی تھی، جبکہ سر حیدر اس سے کہہ کر آگے بڑھ چکے تھے۔

"بتا نہیں سکتی تھیں تم کہ وہ میرے پیچھے کھڑے ہیں۔" وہ اب نگین پہ چڑ دوڑی تھی۔

"اتنے اشارے کر تو رہی ہوں، چٹکیاں کاٹ رہی ہوں مگر تم سنتی ہو کسی کی، اب جاؤ اور کراؤ بے عزتی۔" نگین بھی اس پہ غصہ ہوئی تھی، یہ سچ تھا کہ وہ بولنے میں اتنی مگن تھی کہ نگین کی طرف متوجہ ہی نہیں تھی اور اس کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ پاس سے گزرتے سر حیدر نے سن لی تھی۔

☆☆☆

میرب دل ہی دل میں جل تو جلال تو کا ورد کرتی ان کے آفس میں آئی تھی، دل بہت تیز دھڑک رہا تھا اور ہاتھ پاؤں بھی ٹھنڈے ہو رہے تھے، غیر متوقع بے عزتی ہونا اور بات ہوتی ہے مگر جان بوجھ کر اپنی بے عزتی کرانا اور بات ہوتی ہے، کتنے ہی لمحے وہ باہر کھڑی اپنی ہارٹ بیٹ نارمل کرتی رہی تھی، پھر دروازہ ناک کر کے اندر چلی آئی تھی۔

"بیٹھے پلیز۔" اس کے سلام کے جواب میں سر حیدر نے اسے بیٹھنے کو کہا شاید وہ اس کی

"اوف۔" بیٹھا کر عزت سے اطمینان سے بے عزتی کریں گے۔

وہ جھٹ سے قریب رکھی کرسی پہ بیٹھ گئی کہ شاید اگر مزید کھڑی رہتی تو گر پڑتی۔

"اسائنمنٹ بنالی آپ نے؟" سر جھکائے ہاتھ میں تھامے پین پہ کیپ لگا کر اسے پاکٹ میں رکھا اور مکمل طور پہ اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"جی سر۔" اس نے چپ چاپ فائل ان کے سامنے کر دی تھی کہ یہی تو تھی اصل فساد کی جڑ سر حیدر نے فائل تھام کر کھول لی تھی۔

"آپ یہ اسائنمنٹ میرے پاس کیوں لائیں ہیں میرب۔" سر حیدر نے نگاہیں اٹھا جمائے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"کیا مطلب سر میں سمجھی نہیں۔" وہ ان کی بات نہیں سمجھی تھی۔

"اس لئے نا کہ میں آپ کا ٹیچر ہوں اور کا کام دیکھ کر آپ کو گائیڈ کروں گا کہ آپ نے میرے دیئے ہوئے ٹاپک پہ ٹھیک کام کیا ہے نہیں۔" انہوں نے فائل بند کر کے رکھی اور چیئر پہ سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے نگاہ اس کے چہرے پہ جمائی تھی، جہاں پہ شرمندگی اب واضح نظر آ رہی تھی، وہ ان کی بات کا مطلب سمجھ کر سر جھکا گئی تھی۔

"تو ایک استاد کا کام ہی یہی ہوتا ہے کہ میرب کہ وہ اپنے طالب علم کی رہنمائی کرے اسے صحیح اور غلط کا فرق اور اچھے اور برے کی تمیز سکھا سکے، آپ اگر پی ایچ ڈی لیول پہ بھی آ جائیں گی نا تو ایک ٹیچر کے لئے آپ استاد ہی رہیں گی، استاد کا اخلاق، کردار اور قابلیت ہوتی ہے کہ جس کے بل پہ وہ طالب علموں

...کرنے کی کوئی چیز، امید ہے کہ آئندہ کلاس میں آئیں گی اور جھوٹ بھی گریز کریں گی۔" ان کا اشارہ اس ... جلیبی والی بات کی طرف تھا کیونکہ وہ سن ... کہ وہ تکمین سے کچھ اور کہہ رہی تھی۔

"آپ ہمیشہ سے ایک برائٹ اسٹوڈنٹ ... ہیں، اس لئے میں آپ سے یہ توقع نہیں رکھتا ... اور آپ کی اسائنمنٹ بھی صرف اسی لئے ... کر رہا ہوں، اب آپ جاسکتیں ہیں۔"

... کا وجود اس لمحے شرمندگی میں مکمل طور پہ ... چکا تھا، کلاس میں تو جو ہوا سو ہوا مگر اس کے ... جو ہوا وہ بہت برا تھا، سر حیدر نے سب سن لیا ... اور کتنا غلط تاثر پڑا ہوگا ان پہ، میرب وہی سوچ ... شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔

"آئی ایم سوری سر۔" غلطی اس کی تھی سو ... معذرت کرنا تھی اور سامنے اس کے استاد ... تھے اس نے بلا جھجک کہا تھا، سر حیدر نے اثبات ... میں سر ہلا کر اسے جانے کی اجازت دی تھی، وہ ... بڑی تیزی سے وہاں سے اٹھ کر باہر آئی تھی۔

"اف۔" باہر آ کر ایک ٹھنڈی سانس بے ... ساختہ ہی اس کے لبوں سے خارج ہوئی تھی۔

"کیا ہوا ہے کچھ بتاؤ تو...... اسائنمنٹ لے ... لی نے۔" باہر تکمین بے صبری سے ان کا انتظار ... کر رہی تھی۔

"ہاں کر لی، یہاں سے چلو پھر بتاتی ... ہوں۔" وہ تکمین کا بازو پکڑ کر اسے کھینچتی ہوئی وہاں ... سے لے گئی تھی، کہ کہیں سر حیدر کے دس کان ... کا پتہ یہاں بھی سن لیں۔

☆☆☆

"اس وین والے کو بھی آج ہی چھٹی کرنی ... تھی اب پتہ نہیں کب آئے گا۔" میرب ... اس سے گرمی اور تھکن کی وجہ سے از حد چڑچڑی ہو رہی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے میرب، کیوں اتنا غصہ کر رہی ہو، آ جائے گا۔" لیکن میرب ہمیشہ کی طرح کیوں؟ کھڑی تھی اور اسے بھی ریلیکس کرنے کی کوشش کی تھی، آج صبح ہی وین والے انہیں یونی چھوڑتے وقت بتا دیا تھا کہ وہ انہیں واپس پک نہیں کرے گا، میرب نے اسی وقت انس کو کال کر دی تھی، کہ وہ اسے پک کرتا ہوا جائے، ارادہ تھا کہ تکمین کو بھی ڈراپ کر دے گی مگر انس صاحب کا ابھی تک کچھ اتہ پتہ ہی نہیں تھا۔

"کیا ہوا ہے تکمین، یہاں کیوں کھڑی ہو۔" جب وہ گیٹ پہ لگا ہیں جمائے جل بھن رہی تھی تبھی اسے اپنے عقب سے سر حیدر کی آواز سنائی دی تھی اور مخاطب تکمین تھی، وہ حیرانگی سے مڑی تھی۔

"بھائی وہ وین والا نہیں آیا ہے تو میرب کی گاڑی کا ویٹ کر رہے ہیں۔"

"بھائی۔" تکمین کے کہنے پہ اس نے حیرانگی سے پہلے تکمین کو اور پھر سر حیدر کو دیکھا تھا، وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ تکمین سر حیدر سے اتنی بے تکلفی سے مخاطب کیوں ہے۔

"اچھا آ جاؤ، میں گھر ہی جا رہا ہوں۔" وہ کہہ کر آگے بڑھے تو تکمین بھی ان کے پیچھے ہی لپکی تھی۔

"ارے سنو تو تکمین، کہاں جا رہی ہو، ایک منٹ رکو تو یہ تم نے سر حیدر کو بھائی کس خوشی میں بولا ہے، کیا گرمی زیادہ ہی سر کو چڑھ گئی ہے۔" میرب نے آگے کو جاتی تکمین کا بازو پکڑ کر اسے روکا تھا۔

"اب بھائی ہیں تو بھائی ہی کہوں گی نا یار، تمہیں کتنی بار تو بتایا ہے کہ حیدر بھائی واپس آ گئے

اس کے پاس رک کر بولی تھی۔
"مطلب یہ تمہارے....." میرب گڑبڑا گئی تھی۔
"مگر تم نے یہ کب کہا تھا کہ یہ ہی تمہارے بھائی ہیں۔" وہ اپنی شرمندگی مٹانے کو نگین پہ چڑھ دوڑی تھی۔
"اچھا اس ٹاپک پہ ہم بعد میں بات کریں گے، اب چلتی ہوں بھائی ویٹ کر رہے ہیں، تم بھی آجاؤ چھوڑ دیتی ہوں۔" نگین اس کی شکل دیکھ کر شرارت سے مسکرائی تھی۔
"نہیں تم جاؤ، انس آگیا ہے۔" اس نے سامنے انس کو دیکھ کر کہا تھا اور نگین کو خدا حافظ کہہ کر وہ گاڑی میں آبیٹھی تھی۔
"سوری یار دیر ہوگئی پر آتو گیا ہوں ناں اتنی بری شکل کیوں بنا رکھی ہے۔" انس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس کے چہرے پہ نگاہ ڈالی تھی، جہاں ابھی بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں، حیرانگی کے ساتھ شرمندگی بھی رقم تھی۔
"تنگ مت کرو انس، گاڑی چلاؤ۔" وہ بیزاری سے کہہ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی، انس بھی خاموشی سے ڈرائیو کرنے لگا تھا، میرب کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی، اسے خود پہ غصہ بھی آرہا تھا اور شرمندگی بھی ہو رہی تھی، وہ کبھی اتنی منہ پھٹ اور بدتمیز نہیں رہی تھی، جتنی اس بار ہوگئی تھی، کتنا کچھ بولتی رہی وہ نگین کے منہ پہ، اس کے بھائی کے بارے میں اور وہ بے چاری چپ چاپ مسکرا مسکرا کر سنتی رہی اس کے دل کو تاسف نے گھیر لیا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن جمعہ تھا وہ یونیورسٹی نہیں گئی، اسے بیچ میں نگین کا سامنا کرتے ہوئے برا محسوس ہو رہا

تھی بھی عادت نہیں رہی تھی اور سر حیدر والے واقعے کے بعد تو میرب یوں بھی بہت محتاط ہو گئی تھی، اس لئے اس نے اس وقت بھی اماں کو کچھ بھی کہنے سے گریز ہی کیا تھا، وگرنہ اس کی کبھی بھی تائی اور ان کے دونوں بیٹوں سے بھی بنی نہیں تھی، البتہ تایا بہت شفیق انسان تھے، ہمیشہ بہت محبت سے پیش آتے تھے۔

☆☆☆

اوپر کے پورشن میں تایا جان فیملی سمیت رہتے تھے، ان کے بس دو ہی بیٹے تھے، سعد اور فراز، بیٹی نہ تھی، تائی جان مزاج کی از حد تیز خاتون تھیں، وہ ذرا سی بھی کوئی بات اپنے مزاج کے خلاف برداشت نہیں کرتی تھیں، سسرال سے زیادہ میکے پہ مان تھا ان کو، فراز بالکل ان کا پرتو تھا، اوپر تلے کے دو بیٹوں پہ انہیں بہت فخر تھا، میرب کے بعد جب تک انس نہیں پیدا ہوا تھا، تب تک انہوں نے دیورانی کا جینا حرام کر دیا تھا، ساس نہیں تھیں، مگر ساس کی کمی کو تائی نے ہر طرح سے پورا کر دیا تھا، جب میرب کے دو سال بعد انس ہوا تب اماں نے سکھ کا سانس لیا تھا، حالانکہ میرب گھر کی واحد بچی تھی اور سب کی آنکھ کا تارا تھی۔

سب اسے بے حد چاہتے تھے، سعد ان کا بڑا بیٹا تھا، انتہائی سست، اسے نہ پڑھائی سے کوئی خاص دلچسپی تھی اور نہ ہی کسی اور کام میں کوئی انٹرسٹ تھا، کھانا، سونا اور دوستوں کے گھومنا پھرنا، یہ تین کام اس کے پسندیدہ تھے، بہت چھوٹی عمر سے ہی اس کے دوستوں کی گیدرنگ اچھی نہ تھی، جس سے تایا اس سے ناراض رہتے تھے، البتہ فراز مزاج کا تیز سہی مگر اس نے اپنی

''اف میرب یار تم ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی ہو، کم آن میرب میں ناراض نہیں ہوں تم سے، غلط فہمی ہو جاتی ہے، غلطی میری بھی ہے، میں نے ایک دو بار تم سے کہنے کی کوشش کی مگر تم نے توجہ نہیں دی تو میں نے بھی دوبارہ تم سے کھل کر بات نہیں کی، یوں بھی حیدر بھائی نے منع کیا تھا کہ میں بطور خاص کسی سے ذکر نہ کروں، کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ میرے دوست میرا کسی بہن ہونے کا کوئی فائدہ اٹھائیں، یا پھر ان کی بہن کی حیثیت سے مجھے کوئی خاص attention ملے، بس اس لئے، یوں بھی وہ وقتی طور پہ یہاں جاب کر رہے ہیں، اس وقت تک جب تک ان کا بزنس سیٹ نہیں ہو جاتا ہے، وگرنہ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' نگین نے اس کی شرمندگی دور کرنے کو اسے بڑی کھل کر وضاحت دی تھی، غلطی میرب کی بھی نہیں تھی بے شک نگین نے ایک دو بار بتایا تھا کہ اس کے بڑے بھائی کینیڈا سے واپس آ گئے ہیں اور یہ بھی چند ماہ پہلے جب نگین کے بابا کی ڈیتھ ہوئی تھی، تب میرب اماں کے ساتھ اس کے ساتھ گئی تھی تب نگین نے اسے بتایا تھا کہ اس کے بابا کی تدفین اس کے بھائی کے آنے پہ ہوگی، اور پھر یہ کہ بھائی ان کے اکیلے پن کی وجہ سے یہاں شفٹ ہو گئے ہیں، مگر میرب کو کیا پتہ تھا کہ وہی حیدر ہیں جو نگین کے بھائی ہیں، شاید نگین نے پھر بتایا ہو مگر اس نے توجہ سے نہ سنا ہو، وہ تو بس عادتاً ہی کمنٹ پاس کرتی رہتی تھی، پھر سر حیدر نے اسے دو تین بار ڈانٹا تھا تب سے وہ اس سے چڑنے لگی تھی۔

''تم ناراض تو نہیں ہو نا، سچ میں۔'' میرب نے نگین کا ہاتھ تھام کر اس سے پوچھا تھا، وہ اس کی بہنوں جیسی دوست تھی، اور اسے بہت عزیز تھی، ان کی دوستی زیادہ پرانی نہیں تھی، ان کی ملاقات گریجویشن کے دوران ہوئی تھی اور اب ماسٹرز ساتھ کر رہی تھیں، مگر کم وقت میں وہ دونوں دوسرے کو بہت عزیز ہو گئی تھیں۔

''بالکل بھی نہیں، اب چائے وائے بھی پلواؤ گی یا صرف باتوں پہ ٹرخاؤ گی۔'' نگین نے اسے گھورا تھا۔

''تم بیٹھو، بس ابھی لاتی ہوں۔'' وہ چٹکی بجاتے ہوئے اٹھی تھی، اب لبوں پہ وہی شرارتی مسکراہٹ رقصاں تھیں، جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھی، وہ ایسی ہی پل میں ہنستی تھی اور پل میں روتی تھی، معصومیت سے بھرپور، دھوپ چھاؤں سا مزاج رکھتی تھی وہ، وہ باہر گئی تو نگین اس کے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے اس کا انتظار کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

''تھینکس سر، تھینک یو سر۔'' وہ دو چار اسٹوڈنٹس تھے جو اس کے پاس مدد کے لئے آئے تھے، وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے ان کے ساتھ ہی بزی تھا، اب وہ اس کا شکریہ ادا کر کے گئے تو اس نے پیون کو چائے لانے کو کہا تھا، اس وقت اسے چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی اور سر درد سے پھٹ رہا تھا، یوں بھی پچھلے کچھ عرصے سے چائے اور کافی کی طلب اس کی زندگی میں بہت بڑھ گئی تھی، کتنی ہی راتیں بے خوابی کی نظر ہو جاتیں تھیں۔

مگر وہ خوش تھا وہ اپنی زندگی سے مطمئن تھا، اس نے ٹیبل پہ بکھرے نوٹس سمیٹ کر رکھے لیپ ٹاپ بند کیا اور آفس کی کھڑکی میں آ کھڑا ہوا، یہ کھڑکی یونی کے پچھلے لان کی طرف کھلتی تھی، جو کہ عموماً خالی ہی رہتا تھا، یہاں بس لمبے لمبے درخت اور کسی حد تک جھاڑ جھنکار تھیں، کچھ بیٹھنے کی جگہیں تھیں مگر اس طرف اسٹوڈنٹس ذرا کم ہی

وارث کی، جیسے ہی ان کے چائے لے آیا تو اس نے وہیں کھڑے کھڑے ہی کپ تھام لیا تھا، اپنے خیالوں میں گم گرم چائے کی چسکیاں لے رہا تھا کہ اس وقت گرم چائے اعصاب کو سکون پہنچا رہی تھی، تبھی اس کے کانوں سے کچھ ہلکی سی آوازیں ٹکرائیں تھیں، اس نے کھڑکی کے بلائنڈز ہٹا کر آوازوں کی سمت دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

"میرب کیا کرتی ہو، یہاں سے چلو، تمہیں بھی بس شوق ہے فضول کام کرنے کا، میں کہہ رہی ہوں بس چلو یہاں سے۔" نگین نے غصے سے کہہ کر آگے کو چلتی میرب کا بازو پکڑ کر کھینچا تھا، وہ بے ترتیب سی پیچھے کو کھنچی چلی گئی تھی۔

"کیا ہے نگین میں ابھی گر جاتی تو، چپ چاپ بیٹھو ادھر۔" اس نے نگین کو ڈپٹا اور ہاتھ میں تھامی چیزیں پاس رکھی ایک ٹوٹی کرسی پہ رکھیں تھیں، اس کے ہاتھ میں اپنے بیگ کے علاوہ کچھ کتابیں تھیں، ایک پلاسٹک بیگ تھا اور ایک چھوٹا سا بلی کا بچہ بھی تھا، جو کہ بہت چھوٹا نہیں تھا۔

"پتہ نہیں اب وہ کیا کرنے والی تھی۔" حیدر نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف متوجہ ہوا تھا، اس نے بلی کے بچے کو زمین پہ احتیاط سے رکھا تھا اور خود بھی اس کے پاس بے فکری سے بیٹھ گئی تھی، اس بات کی پرواہ کیے بنا کہ وہاں زمین پہ کس قدر گند پڑا تھا، جبکہ نگین ابھی تک قدرے بیزاری صورت بنائے اس کے پاس کھڑی تھی۔

"بیٹھ جاؤ نا، کیوں خدائی فوجدار بنی میرے سر پہ کھڑی ہو۔" اس نے نگین سے کہہ کر شاپنگ بیگ سے چیزوں کو نکالا تھا، وہ کچھ فرسٹ ایڈ کا سامان تھا۔

"میرب میں جا رہی ہوں یار، مجھے یہاں ... رہا ہے، دیکھو تو کوئی بھی نہیں ہے یہاں پہ اور لمبے لمبے درخت ہیں بس، عجیب جنگل سا لگ رہا ہے، چلو اٹھو بس۔" نگین نے پھر سے اسے اٹھانے کی کوشش کی تھی، مگر ناکام رہی تھی، کیونکہ اب وہ اس بلی کے بچے کی مرہم پٹی میں مصروف تھی اور نگین کی طرف قطعی متوجہ نہیں تھی۔

"میرب بچو" نگین نے پھر اسے پکارا تھا۔

"کیا ہے نگین، تھوڑی دیر چپ نہیں رہ سکتی ہو، کیوں اپنے ساتھ مجھے بھی ڈرا رہی ہو، بس پانچ منٹ رکو، دیکھ نہیں رہی ہو بے چارہ کس بری طرح سے زخمی ہے۔" اس نے معصوم سی شکل بنا کر نگین کی منت کی تھی جس پہ ہمیشہ کی طرح نگین کو ترس آ گیا تھا اور وہ بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

"جلدی کرو اب۔" نگین نے بیٹھتے ساتھ ہی اسے وارن بھی کیا تھا، وہ بنا کوئی جواب دیے اس معصوم سے بلی کے بچے کی مرہم پٹی میں مصروف تھی، جس کی ایک ٹانگ پتہ نہیں کس طرح سے بہت بری طرح زخمی ہوئی تھی اور وہ معصوم بری طرح سے تکلیف کے مارے کراہ رہا تھا، میرب نے دوا لگا کر اس کی ٹانگ پہ پٹی باندھ دی تھی، جس سے وہ اب قدرے پرسکون نظر آ رہا تھا اور ساتھ میرب بھی، حیدر کی چائے کا کپ اس کے ہاتھ میں ہی پکڑے پکڑے ٹھنڈا ہو گیا تھا اسے پتہ ہی نہیں لگا تھا، جانے کتنے ہی لمحے سے وہ وہاں یونہی کھڑا تھا۔

"ویسے بائی دے وے، تمہیں اپنے اس چنگیز خان بھائی سے تو ڈر نہیں لگتا ہے، جس کا غصہ ہمیشہ سوا نیزے پہ رہتا ہے، جو یہاں ان درختوں سے لگ رہا ہے۔" میرب نے دودھ کا پیکٹ پھاڑ کر اس بلی کے بچے کے سامنے رکھتے ہوئے نگین کو چھیڑا تھا، جواب بھی اسے خفگی سے

"دیکھو سوچ لو، اب اگر میرے بھائی کے بارے میں کچھ کہا نا، تو اچھا نہیں ہوگا، بہت اچھے ہیں میرے بھائی، دنیا کے سب سے اچھے بھائی، پہلے تو میں نے سن لیا تھا، مگر اب نہیں سنوں گی کچھ بھی۔" نگین نے کھڑے ہوتے ہوئے اسے وارن کیا تھا، وہ ٹوٹی چیئر سے اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے شرارت سے مسکرائی تھی، جیسے نگین کے غصے کا مزہ لیا ہو۔

"ہاں ہٹلر کے جانشین ان کا بس چلے تو اسٹوڈنٹس کو گردن ہلانے پہ بھی لائن میں کھڑا کر کے گولی سے اڑا دیں اور کہیں کہ میں آپ کا ٹیچر ہوں اور مجھے آپ کو گائیڈ کرنے کے لئے یہ سب کرنا پڑا۔" اس نے آواز بھاری کر کے حیدر کے لہجے کی نقل اتارنے کی پوری پوری کوشش کی تھی، جس میں وہ خاصی کامیاب بھی ٹھہری تھی۔

"ہاں بھئی بندہ آٹھ سال باہر رہ کر آیا ہے، اتنی ایروگنس تو بنتی ہے بھئی یہ بھی لوگوں کو متاثر کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔" اس نے بلی کے بچے کو پیار کر کے وہیں چھوڑا جو مرہم پٹی کروا کر اور دودھ پی کر اب قدرے پرسکون نظر آ رہا تھا، اس کا انداز صاف نگین کو چڑانے والا تھا، جسے نگین بھی محسوس کر چکی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے بول لو، جو بولنا ہے بول دو، میں نے بھی یہ سب جا کر حیدر بھائی کو بتا دینا ہے، پھر سوچو تمہارا کیا ہوا، چھٹی بھگتنے کو تیار رہنا، پھر...... پہلی بار والی حالت یاد ہے نا اپنی۔" نگین کا اشارہ اس بات کی طرف تھا، جب حیدر نے ان کی باتیں سن کر میرب کو اپنے آفس میں بلایا تھا اور اس وقت میرب کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"اف ایسا غضب مت کرنا، میری پیاری

اڑا دیں، گولی سے نہیں، اپنے لہجے سے [illegible] سے۔"

باتوں کی آواز اب مدھم پڑتی جا رہی تھی، شرارتی ہنسی اب بھی گونج رہی تھی، وہ دونوں وہاں سے جا چکی تھیں، ایک مدھم مسکان نے حیدر کے لبوں کا احاطہ کیا تھا اسے غصہ محسوس نہیں ہوا تھا، وہ غصے کا تیز نہیں تھا، لیکن ایک فاصلہ رکھتا تھا اپنے اور اپنے اسٹوڈنٹس کے درمیان، جس کو اس لڑکی نے اس کے خلاف [illegible] بنا لیا تھا، اس نے ہاتھ میں تھامی چائے کا کپ واپس ٹیبل پہ رکھ دیا تھا، جو کب کی برف ہو چکی تھی، وہ اس میں سے ایک سپ بھی نہیں لے سکا تھا، اس لمحے جانے کہاں سے یاد کا ایک جگنو [illegible] اور اس کی پلکوں پہ آ کر ٹھہر گیا تھا۔

"وہ بھی ایسی ہی تو تھی......"

☆☆☆

نگین آج خرابی طبیعت کے باعث [illegible] نہیں آئی تھی، میرب کا پورا دن اس کے بغیر بور گزرا تھا، وہ بھی نہ آتی اگر اگلے ہفتے سے [illegible] کے ایگزامز شروع نہ ہو رہے ہوتے، اور [illegible] کلاس فیلوز تھیں جن سے اچھی سلام دعا تھی دوستی صرف نگین کے ساتھ، دن بھر کا ساتھ اسی کے ساتھ تھا، سو آج وہ جی بھر کے بور [illegible] تھی، ابھی اس کی لاسٹ کلاس ختم ہوئی تو اس نے سکون کا سانس لیا تھا، اس نے ہاتھ میں [illegible] ریسٹ واچ میں ٹائم دیکھا تو اس کی وین کے آنے میں ابھی پورا ایک گھنٹہ باقی تھا، کیونکہ دوسرے سیکشن کی کلاس چل رہی تھی، پھر [illegible] آف ہونا تھی اور اسی حساب سے وین والے [illegible] تھا، اسے لائبریری سے کچھ کتابیں ایشو [illegible]

میں اپنے لئے بھی اور زین کے لئے بھی، سو وہ وہاں سے نکل کر لائبریری کی طرف چلی آئی تھی، یہ گرمیوں کے دن تھے، لائبریری میں جانے کے دو راستے تھے، ایک وہ جو پچھلے لان سے گزر کر آتا تھا اور دوسرا وہ جو یونی کے گراؤنڈ کو طے کر کے سیدھا لائبریری کی انٹرنس میں جا رکتا تھا، اس نے گراؤنڈ والا راستہ چنا تھا، کیونکہ یہی بات اچھی تھی کہ پچھلے لان میں اکیلے جانے کی ہمت اس میں ابھی نہیں تھی، وہ باہر گراؤنڈ میں آئی تو شاہ خاور کی کرنوں نے اس شہد رنگ بالوں والی لڑکی کے ماتھے کا بوسہ دے کر اسے خوش آمدید کہا تھا، وہ مسکراتی ہوئی اسے چھو کر آگے کو نکل گئی تھی۔

یونی کی لائبریری کو خاصے وسیع رقبے پہ بنایا گیا تھا وہ اوپر نیچے دو پورشنز میں بنائی گئی تھی، نیچے کے حصے میں سٹنگ ایریا بھی تھا۔

اور کچھ کتابوں کے شلیف بھی اور لائبریری کو ڈیسک بھی وہیں تھی اور پھر وہیں سے سیڑھیاں اوپر کے پورشن کو جاتیں تھیں، اوپر کے حصے میں بیٹھنے کی جگہ کم تھی، کتابیں کے شلیف زیادہ، اسٹوڈنٹس اوپر سے کتابیں لا کر لائبریری سے ایشو کروا کر ساتھ لے جاتے تھے یا یہیں بیٹھ کر پڑھتے تھے، میرب کو جو کتابیں چاہیں تھیں، لائبریری کے مطابق وہ اوپر والے پورشن کے شلیف میں تھیں، سو وہ اوپر چلی جائے، وہ اثبات میں سر ہلا کر سیڑھیوں کی طرف آ گئی تھی، ابھی وہ فقط دو اسٹیپ ہی چڑھی تھی کہ اس کے ہاتھ میں تھامی فائل سے کچھ کاغذات پھسل کر گرے تھے، میرب نے جھک کر وہ پیپرز اٹھائے اور ابھی وہ سیدھی ہوئی ہی تھی کہ اوپر سے آنے والے کسی شخص سے بری طرح سے ٹکرائی تھی، جو بہت تیزی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آ رہا تھا اور اس ٹکراؤ کے نتیجے میں اس شخص کی ٹائی میں لگی ٹائی پن میں جڑے نگ اس کی صبیح پیشانی پہ بری طرح سے خراش ڈال گئے تھے۔

''اف۔'' اس نے بے ساختہ ہی پیشانی پہ ہاتھ رکھا تھا۔

''آپ دیکھ کر نہیں.....'' وہ غصے سے کہتی ہوئی سیدھی ہوئی تو نظریں اپنے سے دو سیڑھی اوپر کھڑے سر حیدر سے جا ٹکرائیں تھیں، لبوں سے نکلتے الفاظ نے وہیں دم توڑ دیا تھا۔

''سو..... کیا آپ ہمیشہ ہی اتنی بے دھیانی اور جلدی میں رہتی ہیں مس میرب۔'' وہ اب سینے پہ بازو لپیٹے اس سے پوچھ رہا تھا، ہمیشہ کی طرح وہ سیاہ ڈریس پینٹ اور سیاہ ہی شرٹ میں ملبوس تھا، جس پہ اس نے میرون گرے لائنوں والی ٹائی لگا رکھی تھی، جس میں سامنے وہ ٹائی پن لگی تھی، جس کے درمیان میں تین چھوٹے چھوٹے نگ سے جڑے تھے، جو ابھی اس کی پیشانی پہ نشان ڈال گئے تھے۔

''وہ سر..... نہیں تو..... وہ میں..... آئی ایم سوری سر۔'' کچھ اور نہ سوجھا تو اس نے آگے سے سوری ہی کہہ دیا، حالانکہ غلطی اس کی نہیں تھی، وہ نیچے سے آ رہی تھی، انہیں اوپر سے آتے ہوئے دیکھنا چاہیے تھا۔

اب وہ انہیں تو یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ سر غلطی آپ کی ہے اور نہ ہی یہ کہہ سکتی تھی کہ میرے دھیان کے سب چڑیا کبوتر گھوڑے گدھے تو آپ کو دیکھ کر دم دبا کر بھاگ جاتے ہیں۔

''زندگی میں اتنی غلطیاں نہیں کرتے میرب کہ سارا وقت ہی ان کی معافی تلافی میں گزر جائے اور نہ ہی ہر مقام پہ آپکو کوئی سنبھالنے والا ملتا ہے، آئندہ خیال رکھیے گا۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر اس کے پاس سے گزر کر سیڑھیاں اتر گیا تھا، لمحہ بھر کی بات تھی اور مردانہ کلون کی خوشبو نے

میرب کو پوری طرح سے اپنے حصار میں لے لیا تھا، اس کی مشام جاں مہک سی گئی تھی، ہوتے ہیں نا کچھ لوگ ایسے کہ جن کو دل میں اترنے کا فن آتا ہے تو بس حیدر کو بھی وہی فن آتا تھا اور شاید وہ اس سے ابھی بے خبر تھا۔

''بائی دے وے میرب، آپ کی پیشانی پہ چوٹ آئی ہے، اس پہ کچھ لگا لیجئے گا اور اس میں میری غلطی تھی، آئی ایم سوری فار دیٹ۔'' وہ چند قدم چل کر ایڑیوں کے بل گھوما تھا اور اپنی ہی سوچوں میں گم کھڑی میرب کی پیشانی کی طرف ابرو سے اشارہ کر کے کہا تھا، جس پہ اب ہلکی سی سرخی نظر آنے لگی تھی، جانے کیا تھا اس لمحے میں اور حیدر کے لفظوں میں کہ میرب فقط اثبات میں سر ہلا کر کتنے ہی لمحے خاموشی سے وہیں کھڑی رہی تھی اور بے نیازی سے لائبریری سے باہر جاتے ہوئے حیدر نے کسی کی نگاہوں کی تپش کو کتنے ہی لمحے اپنی پشت پہ محسوس کیا تھا، اگلے دن کلاس میں آتے ہی سر حیدر کی نگاہ دوسری رو کی تیسری چیئر پہ بیٹھی میرب سے جا ملی تھی، جس کی صبیح پیشانی پہ وہ رگڑ کا نشان اب قدرے واضح نظر آ رہا تھا، وہ اسی پل نگاہ چرا کر اپنے لیکچر میں مصروف ہو گئے تھے اور میرب کی نگاہیں آج بھی پورا وقت ان کی ٹائی پن میں گڑی رہیں تھیں، اس دن میرب نے حیدر کے لیکچر کا ایک لفظ بھی نہ سنا تھا نہ لکھا تھا، سمجھنا تو بہت دور کی بات ہے۔

☆☆☆

''میرب کیا کر رہی ہو بیٹا؟'' دو دن بعد اس کا پہلا پیپر تھا اور وہ پوری طرح اس کی تیاری میں مصروف تھی، تبھی امی نے آ کر پوچھا تھا۔

''پڑھ رہی ہوں امی، پرسوں میرا پیپر ہے۔'' اس نے ہاتھ میں تھامے نوٹس پر سے پل بھر کو نگاہ ہٹائی ان کی طرف دیکھا اور پھر سے نگاہ جھکائی تھی۔

''تمہارے کون سے کپڑے نکالوں پہننے کے لئے، تمہیں یاد ہے نا آج اسماء کی شادی ہے، تمہاری تائی کی بھتیجی کی اور پانچ بجے تک ہمیں نکلنا ہے، دو گھنٹے تو راستے میں ہی لگ جاتے ہیں۔'' امی اپنی ہی دھن میں کہتی ہوئی اس کی وارڈ روب کی طرف بڑھیں تھیں، تاکہ اس کے کپڑے نکال کر ملازمہ سے استری کروا سکیں۔

''امی میں کسی شادی میں نہیں جا رہی ہوں بھئی، مجھے پڑھنا ہے، میری ابھی تک کوئی تیاری نہیں ہے، آپ لوگ چلے جائیں۔'' وہ قطعی انداز میں کہتی ہوئی سیدھی ہو بیٹھی تھی، نوٹس ایک طرف رکھے اور بکھرے بالوں کو سمیٹ کر کیچر میں جکڑا تھا۔

''کیا کہا میں نہیں جا رہی ہوں، انس بھی گھر پہ نہیں ہے اور میں اور تمہارے بابا دونوں جا رہے ہیں تم اکیلی کیسے رہو گی گھر پہ اور پیپر کی تیاری کی تم نے اچھی کی بھی، سارا سال کیا کیا ہے جو ابھی تک تمہاری کوئی تیاری نہیں ہے، میں کچھ نہیں جانتی ہوں، تم ہمارے ساتھ چل رہی ہو، میں نے کہہ دیا ہے بس۔'' وہ وارڈ روب چھوڑ کر غصے سے کہتی ہوئی اس کے پاس آ کھڑی ہوئیں تھیں، میرب اچھی طرح جانتی تھی کہ امی کا غصہ کتنا جلالی ہوتا ہے مگر اسے اس بورنگ سی شادی میں قطعی نہیں جانا تھا، کل بھی وہ صرف امی کو ناراضگی کے خیال سے ہی مہندی میں گئی تھی اور سارا ٹائم بور ہی ہوتی رہی، کیونکہ اس کا سارا دھیان اپنی پڑھائی کی طرف تھا، پھر لوٹتے لوٹتے رات کا ایک بج گیا۔

دراصل تائی کی بھتیجی کی شادی تھی اور وہ لوگ شادی اپنے آبائی گاؤں میں اپنے آبائی گھر سے کر رہے تھے، جو کہ شہر سے تقریباً دو گھنٹے

اکیلا گھر پہ چھوڑ کر نہیں جا سکتیں تھیں اور انس بھی آج کل اپنے سمسٹرز بریک ہونے کی وجہ سے دوستوں کے ساتھ ناردرن ایریاز کی سیر کو گیا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے بھئی کس بات پہ ماں بیٹی میں بحث ہو رہی ہے۔" آج چونکہ اتوار تھا اس لئے بابا گھر پہ ہی تھے، ابھی کھلے دروازے سے باہر تک آتیں ان کی آوازیں سن کر اندر چلے آئے تھے۔

"چلیں آپ بھی سن لیں اپنی صاحب زادی کے فرمان، کہہ رہی ہیں کہ مجھے آپ لوگوں کے ساتھ نہیں جانا، گھر پہ رہ کر پڑھائی کرنی ہے۔" جواباً امی نے اسے گھور کر دیکھا اور بابا کو پوری بات بتا دی تھی۔

"خیر آپ کی امی غلط تو نہیں کہہ رہی ہیں بیٹا، ہم کوشش کر کے جلدی آ جائیں گے، اگر جانا ضروری نہ ہوتا تو میں رک جاتا آپ کے ساتھ مگر آپ کو اکیلا قطعی نہیں چھوڑ سکتے بیٹا، انس ہوتا تو کوئی مسئلہ نہیں تھا، دونوں رک جاتے۔" بابا نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اسے سمجھایا تو جواباً وہ خاموش رہی تھی۔

"میں بھی تو یہی کہہ رہی ہوں، مگر اس کی سمجھ میں کب کچھ آتا ہے۔" امی ابھی بھی خفگی سے بولیں تھیں۔

"بابا میرے پاس ایک آئیڈیا ہے اگر آپ کو برا نہ لگے تو۔" اس نے دھیرے سے بابا کے قریب کھسک کر سرگوشی سی کی تھی، مبادا امی سن لیں اور غصے سے پہلے ہی منع کر دیں۔

"وہ کیا؟" بابا نے بھنوئیں اچکا کر اس کے انداز میں ہی دھیمے سے پوچھا تھا۔

وقت مجھے تمکین کی طرف ڈراپ کر دیں اور واپسی پہ پک کر لیں، وہ کئی دنوں سے کمبائن اسٹڈی کا کہہ رہی ہے مگر میں نے منع کر دیا تھا، اب اس طرح سے میری پڑھائی کا حرج بھی نہیں ہو گا اور آپ لوگوں کو میرے اکیلے پن کی پریشانی بھی نہیں ہو گی۔" اس نے جلدی سے انہیں کہہ دیا تھا، امی کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا، بابا اس کی بات سن کر عجیب تذبذب کا شکار لگ رہے تھے، جیسے فیصلہ نہ کر پا رہے ہوں، کہ اس طرح سے اتنی دیر کے لئے اسے اس کی دوست کے گھر چھوڑنا ٹھیک ہو گا، کیونکہ پہلے کبھی ایسا ہوا نہیں تھا۔

"اماں پلیز نا، آپ تو تمکین کو اس کی امی کو اچھے سے جانتی ہیں، کئی بار تو آپ میرے ساتھ ان کے گھر جا چکی ہیں، پلیز نا، بس آج کے لئے پلیز۔" اب کے وہ امی کی طرف کھسک آئی تھی، وہ کسی طور بھی وہاں جا کر مہندی والے دن کی طرح سعد اور اس کے کزنز کی چھچھوری حرکتیں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"ہاں وہ تو سچ ہے، وہ بہت اچھی بچی ہے اور اس کی امی بھی بہت سلجھی ہوئی خاتون ہیں، مگر اس طرح سے۔" انہوں نے پرسوچ انداز میں شوہر کی طرف دیکھا تھا۔

"امی میں کون سا دنوں کے لئے جا رہی ہوں، بس چند گھنٹوں کی تو بات ہے پھر آپ لوگ جلدی آنے کی کوشش کیجئے گا، پلیز اب مان جائیں دونوں۔" میرب نے دونوں کی طرف دیکھ کر کہا تھا، چہرے پہ اتنی معصومیت تھی کہ ہمیشہ کی طرح فوراً ہی بابا کا دل پسیجا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے، تم ہمارے ساتھ نہیں جانا چاہ رہیں تو تمکین کی طرف چلی جاؤ مگر پہلے اس کو

ہو۔"

"تھینک یو بابا..... تھینک یو سو مچ۔" وہ فوراً ہی کھسک کر بابا سے لپٹ گئی تھی، بابا نے بے اختیار ہی اس کے بالوں کا بوسہ لیا تھا۔

"لیکن میرب، یہ پہلی اور آخری بار ہے سمجھیں۔" بابا کے اشارہ کرنے پہ اماں بھی مان گئیں تھیں، مگر ساتھ اسے تنبیہ کرنا نہیں بھولیں تھیں، اس نے سعادت مندی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"فون ملاؤ میں خود نگین کی امی سے بات کرتی ہوں۔" امی کے کہنے پہ وہ نگین کا نمبر ڈائل کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

اس نے وائٹ پاجامے کے ساتھ وائٹ ہی کاٹن نیٹ کی شرٹ پہنی تھی، جس کے گلے پہ سلور اور ریڈ ہلکی سی نہایت نفیس کڑھائی تھی، دوپٹہ بھی ریڈ ہی تھا، بالوں کو فرنچ ناٹ میں باندھ لیا تھا، آنکھوں پہ ہلکا سا آئی لائنر لگایا اور لبوں پہ ہلکا سا پنک گلوس، آئینے میں ایک نگاہ خود پہ ڈالی اور مطمئن ہو کر پرفیوم اٹھا لیا تھا اور خود کو جیسے خوشبو میں قید کر لیا تھا، وہ ایسی ہی خوشبو کی دیوانی تھی، بے دریغ پرفیوم کا استعمال کرتی تھی، اب وہ مکمل تیار تھی، اپنے بیگ میں اس نے اپنی کتابیں نوٹس اور لیپ ٹاپ رکھ لیا تھا، امی اور بابا اس کی بات مان کر اسے نگین کے گھر چھوڑنے جا رہے تھے اور جانے کیوں میرب کا دل عجیب بے ہنگم انداز میں دھڑک رہا تھا، حالانکہ وہ کوئی پہلی بار تو نگین کے گھر نہیں جا رہی تھی۔

"پھر کیوں۔" لمحہ بھر کو رک اس نے خود سے پوچھا تھا اور جو جواب ملا اس سے نگاہ چرا کر وہ کمرے سے باہر چلی آئی تھی، جہاں آج موسم معطر سی تھی، پندرہ منٹ میں وہ لوگ نگین کی طرف پہنچ گئے تھے، دروازہ راحم نے کھولا تھا۔

"السلام علیکم راحم بھائی، نگین ہے؟" میرب نے اسے سلام کر کے نگین کا پوچھا تھا، نگین سے بڑا اور حیدر سے چھوٹا تھا۔

"ہاں نگین اندر ہے، آپ آیئے پلیز۔" اس نے ایک طرف کو ہٹ کر انہیں اندر آنے کا کہا، اماں بھی اس کے ساتھ ہی اندر چلی آئیں تھیں، بابا البتہ باہر گاڑی میں تھے، انہوں نے یہاں سے سیدھا ہی شادی کے لئے نکل جانا تھا۔

"ارے اس میں زحمت کیسی، جیسے نگین میری بیٹی ہے ویسے ہی میرب بھی میری بیٹی ہے، آپ لوگ بے فکر ہو کر جائیں، سمجھئے کہ وہ اپنے ہی گھر میں ہے، فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے، چند گھنٹوں کی تو بات ہے، آپ اتنا کیوں پریشان ہو رہی ہیں، آج کل کے بچے تو اس طرح سے دوستوں کے گھر رک جاتے ہیں۔" اماں کی پریشانی اور فکر مندی کو دیکھ کر نگین کی امی نے انہیں اچھی طرح مطمئن کیا تھا، امی تسلی کر کے گئیں تو وہ نگین کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

☆☆☆

"ہوں کمرہ کافی اچھا ہے تمہارا۔" اس نے نگین کے کمرے کا اچھی طرح سے جائزہ لینے کے بعد کہا تھا۔

"کون سا تم پہلی بار دیکھ رہی ہو، پہلے بھی کئی بار آ چکی ہو۔" نگین نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھول دی تھی، جہاں اب ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی تھی ہوا اب بھی معطر تھی۔

"ہاں دیکھ تو چکی ہوں، مگر تم نے شاید

نے بیڈ ... فریم اٹھا لیا
وہ ان کی فیملی فوٹو تھی۔ ان کے بابا بھی
یہاں میں تھے اور تمکین بھی کافی چھوٹی لگ رہی
تھی اور دائیں طرف کھڑے شخص کو وہ پل بھر میں
پہچان گئی تھی، وہ سر حیدر تھے گو کہ تصویر میں ان
کے چہرے پہ داڑھی بھی نہیں تھی، مگر ان کی کھڑی
ناک اور بولتی آنکھیں وہی تھیں اور نمایاں چیز ان
کے لبوں پہ پھیلی مسکراہٹ تھی، جو ان کے چہرے
کو خوبصورت بنا رہی تھی، میرب نے ان کو کبھی
بھی اس طرح سے مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا تھا،
مسکراتے ہوئے بھی بہت کم دیکھا تھا، تصویر
میں ان کا چہرہ کلین شیوڈ تھا، جبکہ اب ہمہ وقت
ان کے چہرے پہ ہلکی داڑھی بھی رہتی تھی۔

"یہ ہماری فیملی فوٹو ہے، یہ بابا ہیں، یہ امی، یہ راحم اور یہ حیدر بھائی اور یہ میں دیکھو تو کیسی لگ رہی ہوں نا۔" تمکین نے آ کر واپس اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی، میرب جیسے چونک کر کسی ٹرانس سے نکلی تھی۔

"تم اب بھی ہونق ہی ہو، یہ محض تمہاری خوش فہمی ہے کہ تم اب بدل گئی ہو۔" میرب نے ہنس کر اسے کہا تو جواب میں تمکین نے وہی فریم اس کے بازو پہ دے مارا تھا، وہ سی کر کے رہ گئی تھی۔

"اب چائے وائے بھی پلا دو ظالم لڑکی یا صرف ظلم ہی کرتی رہو گی، مہمان ہوں تمہاری کچھ تو خیال کرو۔" میرب نے دہائی دی تو تمکین ہنس دی تھی۔

"ابھی لاتی ہوں چائے بھی اور ساتھ میں پکوڑے بھی، دیکھو تو موسم کتنا اچھا ہو گیا ہے میرب میں سچ میں بہت خوش ہوں کہ تم آج اتنی دور کے لئے یہاں آئی ہو، سچ میں ہم پڑھائی کے ساتھ بہت مزہ بھی کریں گے۔" تمکین کے چہرے پہ خوشی صاف دکھائی دے جاتی تھی، جسے میرب نے فوراً محسوس کر لیا تھا، کیونکہ وہ کافی عرصے سے میرب سے کہہ رہی تھی کہ یہاں اسٹڈی کے لئے مگر ہمیشہ میرب منع کر دیتی تھی۔

"ہاں تو میں نے سوچا آج تمہیں خوش کر دوں اور اپنی عنایات میں ذرا کم ہی کرتی ہوں، مگر تم کیا یاد کرو گی، دوستی کا حق ادا کر دیا میں نے۔" کہہ کر وہ ہنس دی۔

☆☆☆

اس نے اپنی یادوں کو کبھی ماضی بننے ہی نہیں دیا تھا، کیونکہ وہ بننے دینا چاہتا ہی نہیں تھا، اسے اچھا لگتا تھا آج بھی ان یادوں میں رہنا، ان میں زندگی گزارنا، ان کو محسوس کرنا، ان میں جینا، وہ آج پھر وہیں موجود تھا، اسی شہر خموشاں میں، جہاں شاید آ کر اس کی زندگی رک سی گئی تھی، ٹھہر سی گئی تھی، سرخ گلاب اسے پسند تھے تا اس نے آج بھی اس کی قبر کو سرخ گلابوں سے ڈھک دیا تھا، مٹی کے ساتھ ساتھ گلابوں کی خوشبو بھی اعصاب پہ چھا رہی تھی، وہ وہیں بیٹھا تھا، ہمیشہ کی طرح اس قبر کے کنارے ذرا سا ترچھا ہو کر جیسے ہمیشہ بیٹھا کرتا تھا۔

آج اس کی پلکوں کے ساتھ ساتھ آسمان بھی بھیگا بھیگا سا تھا، گیلی مٹی پہ رکھے اس کے ہاتھ کی پشت پہ بارش کی بوند گری تو اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا تھا، جہاں پہ کالے بادلوں کا بسیرا تھا، ہوا اب تھم سی گئی تھی، اس کی پلکوں پہ کتنے ہی بارش کے قطرے آن ٹھہرے تھے۔

"دیکھو تو بارش آنے والی ہے اور تم یوں خاموش لیٹی ہو، تم تو دیوانی تھی بارش کی۔" اس کے لب سرگوشی میں ہلے تھے، وہ جانتا تھا کہ یہ سرگوشی اس کے دل کی آواز بن کر اس تک پہنچ

"بیٹا بارش آنے والی ہے اب گھر جاؤ
ہے آج جم کر برسے گا۔" پاس سے گزرتے
بوڑھے گورکن نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر
اس سے کہا تھا، اس نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔
"اسے اکیلا کیسے چھوڑ جاؤں، بجلی کڑکے گی
تو وہ ڈر جائے گی نا۔" کہتے ہی مناظر اس کی
آنکھوں کے سامنے لہرائے تھے، آنکھوں میں
اذیت تھی، مگر لب خاموش تھے، دل آج بھی دکھ
سے درد سے پھٹا جا رہا تھا، مگر لب چپ تھے۔

"اٹھو بیٹا شاباش گھر جاؤ، اتنی دیر تک قبر
کے پاس نہیں بیٹھا کرتے مردے کو تکلیف ہوتی
ہے۔" گورکن نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"اسے مردہ نہ کہیں۔" بے ساختہ ہی اس
کے لبوں سے نکلا تھا۔

اسے آج بھی یہ لفظ اس کے لیے سن کر
تکلیف ہوتی تھی، وہ تو آج بھی روز اول کی طرح
اس کے دل کے تمام نہاں خانوں میں روشن تھی،
زندہ تھی، بھلے دنیا کی نگاہ سے اوجھل تھی، مر چکی
تھی۔

"مردے کو مردہ نہ کہوں تو اور کیا کہوں،
کون تھی وہ بیٹا؟ مگر ایک بات ہے جو بھی تھی بہت
خوش نصیب تھی، جو تم روز یہاں آتے ہو اس کی
خبر گیری کو، وگرنہ یہاں تو سالوں گزر جاتے ہیں
اور کوئی آ کر اپنے پیاروں کی خبر تک نہیں لیتا، لیکن
بیٹا تم تم سمجھدار لگتے ہو، پڑھے لکھے ہو، مرنے
والوں کے ساتھ مرا نہیں کرتے ہیں روز یہاں آؤ
گے تو اس قبرستان کی طرح ہی ویران ہو جاؤ گے،
جاؤ اپنی دنیا میں لوٹ جاؤ اور آگے بڑھنے کی
کوشش کرو، اس میں بہتری ہے۔" بوڑھا گورکن
اسے سمجھا کر آگے بڑھ گیا تھا، مگر اس کا ذہن ایک
ہی سوال میں اٹک سا گیا تھا۔

سمجھا نہ سکوں، میرا دل، میری روح، میری...
میری چاہت، میرے جذبات،
احساسات، سب اس قبر میں زاریہ شیرازی کے
ساتھ اس قبر میں دفن ہیں، میں یہاں آنا نہیں
چھوڑ سکتا اور میں جانتا ہوں کہ وہ بھی میرا انتظار
کرتی ہے، وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا
شہر خموشاں سے باہر نکل آیا تھا، بارش قدرے تھم
چکی تھی، ہوا اب بھی بند تھی۔

☆☆☆

چائے پینے کے بعد وہ دونوں بڑی شرافت
سے پڑھائی میں مصروف ہو گئیں تھیں، تب سے
اب تک وہ دونوں نگین کے کمرے میں ہی تھیں
اور کسی نے بھی انہیں ڈسٹرب نہیں کیا تھا، وہ تقریباً
پانچ کے قریب یہاں آئی تھی اور اب آٹھ بجنے
والے تھے اماں اور بابا خیریت سے پہنچ گئے تھے
ان کی کال آ گئی تھی۔

"اف یار میں تو تھک گئی ہوں، سر میں درد
ہونے لگا ہے۔" نگین نے اکڑی ہوئی گردن
دونوں ہاتھوں سے دبایا تھا۔

"ہاں یار واقعی، تھک تو میں بھی گئی ہوں۔"
میرب نے بھی اس سے اتفاق کیا تھا۔

"وہ نگین باہر بارش تو بہت تیز ہو گئی ہے۔"
یکدم ہی میرب کی نگاہ کھڑکی سے پار گئی تو باہر
برستی بارش کو دیکھ کر اس کے لہجے میں پریشانی
آئی تھی، سہ پہر سے برسنے والی بارش اب
قدرے تیز ہو گئی تھی اور ساتھ چلنے والی ہوا بھی
طوفان کی شکل اختیار کر گئی تھی۔

"پریشان مت ہو ابھی رک جائے گی اور
کون سا باہر سڑک پہ بیٹھی ہو، اپنے ہی گھر میں
ہو۔" نگین نے اس کے چہرے پہ چھائی پریشانی

بارش ہمیشہ سے اسے پسند تھی مگر آج اس طرح سے گھر سے امی اور بابا سے دور اور ایسے کہ وہ دونوں شہر سے بھی باہر تھے اور رات گئے واپس آنا تھا، یہ سب باتیں اسے پریشان کر رہی تھیں، نگین ادھر اُدھر کی باتیں کر کے اس کا دھیان بٹانے لگی تھی، کچھ دیر بعد نگین اسے ساتھ لئے کچن میں آگئی تھی، تاکہ رات کا کھانا بنانے میں امی کی مدد کر سکے، ویسے بھی رات کا کھانا نگین ہی بناتی تھی، مگر آج چونکہ وہ میرب کے ساتھ مصروف تھی سو رات کا کھانا امی ہی بنا رہی تھیں، نگین کباب تلنے لگی تو میرب نے سلاد کی ٹوکری اپنے آگے کر لی تھی، کیونکہ اسے بس یہی بنانا آتا تھا، یونہی باتوں باتوں میں کھانا پک بھی گیا اور لگ بھی گیا، ڈائننگ ٹیبل پہ وہ اور نگین ایک ساتھ ہی بیٹھیں تھیں، جبکہ دوسری طرف آنٹی اور راحم تھے، سامنے والی چیئر خالی تھی۔

''السلام وعلیکم!'' مدہم آواز پہ میرب کا ہاتھ بے ساختہ ہی رک گیا تھا، اس نے ہاتھ میں تھاما چمچہ واپس پلیٹ میں رکھ دیا تھا، یہ گھر ان کا تھا اور وہ یہاں مہمان تھی وہ بھی محض چند گھنٹوں کی مگر اس وقت وہ ان کی یہاں موجودگی کی جانے کیوں امید نہیں کر رہی تھی، کیونکہ جب سے وہ آئی تھی وہ ایک بار بھی نظر نہیں آئے تھے البتہ راحم تب سے گھر پہ ہی تھا، جانے کیوں اس لمحے وہ بری طرح نروس ہو گئی تھی۔

''وعلیکم السلام! کہاں تھے بیٹے، آج بڑی دیر لگا دی، موسم بھی اتنا خراب ہو رہا تھا۔'' ان کے بیٹھتے ہی آنٹی نے بڑی نرمی سے ان سے پوچھا تھا۔

''جی امی ایک کام میں پھنس گیا تھا، اس لئے دیر ہو گئی۔'' اس نے ماں سے نگاہ ملانے سے پرہیز ہی کیا تھا، مگر پھر بھی ان کی آنکھوں کی سرخی ماں سے چھپی نہیں رہی تھی، لیکن امی نے اس وقت سب کے سامنے اسے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا تھا، اسی لیے اس کی نگاہ نگین کے ساتھ بیٹھی میرب پر پڑی تھی، جو اسے ہی دیکھ رہی تھی، حیدر نے بڑی حیرانگی سے اسے دیکھا تھا، نگین نے اس کی حیرانگی کو محسوس کر کے اسے بتایا کہ وہ نگین کے ساتھ اسٹڈی کے لئے آئی ہے، میرب کے سلام کا جواب دے کر وہ اثبات میں سر ہلا کر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، عجیب کھویا کھویا سا انداز تھا اس کا پتہ نہیں میرب کو ایسا محسوس ہوا تھا، سب نے ہی محسوس کیا تھا، میرب کو اس کا چہرہ ستا ہوا اور آنکھیں سرخ لگیں تھیں، جیسے کوئی روتا رہا ہو یا ضبط کی کڑی منزل سے گزر کر سب کے سامنے بیٹھا ہو۔

وہ پلیٹ میں ذرا سے چاول رکھے ان کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔

''لیکن مجھے تو ابھی تک یہ دونوں پڑھتی ہوئی نظر نہیں آئیں ہیں۔'' راحم کا انداز صاف چھیڑنے والا تھا، وہ نگین سے دو سال بڑا تھا اور اسی طرح اسے تنگ کرتا رہتا تھا، ابھی بھی مخاطب وہی تھی۔

''کیا مطلب بھائی، اتنی دیر سے ہم اور کیا کر رہے تھے اور آپ کو ہماری پڑھائی نظر ہی نہیں آئی ہے۔'' نگین جواباً چڑ کر اس پہ چڑھ دوڑی تھی۔

''کہاں..... پہلے تو ڈھیروں لوازمات کے ساتھ چائے پی گئی، پھر گوسپ پھر بارش کو انجوائے کیا گیا پھر کھانے پکانے کے بہانے کچن میں اور اب کھانا کھایا جا رہا ہے، پڑھائی تو بے چاری بیچ میں کہیں رہ گئی، کمبائن اسٹڈی تو لڑکیوں کے لئے گوسپ کا بہانہ ہوتا ہے بس۔''

راحم نے نگین کا چہرہ بڑے مزے سے دیکھا تھا۔

''اف اللہ راحم بھائی کتنے برے ہیں آپ، میں بتاؤں ذرا لڑکوں کی کمبائن اسٹڈی کیسی ہوتی ہے، امی دیکھیں نا دو منٹ ہم لان میں کیا گئے اتنی باتیں بنا ڈالیں اور جو ہم اتنی دیر سے مسلسل پڑھ رہے ہیں وہ نظر نہیں آرہا ہے، اب کیا کھانا بھی نہ کھائیں۔'' نگین بڑے بھائی کا لحاظ کر کے چپ تو ہوگئی مگر روہانسی سی بن کر امی سے شکایت کرنا نہ بھولی۔

''بری بات ہے راحم، مت تنگ کرو بہن کو۔'' اس کے پیار سے ڈپٹا تو وہ نگین کو منہ چڑھا گیا تھا، میرب ان کی نوک جھونک کو انجوائے کر رہی تھی، وہ اور انس بھی بالکل ایسے ہی لڑتے تھے۔

''ارے تم کہاں چلے کھانا تو کھاؤ بیٹے۔'' امی نے اسے پلیٹ کھسکا کر اٹھتے ہوئے دیکھا کر ہولے سے ٹوکا تھا، اس کی پلیٹ اسی طرح خالی اور صاف تھی، اور ایسا کب ہوتا تھا وہ اچھی طرح سے جانتی تھیں۔

''بس کھا چکا امی، نگین میں اسٹڈی میں ہوں کسی مدد کی ضرورت ہو تو آجانا اور میری کافی وہاں دے جانا۔'' اس نے ان دونوں پہ ایک نگاہ ڈال کر کہا تھا۔

''جی بھائی۔'' میرب کے دل میں ان آنکھوں کی سرخی گویا کھب کر رہ گئی تھی، ایک اسرار سا تھا ان کی شخصیت میں جو میرب جیسی لاابالی لڑکی کو بھی اپنی طرف کھینچ رہا تھا اور اسے وہ اسرار جاننا تھا، مگر کیسے۔

☆☆☆

کھانے کے بعد نگین سب کے لئے چائے بنا لائی تھی، حیدر کی کافی اس نے اسے اسٹڈی میں ہی دے دی تھی، ارحم نے اپنا مگ پکڑا اور اپنے کمرے میں چلا گیا تھا، لاؤنج میں اب میرب،

ساتھ ساتھ چائے بھی پی جا رہی تھی، باہر بارش نے اب طوفان کی شکل اختیار کر لی تھی، درختوں کی شاخیں اور بجلی کے کڑکنے کی آواز بھی اندر تک آرہی تھیں، لائٹ کب کی جا چکی تھی مگر گھر میں یو پی ایس کی سہولت کی وجہ سے محسوس نہیں ہو رہا تھا، موسم قدرے خنک ہوگیا تھا۔

میرب کی پریشانی اب چہرے سے صاف نظر آرہی تھی، اگر موسم کی یہی صورتحال رہی تو یقیناً امی اور بابا کو آنے میں پرابلم ہوسکتی تھی، گھنٹے کی ڈرائیو یوں بھی اس موسم میں ممکن نہ تھی اور گاؤں وغیرہ کے راستے بھی بہت خراب ہوتے ہیں، اب اس کے دل میں وسوسے اٹھنے لگے تھے، اتنی دیر سے وہ یہاں تھی، اب اسے عجیب لگنے لگا تھا، اسے خود پہ غصہ آرہا تھا اسے بھی ان لوگوں کے ساتھ چلے جانا چاہیے تھا، اس نے کیوں ضد کی یہاں آنے کی، اب اسے [illegible] سا لگ رہا تھا، وہ ان ہی سوچوں میں غلطاں بیٹھی تھی کہ تبھی اس کا سیل فون بجا تھا، اس نے چونک کر دیکھا تو اسکرین پہ بابا کالنگ جگمگا رہا تھا، اس نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔

''میرب بیٹے بارش بہت تیز ہے اور یہاں کے راستے بہت خراب ہیں، ڈرائیو کرنا مشکل ہے، بھائی صاحب ہمیں آنے نہیں دے رہے ہیں، ہم لوگ رات یہیں رک رہے ہیں۔'' شاید وہاں سگنل پرابلم تھی، بابا کی آواز کٹ کٹ کر آرہی تھی۔

''بیٹا تم بھی آج رات نگین کی طرف رک جاؤ، ہم لوگ صبح جتنا جلدی ہوسکا یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے اور پھر تمہیں پک کر لیں گے، پریشان نہ ہونا میرا بچہ، ہم دونوں ٹھیک ہیں بس اس طوفانی بارش میں نکلنا ٹھیک نہیں ہے

اپنی امی سے بات کرو۔" بابا نے اسے بتانے کے ساتھ ساتھ تسلی بھی دی تھی، جانتے تھے کہ وہ پریشان ہوگئی ہوگی چڑیا جتنا تو دل تھا اس کا۔

"امی وہ سب تو بالکل ٹھیک ہے مگر میں یہاں کیسے رک جاؤں؟" اب دوسری طرف امی تھیں اور وہ بھی اسے یہی سمجھا رہی تھیں، مگر میرب تذبذب کی کیفیت میں تھی، اسے بے حد عجیب لگ رہا تھا، وہ یہاں کیسے رک سکتی تھی، آنٹی اس کی طرف ہی متوجہ تھیں، وہ سمجھ گئیں تھیں کہ کیا بات ہے، انہوں نے اس کے ہاتھ سے فون لے لیا تھا۔

"آپ لوگ بالکل پریشان نہ ہوں، بلکہ میں تو ابھی خود میرب سے کہہ کر آپ لوگوں کو فون کرنے لگی تھی کہ ایسے موسم میں آپ لوگ وہاں سے نہ نکلیں، آپ لوگ اپنا خیال رکھیں بس اور میرب کی بالکل فکر نہ کریں، وہ اپنے ہی گھر میں ہے اور میری ذمہ داری ہے۔" دوسری طرف سے امی نے آنٹی کو اپنی مجبوری بتائی تو انہوں نے اچھی طرح سے انہیں مطمئن کر دیا تھا۔

"میرب یہاں آؤ بیٹے۔" انہوں نے سیل بند کر کے اسے دیتے ہوئے کہا تو وہ اٹھ کر ان کے پاس چلی آئی تھی۔

"بیٹے میں بھی تو تمہاری ماں جیسی ہوں نا، تو پھر اتنی پریشانی کیوں، اگر تم یہ سوچ کر فکر مند ہو کہ ہمیں زحمت ہوگی تو بیٹے اس بات کو ذہن سے نکال دو، میں نے کبھی تمہیں نگین سے الگ نہیں سمجھا ہے، تم اپنے والدین کی اجازت سے یہاں ہو اور پھر ان کی مجبوری بھی تو سمجھو نا، جاؤ جا کر انجوائے کرو، لڑکیاں تو ایسے موقع تلاش کرتی ہیں کہ وہ سب دوستوں کے ساتھ ٹائم گزار سکیں، دیکھو نگین تمہارے یہاں رکنے کا سن کر کیسے خوش ہو رہی ہے، چاہو تو میرے ساتھ میرے روم میں سو جاؤ۔"

"نہیں آنٹی پلیز مجھے شرمندہ نہ کریں، میں ٹھیک ہوں اور پریشان بھی نہیں ہوں، آپ جا کر آرام کریں، میں نگین کے ساتھ کمفرٹیبل رہوں گی۔" میرب ان کے خلوص کے سامنے شرمندہ ہوگئی تھی، وہ مطمئن ہو کر انہیں جلد سونے کی تاکید کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی، جہاں ابھی انہیں عشاء کی نماز بھی ادا کرنی تھی۔

"یا ہو، میرب تمہیں پتہ ہے میں سوچ رہی تھی کہ آج تمہیں یہاں روک لوں، پھر سوچا نہیں انکل آنٹی کو برا نہ لگے، مگر دیکھو اللہ نے کیسے میری سن لی۔" نگین اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی تھی۔

"چلو آؤ میرے کمرے میں چلتے ہیں، ایک بڑی اچھی رومینٹک مووی ڈاؤن لوڈ کر کے رکھی تھی کہ ایگزام کے بعد دیکھوں گی، مگر اب تم یہاں ہو تو آؤ مل کر دیکھتے ہیں۔" نگین نے ٹیبل سے چائے کے برتن سمیٹتے ہوئے کہا تھا، جواباً میرب کھل کر ہنس دی تھی۔

"میڈم آپ شاید بھول رہی ہیں کہ ہم یہاں کمبائن اسٹڈی کے لئے رکے ہیں اور اگر آپ کے اس چنگیز خان پروفیسر بھائی نے دیکھ لیا نا کہ ہم پڑھنے کی بجائے فلم دیکھ رہے ہیں اور وہ بھی رومینٹک تو پھر سوچ لیں آپ۔" میرب نے کھڑے ہو کر اس کے کندھے پہ بازو پھیلا کر آواز کو مدھم کر کے اسے ڈرانا چاہا تھا۔

"تو میڈم آپ بھی یاد رکھیں کہ ہم تیاری کر چکے ہیں، پیپر پرسوں ہے اور باقی کی تیاری ہم کل کر لیں گے، اب ہم دونوں ساتھ ہیں تو اتنی انجوائے منٹ تو بنتی ہے نا یار، اور رہے حیدر بھائی وہ اپنی اسٹڈی میں ہیں اور صبح سے پہلے اب وہاں سے نہیں نکلیں گے، تم بے فکر رہو۔"

نگین کو چونکہ بھائی کی روٹین کا پتہ تھا سو

اسے مطمئن کیا، کچن سیٹ کر کے اور لاؤنج کی لائٹ وغیرہ آف کر کے وہ دونوں کمرے میں چلی آئیں تھیں۔

☆☆☆

باہر بارش ابھی بھی ہو رہی تھی مگر اب اس کی رفتار میں قدرے کمی آ گئی تھی، اب ہوا کھل کر چلنے لگی تھی اور پھول پودے بھی نکھر سے گئے تھے، گلابوں کی خوشبو اندر تک آ کر مشام جان کو مہکا رہی تھی، موڈی کافی اچھی تھی، اچھا ٹائم گزر گیا تھا، اب نگین تو سو چکی تھی جبکہ میرب اس کے پاس نیم دراز سی جاگ رہی تھی، نئی جگہ تھی شاید اسی لئے سے نیند نہیں آ رہی تھی، اس نے سیل اٹھا کر ٹائم دیکھا تو رات کے دو بجنے والے تھے، وہ کتنی ہی دیر یونہی بے مقصد بیٹھی رہی سونے کی کوشش کی مگر بے سود نیند آنکھوں سے جیسے کوسوں دور تھی، وہ پھر سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی، اسے پیاس لگی تھی مگر سائیڈ ٹیبل پہ پانی موجود نہیں تھا، گلاس رکھا تھا مگر وہ دونوں ہی پانی رکھنا شاید بھول گئیں تھیں، اس نے نگین کو آواز دی مگر وہ بہت گہری نیند میں تھی، کسمسا کر کروٹ بدل گئی، میرب کچھ سوچ کر بیڈ سے اتر آئی تھی، پیروں میں نگین کے سلیپرز ڈال لئے، سائیڈ ٹیبل پہ ٹرے رکھی تھی، جس میں ایک خالی پلیٹ اور دو گلاس تھے، یہ نگین موڈی دیکھتے ہوئے چپس اور جوس لائی تھی، اس نے وہ ٹرے بھی اٹھائی یہ سوچ کر کہ کچن میں رکھ دے گی اور ساتھ پانی لے آئے گی، وہ آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی، باہر لاؤنج میں زیرو لیمپ کی ہلکی سی سرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی، وہ آہستہ سے چلتی ہوئی کچن میں آ گئی تھی، کچن کی لائٹ روشن تھی اور سامنے ہی کوکنگ رینج کے پاس کھڑے حیدر کو دیکھ کر وہ وہیں رک گئی تھی، وہ رات کے ڈھائی بجے اس کی کچن میں موجودگی کی

چی ہاتھ میں بوتل تھامے باہر نکلنے کو تھی کہ اسی
لمحے اندھیرا چھا گیا تھا، شاید یو پی ایس کی
چارجنگ ختم ہو گئی تھی اور وہ بند ہو گیا تھا، لائٹ
تو ابھی بھی نہیں آئی تھی، اردگرد مکمل اندھیرا چھا گیا
تھا، صرف چولہے میں جلتی آگ کا ننھا نیلا شعلا
ہی سی روشنی بکھیر رہا تھا۔

"اوہ لگتا ہے، یو پی ایس بند ہو گیا، آپ پلیز یہیں رکیں میں ابھی جنریٹر آن کرواتا ہوں۔" حیدر نے کچن کیبنٹ میں رکھی ٹارچ اٹھا کر روشن کی تھی، جو وہاں ضرور تار کھی رہتی تھی۔

"بس ایک منٹ ہاں۔" وہ کہہ کر پاس سے گزرنے لگا تو میرب نے بے ساختہ ہی اس کا بازو تھام لیا تھا۔

"پلیز سر آپ یہیں رکیں، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ دھڑکتے دل کے ساتھ ان کا بازو تھامے اس کے بے حد قریب کھڑی تھی، اس کے شہد رنگ بالوں سے اٹھتی مدھم خوشبو حیدر کو بہت قریب محسوس ہو رہی تھی۔

"ریلیکس میرب، اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے، ابھی جنریٹر آن ہو جائے گا۔" حیدر نے ایک نگاہ اس کے ڈرے چہرے پہ ڈال کر اسے تسلی دی تھی، اسی لمحے باہر چوکیدار نے جنریٹر آن کر دیا تھا، کچن پھر سے پورا روشنی میں نہا گیا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" وہ کمپوزڈ سا رخ پھیر گیا تھا۔

جبکہ اس لمحے میرب کا پورا وجود جیسے دل بن کر دھڑک رہا تھا، اسے اپنی ایک ایک نس ایک ایک پور سے دھک کی آواز آ رہی تھی۔

"دراصل میں اپنے لئے چائے بنانے آیا تھا آپ پئیں گی۔" چند لمحوں بعد اسے حیدر کی آواز سنائی دی تھی، وہ بڑے نارمل سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"جی ضرور، اگر آپ بنا رہے ہیں تو پی لوں گی۔" میرب نے جلد ہی خود پہ قابو پا لیا تھا۔

"اٹس اوکے ہو جاتا ہے اتفاق تھا، اب تم زیادہ دھک دھک مت کرو، مجھے اور کنفیوژ کر رہے ہو تم۔" اس نے زور سے دھڑکتے دل کو ڈانٹا تھا۔

جیسے بڑا زور چلتا تھا اس پہ، وہ میرب کی بات پہ اس وقت بھی کھلکھلا کر ہنسا تھا، وہ خفت سے مسکرا کر کچن کی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تھی، بارش اب ہلکی پھوار میں بدل گئی تھی، اس نے گرل سے ہاتھ باہر نکال کر اسے محسوس کرنا چاہا تھا، چند بوندیں ہوا کے زور پہ اس کی ہتھیلی پہ آن ٹھہریں تھیں۔

"آپ کو بارش پسند ہے؟" حیدر نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا تھا، جسے میرب نے شکریے کے ساتھ تھام لیا تھا، رات کا پہر، برستی بارش اور اس کھڑوس کے ہاتھ کی بنی چائے اور وہ بھی اس کے ساتھ پینا، میرب نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"بارش کسے پسند نہیں ہوتی ہے سر۔" میرب نے چائے کا سپ بھر کر اسے دیکھا تھا، چائے حد سے زیادہ اسٹرونگ تھی، اسے ایک گھونٹ سے ہی حلق تک کڑواہٹ محسوس ہو گئی تھی۔

"بہت سارے لوگوں کو نہیں بھی ہوتی ہے پسند، عجیب اداس سا کر دیتی ہے بارش، ایسا لگتا ہے کہ جیسے آسمان بھی اپنے دکھوں پہ رو رہا ہو۔" حیدر نے چائے کا مگ کچن کاؤنٹر پہ رکھ کر اس سے ٹیک لگا لی تھی، اب اس کا رخ کھڑکی کے پاس کھڑی میرب کی طرف تھا۔

ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ باتیں کر کے خود کو

ریلیکس کر رہا ہو، اس کی آنکھوں کے کنارے اب بھی ہلکے سرخ محسوس ہوتے تھے۔

"اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے بارش مجھ سے باتیں کرتی ہے، میرے سارے دکھ شکوے بارش کے سنگ بہہ جاتے ہیں، جیسے آسمان بارش کے بعد صاف ہو جاتا ہے نا، شفاف نیلا، ویسے ہی میں بھی خود کو ویسا ہی محسوس کرتی ہوں۔" میرب نے کھڑکی کی گرل سے نظر آتے آسمان کو دیکھا تھا، جہاں اب بادل ٹکڑوں کی صورت میں ایک دوسرے کے پیچھے تیزی سے بھاگ رہے تھے، جیسے کہیں اور جل تھل کی تیاری ہو۔

"تمہیں پتہ ہے زونی، بارش مجھ سے باتیں کرتی ہے، اس کی یہ جل تھل مجھے گیت سناتی ہے، میرے کانوں میں نغمے گنگناتی ہے، اس کی یہ بوندیں میرے ساتھ رقص کرتیں ہیں، جھومتی ہیں۔" اس لمحے اس کی نگاہوں میں بارش میں گول گول چکر کھاتا ایک سہانا روپ اتر آیا تھا، چہرہ آسمان کی طرف اٹھائے، بارش کی کتنی ہی بوندیں اس کے رخساروں کے بوسے لے رہیں تھیں۔

"تم تو پیدائشی پاگل ہو، بھلا بارش بھی کبھی کسی سے باتیں کرتی ہے کیا، بارش صرف گندگی پھیلاتی ہے، کیچڑ، کیڑے مکوڑے، بجلی کی قلت کا عذاب اور تمہیں بارش نغمے سناتی ہے ہاہاہا۔" وہ اسے ہمیشہ طرح چڑا رہا تھا، وہ بارش سے جتنا چڑتا تھا وہ بارش کی اتنی ہی دیوانی تھی، ہر پاکستانی کی طرح اسے بھی صرف بارش کے نقصانات ہی نظر آتے تھے، مگر بارش کی خوبصورتی نہیں مگر سچ بھی یہی تھے، وسائل کے فقدان کی وجہ سے ہمارے ملک میں بارش کی اصل خوبصورتی کہیں چھپ سی گئی ہے، وہ رحمت کی بجائے زحمت بن جاتی ہے اور اس بات پہ وہ ہمیشہ اس سے خفا ہو گئی تھی۔

"زاریہ.....!" اب وہ اسے پکارتا اس کے پیچھے پیچھے پھر رہا تھا۔

"آپ نے کچھ کہا سر۔" میرب کی آواز اسے واپس کھینچ لائی تھی۔

"آں ہاں، نہیں تو۔" وہ چونک کر جیسے خواب سے جاگا تھا، میرب نے اس لئے اس زیر لب بڑبڑاہٹ بہت واضح سنی تھی۔

"سر آپ ٹھیک ہیں۔" میرب نے سامنے ٹیبل پہ رکھا اور اس کے قریب آ کر جھک پوچھا تھا۔

"ہوں میں ٹھیک ہوں، رات بہت ہو ہے آپ جا کر سو جائیں۔" یکدم ہی وہ اجنبی میں کہہ کر کچن سے باہر نکل گیا تھا اور اس کا جا کا کپ یونہی کچن کاؤنٹر پہ دھرا تھا، میرب بہت حیرت سے اس پل پل رنگ بدلتے دیکھا تھا، ایسا کیا تھا جو اسے حال میں جینے دیتا تھا، وہ کون سا ایسا اسرار تھا جو اس کی آنکھوں میں سرخی بن کر چھلکتا تھا اور کی ضبط آزماتا تھا میرب کے دل میں خواہش ابھری تھی کہ وہ اس کے بارے میں جانے کس سے پوچھے۔

"نگین.....!" یکدم ہی اسے خیال فوراً ہی کچن سے نکل کر اس کے کمرے تھی، جہاں نگین اسی طرح بہت گہری نیند جیسے وہ چھوڑ کر گئی تھی۔

"نگین..... نگین۔" اس نے آہستہ اسے آواز دے کر جگایا تھا۔

"نگین اٹھو نا یار۔" وہ صبح تک کا انتظار کر سکتی تھی۔

"کیا ہے یار سونے دو۔" نگین میں کہہ کر کروٹ بدلی تھی، میرب نے

"کیا ہوا ہے میرب..... تم ٹھیک ہو۔" نگین کے حواس نے جیسے ہی کام کرنا شروع کیا اس نے پاس بیٹھی میرب سے پریشانی سے پوچھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں، تم سے کچھ پوچھنا ہے۔"

"پوچھنا ہے کیا، وہ بھی اس وقت۔" نگین نے مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

"زاریہ..... زاریہ کون ہے نگین۔" میرب کے سوال نے اس لمحے نگین کے تمام حواسوں کو اچھی طرح سے بیدار کر دیا تھا۔

☆☆☆

زاریہ شیرازی جب محض دس سال کی تھی تو اچانک ہی اس کے پاپا کی ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو گئی، ایکسیڈنٹ اتنا شدید تھا کہ وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے اور گھر چار لوگوں کے کندھوں پہ ہی آئے، وہ اپنے والدین کی اکلوتی اور لاڈلی اولاد تھی، اس کے چھوٹے سے ذہن کے لئے اس اچانک ملنے والے صدمے کو قبول کرنا بہت مشکل تھا، اس طرح اچانک سے پاپا کا ان کی زندگی سے چلے جانا اس کا چھوٹا سا دل قبول نہیں کر رہا تھا، وہ بار بار ماما سے ایک ہی سوال کرتی تھی کہ اس کے پاپا کب آئیں گے اور یہ اتنے سارے لوگ مل کر ان کو کہاں لے گئے ہیں اور ماما چاہنے والے ہمسفر کی جدائی سے نڈھال اسے سینے سے لگا کر رو پڑتی تھیں اور وہ اس لمحے ان کے ممتا بھرے سینے سے لگ کر ان کی ہچکیوں کو اندر تک محسوس کرتی تھی اور پھر خود بھی رو پڑتی تھی، دادا، دادی الگ نڈھال تھے، جوان بیٹے کی موت نے انہیں جیتے جی قبر میں اتار دیا تھا، وہ بھلا اب اس عمر میں کسی کا سہارا کیا بنتے اور رہے چاچا اور چاچی وہ چار دن سوگ کے بعد اپنی زندگی میں مصروف ہو چکے تھے، زاریہ کے پاپا بہت اچھی پوسٹ پہ تھے اور ان کی آمدنی سے ہی گھر کے زیادہ تر اخراجات پورے ہوتے تھے، چاچا جو بھی کماتے تھے وہ بس ان کی اپنی فیملی پہ ہی پورا ہو جاتا تھا، اس لئے جب آمدن میں خاطر خواہ کمی ہوئی اور اخراجات وہی منہ پھاڑے کھڑے رہے تو چاچی کا رویہ ان دونوں سے خود بخود ہی بدلنے لگا، انہیں وہ دونوں بوجھ لگنے لگیں، بوڑھے ساس سسر کا اگر کوئی اور ٹھکانہ ہوتا تو وہ انہیں بھی یقیناً نکال باہر کرتیں، مگر اس معاملے میں مجبور تھیں، سو سارا زور ان دونوں ماں بیٹی پہ ہی چلتا تھا، وہ دونوں بھی کیا کرتیں، بس بے بسی سے خاموشی سے سختی اور ذلت سہتی تھی وہ گھر جو بھی ان کے اشاروں پہ چلا کرتا تھا، اب وہ وہاں نوکروں کی طرح زندگی گزارنے پہ مجبور تھیں، ایسے ہی ایک دن زاریہ کے ماموں ان سے ملنے آئے تو بہن اور بھانجی کو اس بے بسی کی حالت میں دیکھا نہ گیا کہ ان کے پاس نہ پورا کھانے کو کچھ تھا اور نہ تن پہ اچھے کپڑے، بہن کسمپرسی میں بیوگی کی زندگی بسر کر رہی تھی، وہ اپنی بے خبری پہ خود کو کوستے ہوئے دادا، دادی کی اجازت سے وہ انہیں ساتھ لے آئے، تب سے وہ گھر جو پہلے زاروں، راحم اور نگین کا تھا، اب زاریہ کا بھی بن گیا، یہاں آ کر اسے اپنائیت کا احساس ہوا تھا، ماموں اور مامی نے اسے اپنی ٹھنڈی پیار بھری آغوش میں سمیٹ لیا تھا، ورنہ پاپا کی ڈیتھ کے بعد تو وہ اپنے ہی گھر میں قید ہو کر رہ گئی تھی، مجرموں کی طرح ایک ہی کمرے میں پڑی رہتی تھی، ورنہ جب تک پاپا تھے یہی زاریہ پورے گھر میں تتلی کی مانند اڑا کرتی تھی اور پاپا نے کبھی اس میں اور بھائی کے بچوں میں فرق نہ کیا تھا مگر وہ لوگ ایسا نہ کر سکے، یوں اب زاریہ نے اپنی

چھوٹی سی جنت ماموں کے گھر کو بنا لیا تھا، یہاں آ کر ان دونوں ماں بیٹی نے سکھ کا سانس لیا تھا، ماموں نے بہت دوڑ دھوپ کے بعد پاپا کے واجبات اور پنشن کا مسئلہ بھی حل کروا دیا تھا، یوں اب پیسے کی تنگی بھی نہ رہی تھی اور وہ دونوں ان پہ بوجھ بھی نہ تھیں۔

ماموں کے تین بچے تھے بڑا زارون، جو زاریہ کا ہی ہم عمر تھا، پھر ارحم جو ان سے چار سال چھوٹا تھا اور پھر تکین تھی جو راحم سے دو سال چھوٹی تھی، وہ ان سب کے لئے چھوٹی سی گڑیا تھی، زاریہ تو اسے سارا دن لئے لئے پھرتی تھی، ماموں نے اسے بھی زارون اور راحم کے اسکول میں ہی داخل کرا دیا تھا وہ اور زارون ایک ہی کلاس میں تھے اور ماموں نے زارون کا خاص تاکید کی تھی کہ وہ زاریہ کا خیال رکھے یوں زارون نے اول روز سے ہی اس کی ذمہ داری اپنے ننھے کندھوں پہ اٹھالی تھی، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بڑی خوش اسلوبی سے نبھا رہا تھا، زندگی میں سکون اور اطمینان میسر آیا تو زندگی خوش اسلوبی سے سبک روی سے گزرنے لگی اور پھر زندگی گزرنے اور وقت کا پہیہ گھومنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔

☆☆☆

''زاریہ...... زاریہ۔'' وہ پچھلے صحن کی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی، جب اپنے نام کی مسلسل پڑتی پکار نے اسے وہاں سے اٹھنے پہ مجبور کر دیا تھا، آواز امی کی تھی اور وہ اسے پچھلے صحن میں کھلنے والی کچن کی کھڑکی سے اندر بلا رہی تھیں، سوائے اٹھنا ہی پڑا تھا۔

''جی امی...... کوئی کام تھا؟'' لمحوں میں وہ ان کے سامنے کھڑی تھی۔

''کام کی بچی، فریج میں دودھ رکھا تھا، کہاں ہے اب۔'' جواب میں امی نے گھور دیکھا تھا۔

''مجھے کیا پتہ؟'' اس نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے تھے۔

''زاریہ...... زاریہ میں کیا کروں تمہارا، دیا ہوگا تم نے اپنی اس منحوس موٹی بلی کو، اب بتا مجھے، میں جانے کہاں سے بتاؤں، ادھر ڈرائنگ روم میں بھائی صاحب کے مہمان آئے بیٹھے ہیں اور یہاں دودھ غائب ہے۔''

''امی پلیز ایسے تو نہ کہیں...... وہ بے چاری تو۔'' امی نے اسے بری طرح سے لتاڑا تھا، اس سارے جملے میں اسے برا صرف وہ لگا تھا جو اس کی بلی کے لئے کہا گیا تھا، ارے یار وہی منحوس موٹی بلی اور کیا، وہ فوراً ہی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لے آئی تھی۔

''اچھا بس اب رونا مت شروع کر دینا، کوئی حال نہیں ہے تمہارا، یہ نہیں کہ کسی کام میں ماں کا ہاتھ ہی بٹا دو، مگر نہیں تمہیں تو ان کتے بلیوں سے ہی فرصت نہیں ہے، بہت بگاڑ دیا ہے تمہیں بھائی صاحب اور زونی کے لاڈ پیار نے، بات کرتی ہوں میں ان سے۔'' امی سے اس کی لال آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے گئے تو الٹا اسے ہی ڈانٹنا شروع کر دیا۔

''کیا بات ہے پھپھو، کیوں کلاس لے رہی ہیں اس بے چاری کی۔''

اسی پل اسے اپنے پیچھے زونی کی آواز سنائی دی تھی، اس نے فروٹ باسکٹ سے سیب اٹھا کر پھپھو سے پوچھا تھا اور ساتھ ہی اشارے سے زاریہ سے بھی وجہ دریافت کی تھی۔

''دیکھو نا زونی امی ہر وقت مجھے ڈانٹتی رہتی ہیں، سوئیٹی کو بھوک لگی تھی، فریج میں دودھ رکھا تھا، میں نے اسے پلا دیا اب اس میں اتنا ناراض

ہونے والی کیا بات ہے، کتنی دیر سے بس ڈانٹے جا رہی ہیں۔" اس نے زونی کی ذرا سی ہمدردی پا کر روہانسی شکل بنا کر اسے پوری بات بتائی تھی، یقین تھا کہ وہ اس کی ہی طرف داری کرے گا۔

"ہاں تو کیا ہار پھول پہناؤں جا کر تمہاری اس سوئٹی کو اور ساتھ میں تمہیں بھی، کم بخت کا پیٹ ہی نہیں بھرتا، جو رکھو کھا جاتی ہے جو رکھو کھا جاتی ہے، میں کرتی ہوں اس کا کوئی بندوبست، اب بتاؤ مجھے چائے کہاں سے بناؤں، مہمان انتظار کر رہے ہیں۔"

آج ان کا غصہ کسی صورت کم ہونے کو نہیں آ رہا تھا، زاریہ کی آئے دن کی یہی حرکتیں تھیں جو انہیں پریشان رکھتی تھیں، اب وہ بچی نہیں تھی کہ وہ نظرانداز کر دیتیں۔

"کیا پھپھو یار اب بس بھی کریں نا، اپنا خیال کریں اتنا غصہ صحت کے لئے ٹھیک نہیں ہوتا ہے اور اس کی شکل دیکھیں ذرا آپ کو اس پہ ترس نہیں آ رہا۔" زونی نے ان کے کندھے پہ بازو رکھ کر ان کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی، سامنے کھڑی معصوم سی زاریہ کی روہانسی شکل بھلا وہ کب دیکھ سکتا تھا، اس نے اسی وقت ملازم لڑکے کو آواز دے کر بلایا اسے پیسے تھمائے اور دودھ لانے کو کہا اور پھپھو کو باتوں میں لگا کر زاریہ کو اشارہ کر کے کہا کہ وہ یہاں سے جائے، جانتا تھا کہ وہ یہاں کھڑی رہی تو پھپھو یونہی ان کو ڈانتی رہیں گی، وہ تھینک یو کا اشارہ کرتی اپنے کمرے میں بھاگ گئی تھی، وہ دونوں ہمیشہ ہی اس طرح سے ایک دوسرے کی غلطیوں کو کور کر لیا کرتے تھے۔

☆☆☆

زارون اور زاریہ کا سیکنڈ ائیر کا رزلٹ آؤٹ ہوا تو دونوں کے ہی بہت اچھے مارکس تھے، زارون کا ارادہ ہمیشہ سے ہی انجینئرنگ کرنے کا تھا سو اس نے وہی مضمون رکھے تھے، جبکہ زاریہ پری میڈیکل کی اسٹوڈنٹ تھی، اب ان دونوں کی جی پی اتنی اچھی تھی کہ وہ دونوں با آسانی انٹری ٹیسٹ کے لئے اپلائی کر سکتے تھے اور زارون کو یقین تھا کہ وہ دونوں اپنے ٹیسٹ کلیئر بھی کریں گے، مگر اب زاریہ بضد تھی کہ وہ انٹری ٹیسٹ نہیں دے گی اور انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کرنا چاہتی ہے، اس لئے وہ بی ایس سی میں ایڈمیشن لے رہی ہے۔

"تم پاگل ہو گئی ہو کیا یار، اتنے اچھے مارکس، اتنی محنت اور اب بجائے میڈیکل میں اپلائی کرنے کے تم انگلش میں ماسٹرز کرو گی، یہ خناس کس نے بھرا ہے تمہارے دماغ میں، ہاں بتاؤ ذرا۔" زارون اس کے سر پہ کھڑا اس سے پوچھ رہا تھا اور وہ نمکین کے ساتھ بیٹھی مزے سے ٹی وی پہ کارٹون دیکھ رہی تھی، ہاں یہ سچ تھا کہ زاریہ شیرازی ابھی بھی کارٹون اسی شوق سے دیکھا کرتی تھی جتنا کہ بچپن میں اور اب تو اکثر راحم اس کا مذاق اڑاتا تھا، جبکہ زارون کو تو اس کی ہر ادا ہی پیاری لگتی تھی، مگر آج وہ اپنے غصے پہ قابو نہیں کر پایا تھا اور نتیجتاً اس کے سر پہ آن کھڑا ہوا تھا۔

"اس میں پاگل ہونے کی کیا بات ہے زونی، کیا پاگل لوگ انگلش میں ماسٹرز کرتے ہیں، میں ہمیشہ سے یہی کرنا چاہتی تھی، جانتے ہو نا کہ میرے پاپا بھی انگلش میں ماسٹرز تھے، اب میں بھی یہی کرنا چاہتی ہوں، پلیز میری بات کو سمجھو۔" زاریہ نے ریموٹ سائیڈ میں رکھ کر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی، اس کا خواب تھا، اپنے پاپا کی طرح انگلش لٹریچر کو پڑھنا۔

"اور کرو گی کیا تم انگلش میں ماسٹرز کر کے، کون سی فیلڈ جوائن کرو گی، زیادہ سے زیادہ کہیں لیکچرار لگ جاؤ گی، ہم نے یہ تو نہیں سوچا تھا زاریہ، ہم تو ہمیشہ سے یہی پلان کرتے تھے کہ میں انجینئر بنوں گا اور تم ڈاکٹر، پھر اب کیوں تم اپنا فیوچر برباد کر رہی ہو اور وہ بھی ایسی صورت میں جب تم اتنی آسانی سے میڈیکل کر سکتی ہو، اتنے اچھے مارکس ہیں تمہارے۔" وہ اب سامنے رکھی ٹیبل پہ بالکل اس کے سامنے آن بیٹھا تھا، زاریہ کو اس وقت اس کی آنکھوں میں غم و غصہ بیک وقت نظر آ رہے تھے۔

"زوئی پلیز میری بات کو سمجھو، سمجھنے کی کوشش تو کرو، میں مانتی ہوں تمہاری باتوں کو مگر مجھے اچھا لگے گا کہ میں وہ کروں جو میرے پاپا نے کیا تھا اور وہ بھی ہمیشہ یہی کیا کرتے تھے کہ میں ان کی طرح انگلش لٹریچر پڑھوں، انہیں بہت لگاؤ تھا ادب سے، پلیز میری بات کو سمجھو۔"

اب کہ زاریہ نے اسے وضاحت سے سمجھایا تھا، اسے یقین تھا کہ وہ اس کی بات کو سمجھے گا اور اس کے دل کی خواہش کا احترام کرے گا۔

"بھاڑ میں جاؤ، جو دل چاہے وہ کرو۔" وہ غصے سے اپنے گھٹنے پہ رکھا اس کا ہاتھ جھٹک کر اٹھا تھا، اس کا غصہ دیکھ کر زاریہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی، وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا اس کی فکر میں ہلکان ہوتا اور جب وہ نہ مانتی تو جھنجھلا جاتا تھا، اب بھی یہی ہوا تھا مگر زاریہ کو یقین تھا کہ وہ اسے منا لے گی۔

☆☆☆

رات کے کھانے میں پالک اور چکن کا سالن بنا تھا اور ساتھ میں بھنڈی کی سبزی تھی، یہ دونوں ہی چیزیں زاریہ کو کچھ خاص پسند نہ تھیں، اس لئے ٹیبل پہ زاریہ کا منہ پھولا ہوا تھا، جسے

بزی ڈالی ہاٹ پاٹ سے روٹی نکال کر رکھی اور
ے کھانے کی تاکید کی، انہیں ہمیشہ سے ہی اس
غصہ آتا تھا کہ کوئی بھی اس طرح سے رزق
نقص نکالے یا کھانے کو ناپسند کرتے اور
زاریہ اکثر ہی یہ کرتی تھی اور پھر ڈانٹ کھاتی
تھی۔

"ارے بھئی آمنہ کیا کرتی ہو، بچے اپنے بڑوں سے ہی ضدیں کرتے ہیں نا اور بڑے ان کے لاڈ اٹھاتے ہیں، ہم سے نہیں کہیں گے تو اور کس سے کہیں گے چلو بیٹا شاباش میرا اچھا آج یہ کھالو، پر اس کل میں تم لوگوں کو باہر ڈنر کرانے لے جاؤں گا۔" ماموں نے بہن سے کہہ کر پھر سے بچوں کی طرح پچکارا تھا۔

"کیا ہے یار امی، مجھ سے نہیں کھائی جاتی نا یہ بھنڈی۔" اس نے منہ بناتے ہوئے نوالہ منہ میں رکھا تھا، اگر اب بھی کھانے سے انکار کرتی نا شامت لازمی تھی، مگر بس دو تین نوالوں کے بعد وہ ٹیبل سے اٹھ گئی تھی، زارون نے بڑی خاموشی سے اسے اس طرح سے اٹھتے دیکھا تھا۔

☆☆☆

"اتنی رات کو یہاں بیٹھی ہو، پھپھو نے دیکھ لیا نا تو پھر سے ڈانٹ پڑ جانی ہے۔" وہ اپنی پسندیدہ جگہ یعنی پچھلے صحن میں بنے برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی، یہ گھر کا پچھلا حصہ تھا جس کا راستہ لاؤنج سے ہو کر نکلتا تھا، یہ ایک چھوٹا سا برآمدہ تھا جس کے ستونوں پہ لپٹی بیلیں بے حد خوبصورت تھیں، درمیان میں ایک جھولا بندھا تھا، وہیں کونے میں ایک واش روم کی دیوار کے ساتھ واشنگ مشین رکھی تھی اور اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا لکڑی کا گھر تھا، جو سوئٹی کا تھا، ارے سوئٹی وہی یار زاریہ کی منحوس موٹی بلی، جو بقول پھپھو کے گھر کا آدھا راشن کھا جاتی تھی، وہ اس وقت اپنے گھر میں آدھی اندر اور آدھی باہر آنکھیں موندے بڑی آرام کر رہی تھی، باقی صحن کے دونوں اطراف کیاریاں بنی تھیں جس میں امی اور پھپھو وقتاً فوقتاً پتہ نہیں کیا کیا اگاتی رہتی تھیں، یہ زاریہ کی پسندیدہ جگہ تھی اور وہ اکثر یہیں پائی جاتی تھی، وہ اب بھی وہیں بیٹھی تھی کہ اسے اپنے پیچھے زونی کی آواز سنائی دی تھی۔

"وہ کب نہیں ڈانٹ رہی ہوتیں ہیں، انہیں تو بس بہانہ چاہیے ہوتا تھا، کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ انہوں نے مجھے کسی کچرے کے ڈبے سے اٹھایا تھا، سوتیلی اولاد ہوں میں ان کی۔" وہ جل کر بولی تو زارون کو اس کے انداز پہ ہنسی آگئی تھی۔

"پہلے ڈیسائیڈ کرلو، کچرے سے اٹھایا تھا یا سوتیلی اولاد ہو، کیا ہو۔" وہ ہنستے ہوئے آکر اس سے ذرا دور سیڑھیوں پہ آن بیٹھا تھا۔

"تمہیں کھانا کھا لینا چاہیے زاریہ، کیونکہ تمہیں پتہ ہے نا کہ تم سے بھوک برداشت نہیں ہوتی اور پھر تم کیسی خونخوار ہو جاتی ہو۔" زارون کو اس کے چہرے سے صاف پتہ لگ رہا تھا کہ اسے اس وقت کتنی بھوک لگ رہی ہے تبھی اسے چڑایا تھا۔

"تم اس وقت یہاں سے چلے جاؤ زونی، ورنہ میں بتا رہی ہوں، بہت بری طرح سے پیش آؤں گی۔" زاریہ نے اسے گھورا تھا۔

"کل سے تو بات نہیں کر رہے تھے اور ہمدرد بن کر چلے آئے ہو۔" وہ منہ پھیر کر بڑبڑائی تھی۔

"ٹھیک ہے چلا جاتا ہوں، مگر پھر یہ پیزا کون کھائے گا جو ابھی میں نے منگوایا ہے، چلو ارحم کو دے دیتا ہوں وہ اور نگین مل کر کھائیں گے، یا فریج میں رکھ دیتا ہوں پھپھو صبح کام والی کو دے

دیں تھی۔" زارون نے ... پیچھے رکھے شاپر کی طرف اشارہ کر کے کہا اور اٹھنے کا ارادہ کرتے ہوئے شاپر کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

"زونی کے بچے، بدتمیز، پہلے نہیں بتا سکتے تھے، ادھر لاؤ میرا پیزا بھوک سے جان نکل رہی تھی۔" اس نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے شاپر لے لیا تھا کہ اب بھوک برداشت سے باہر ہو رہی تھی۔

"تھینک یو زونی تم بہت اچھے ہو۔" پیزے کا بڑا سا بائٹ لیتے ہوئے اس نے مزے سے منہ میں گھل جانے والے ذائقے کو محسوس کرتے ہوئے زونی سے کہا تھا، جو لبوں پہ مسکراہٹ لئے اس نے ہی دیکھ رہا تھا، برآمدے کی سیڑھیوں پہ لاپروائی سے بیٹھی پیزا کا ڈبہ سامنے رکھے بڑے بڑے بائٹ لیتی وہ لڑکی اسے کتنی عزیز تھی کاش وہ بتا سکتا۔

"اس کو کھولو پلیز۔" اس نے سوفٹ ڈرنک کا ٹن زونی کے آگے کیا تھا، زونی نے کھول کر خاموشی سے اسے تھما دیا تھا۔

"تم بھی کھاؤ نا، میں جانتی ہوں تم نے بھی کھانا ٹھیک سے نہیں کھایا تھا۔" وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو بچپن سے ایسے ہی جانتے تھے، یہ سچ تھا کہ زاریہ ٹھیک سے کھانا نہیں کھا رہی تھی تو بھلا زارون کیسے کھاتا، زونی نے بھی پیزا کا پیس اٹھا لیا تھا۔

"زونی تم اب تو مجھ سے ناراض نہیں ہونا۔" اس نے سوفٹ ڈرنک کا گھونٹ لے کر ٹن نیچے رکھا، اب اس کا اشارہ کل والی بات کی طرف تھا۔

"نہیں۔" زارون نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے پیزا کا بائٹ لیا تھا۔

نے زاریہ کی آنکھوں میں دیکھا تھا، جیسے یقین ... کہ وہ اس سے سچ ہی بولے گی۔

"وہ کیا۔" وہ اب بھی بس صرف ... طرح کھانے میں مصروف تھی۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تم صرف اس ... میڈیکل میں ایڈمیشن نہیں لے رہی ہو کہ ... بوجھ پڑ جائے گا دیکھو سچ بتانا زاریہ، اگر ایسا ... پلیز ایسا مت سوچو کیونکہ تمہیں اسکالرشپ بھی ... سکتا ہے، پلیز اس بات کی وجہ سے اپنا ... خراب مت کرو۔" زارون نے سنجیدگی سے ... سے کہا تو اس لمحے زاریہ کے چہرے پہ بھی ... اتر آئی تھی، اس نے کھانا ترک کر دیا تھا۔

"ایسا نہیں زونی، میں ایسا کچھ بھی ... سوچ رہی ہوں اور میں چاہ کر بھی ایسا ... سوچ سکتی ہوں کیونکہ یہاں کوئی مجھے ایسا سوچنے ... دے گا ہی نہیں اور دوسرا یہ کہ میں اچھی طرح ... جانتی ہوں کہ مجھے اسکالرشپ بہت آسانی سے ... سکتا ہے، مگر پلیز میری بات کو سمجھو ایک وقت ... کہ جب میرا دل تھا کہ میں میڈیکل کروں ... اب نہیں ہے، دیکھو میں نے اپنے پاپا کو ... چھوٹی عمر میں کھو دیا تھا، اس وقت جب شاید ... اتنی عقل بھی نہیں تھی کہ میں جان سکتی کہ وہ میرے ... مستقبل کے بارے میں کیا سوچتے ہیں لیکن ... بتاتی ہیں کہ انہیں شاعری بہت پسند تھی، ... انگلش، فارسی انہیں ادب سے بہت لگاؤ تھا ... خود بھی انگلش اور اکنامکس میں ماسٹرز کیے ... میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میں وہ کروں جو انہوں ... نے کیا تھا، بس صرف یہی سوچ کر میں نے ... فیصلہ کیا اور تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے، میرا یقین ... جو مان، جو محبت، جو حق مجھے یہاں اس گھر ... ہے نا شاید پاپا کے گھر رہ کر نہ ملتا، میں چاہ...

نے بہت وضاحت سے زارون کو سمجھایا تو وہ مطمئن سا سر ہلایا گیا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر زاریہ کہہ رہی ہے تو سچ ہی کہہ رہی ہوگی کیونکہ زاریہ کبھی جھوٹ نہیں بولتی تھی۔

''ٹھیک ہے زاریہ جیسے تم خوش، ہم تو تمہاری خوشی میں خوش ہیں، کیونکہ جس طرح سے تم ہمارے لئے قیمتی ہو، عزیز ہو، اسی طرح سے تمہارے خواب اور خواہش بھی ہمیں عزیز ہیں، اب پیزا ختم کرو، مفت میں نہیں آیا ہے، اپنی پاکٹ منی سے لایا ہوں میڈم۔'' زارون نے یکدم ہی اس کی توجہ واپس کھانے کی طرف دلائی تھی، وہ مسکرا کر پیزا ختم کرنے لگی تھی، وہ مطمئن تھی کہ زارون نے اس کی بات کو سمجھ لیا تھا۔

''لو آ گئی تمہاری موٹی بلی۔'' تبھی کھانے کی خوشبو سونگھتی سوئٹی اس کے پیروں میں آ بیٹھی تھی، زارون کے کہنے پہ زاریہ نے اسے خفگی سے دیکھا تو جواباً وہ کھل کر مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆

کامیابی کے مدارج طے کرتے ہوئے زارون انجینئرنگ کے دوسرے سال میں آن پہنچا تو زاریہ کا بی ایس سی کا فائنل ائیر تھا، گو کہ اب فیلڈز الگ الگ تھیں اور زارون کی تعلیمی مصروفیات بھی پہلے سے بڑھ کر تھیں، مگر ہمیشہ کی طرح اب بھی دونوں کا ساتھ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزم تھا، زاریہ کا کوئی بھی کام زارون کے بنا مکمل نہیں ہوتا تھا تو زارون کو بھی زاریہ کے بنا کہاں چین پڑتا تھا، دونوں کی بچپن کی دوستی اور ساتھ کب محبت میں بدلا انہیں پتہ ہی نہیں چلا تھا اور بھلا جب محبت ہوتی ہے تو کب پتہ چلتا ہے وہ

اوران کی [illegible]، حالانکہ زاریہ [illegible] تھی کہ انہیں بلایا جائے مگر ماں کی خواہش کے آگے خاموش رہی، یہ سوچ کر کہ انہوں نے کون سا آجانا ہے، مگر شومئی قسمت چچا اپنی فیملی سمیت آگئے تھے اور جب انہوں نے زاریہ کے سر پہ اپنا بھاری ہاتھ رکھا تو جانے کیوں اس لمحے زاریہ کی آنکھیں بھیگ سی گئیں تھیں، اسے اس لمس میں اپنے پاپا کی مہک آئی تھی، ان کی خوشبو محسوس ہوئی تھی، ان کا لمس پاپا کا سا محسوس ہوا تھا۔

''بھابھی ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا، اس وقت حالات کی تنگ دستی کے آگے میرا ظرف بھی چھوٹا پڑ گیا تھا، مجھے احساس ہے کہ میرا سلوک آپ لوگوں کے ساتھ کسی حد تک ناروا تھا، مگر آپ بڑی ہیں، ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا۔'' آمنہ کو قطعی امید نہیں تھی کہ آج اتنے عرصے بعد انہیں اپنی دیورانی عظمیٰ کے منہ سے یہ سب سننے کو ملے گا۔

''ارے نہیں نہیں عظمیٰ کیسی باتیں کر رہی ہو، اب تو زمانہ گزر گیا، میں تو کب کا سب کچھ بھلا چکی تم بھی بھول جاؤ، میرے دل میں تم لوگوں کے لئے کوئی میل نہیں ہے۔'' آمنہ نے خوشدلی سے کہا تھا، ان کے لئے تو یہ ہی بہت بڑی بات تھی کہ وہ آج اتنے عرصے بعد ان سے معافی مانگ رہیں تھیں اور یوں بھی آج تو وہ اتنی خوش تھیں کہ سب کچھ بھلا سکتیں تھیں، انہیں تو صرف زاریہ کی آنکھوں کے چمکتے جگنو دکھائی دیے رہے تھے، زونی کے چہرے کی خوشی نظر آ رہی تھی، وہ بھلا کچھ اور کیونکہ یاد کرتیں، یوں بھی ساری زندگی اپنوں کے درمیان عزت اور سکھ چین سے گزر گئی تھی ان کے لئے یہی بہت تھا، پھر بھی چچا نے اپنی حیثیت سے اور ان کی توقع سے بڑھ کر کیا تھا، اس گھر میں اور مزید جائیداد وغیرہ میں

نے زاریہ کو رِنگ کی صورت میں تحفہ میں دے [illegible] تھا۔

''ارے آمنہ تم یہاں کھڑی ہو، چلو جلدی آؤ، رسم بھی کرنی ہے، تمہارے بھائی بلا رہے ہیں۔'' آمنہ نے اپنی آنکھوں سے تشکر کے آنسو صاف کیے اور اسٹیج کی طرف بڑھ گئیں تھیں، جہاں بھائی اور بھابھی انہیں بلا رہے تھے۔

☆☆☆

منگنی کی انگوٹھیاں زارون نے پسند کی تھیں، وہ دونوں انگوٹھیاں وائٹ گولڈ کی تھیں، زاریہ کی انگوٹھی گول چوڑے چھلے نما تھی، لیکن وہ گول چھلا نہیں تھی، بلکہ اس میں گولائی میں باریک چھوٹے چھوٹے ہارٹ بنے تھے، جن میں لگے چھوٹے چھوٹے ڈائمنڈز انہیں خوبصورت بنا رہے تھے، زارون کی انگوٹھی بھی چھلے نما تھی، وہ چھلے کی طرح ہی تھی اور اس میں ہارٹ نہیں بنے تھے باقی گولائی میں ڈائمنڈز اسی طرح لگے تھے جیسے زاریہ کی انگوٹھی میں لگے تھے، زارون کو پہلی ہی نظر میں وہ رینگو بہت پسند آئیں تھیں اور اس نے فوراً ہی وہ خرید بھی لیں تھیں، زاریہ نے بہت شور مچایا کہ کم از کم مجھے دیکھا تو دو مگر وہ سر پرائز تھا، سو زارون نے لاکھ شور مچائے یہ بھی اسے نہیں دیکھایا تھا، وہ روٹھی روٹھی سی پھرتی رہی مگر زارون نے چنداں پرواہ نہ کی تھی۔

''پھر کیسی لگی منگنی کی رنگ۔'' رسم کے بعد اسٹیج ذرا خالی ہوا تو زارون نے دھیمی آواز میں جھک کر اس کے کان میں کہا تھا۔

''بس ٹھیک ہے۔'' وہ اب بھی روٹھی روٹھی سی نخوت سے بولی تھی۔

''کیا کر رہے ہو پاگل ہو گئے ہو کیا، چھوڑو میری رنگ، زونی۔'' زاریہ نے اس کا ہاتھ جھٹک

ہاں تو جب پسند نہیں آئی ہے تو اتار دو نا، چینج کرا لیں گے۔" اس کا انداز اب بھی سیریس تھا اور وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

"میں تو مذاق کر رہی تھی زونی، تم اتنے سیریس کیوں ہو گئے ہو، رنگ بہت پیاری ہے، مجھے بے حد پسند آئی ہے اور بھلا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم کوئی چیز میرے لئے پسند کرو اور وہ مجھے پسند نہ آئے، میں تو بس یونہی تمہیں تنگ کر رہی تھی، اب ناراض تو مت ہونا پلیز۔" اس کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر زاریہ کی جان پہ بن آئی تھی، وہ موقع کا خیال کیے بنا اس کی طرف رخ موڑے کہہ رہی تھی، جبکہ اب زارون کے لئے اپنی ہنسی کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"ویسے تمہیں قابو کرنا بڑا آسان ہے زاریہ شیرازی، ذرا سی ناراضگی دکھاؤ اور محترمہ سیدھی لائن پہ۔" اس نے بمشکل اپنے قہقہے کا گلا گھونٹ کر کہا تھا۔

"بہت برے ہو تم، بات مت کرو مجھ سے۔" اس نے زارون کی لو دیتی آنکھوں اور بھرپور مسکراہٹ سے بمشکل نگاہ چرا کر رخ پھیر لیا تھا، یوں شرمائی شرمائی سی وہ اس لمحے اسے اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہوئی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے بات نہیں کرتا، دیکھ تو سکتا ہوں، یا وہ بھی نہیں۔" زارون کی مدہم سرگوشی کی تپش اس نے اپنے کان میں بہت قریب محسوس کی تھی، پنک اور ڈل گولڈن کلر کے ڈریس میں سجی سنوری اس لڑکی کے کتنے روپ تھے، کبھی ہنستی ہوئی، کبھی روتی ہوئی، کبھی روٹھی ہوئی، کبھی مناتی ہوئی اور کبھی اسے بے حد عزیز تھے، زارون کو اس لمحے اس کی موجودگی سے اپنا پہلو روشن سا محسوس ہوا تھا۔

ہاں اگر یہ کرتے ہو اور وہ بھی صرف مجھے، کسی اور کو دیکھانا بھی، تو یاد رکھنا بہت برا حشر کروں گی۔"

اس میٹھی سرگوشی کے جواب میں یہ غراہٹ، زونی کا قہقہہ تو پھر بنتا تھا نا، اس رنگین شام نے اس قہقہے کو سنا اور وہاں لگے پھولوں نے اور آسمان پہ چمکتے روشن چاند نے ہمیشہ اس قہقہے کو گونجتے رہنے کی دعا دی تھی۔

☆☆☆

اس سنہری شام کو گزرنے تقریباً ایک ماہ ہو چکا تھا جب وہ دونوں ایک دوسرے سے منسوب ہوئے تھے، جس شام وہ چاند زارون کے نام ہوا تھا، جس شام وہ تارا زاریہ کی جھولی میں پوری آب و تاب سے آن گرا تھا، آج کل زارون کے ٹیسٹ ہو رہے تھے، سو وہ اس میں مصروف تھا، زاریہ کے چونکہ فائنل ایگزام ہو چکے تھے، سو وہ رزلٹ کے انتظار میں فارغ بیٹھی یا تو زارون کا سر کھاتی رہتی یا پھر پھپھو کی سنتی رہتی اور یہ دونوں کام جب نہیں کر رہی ہوتی تو ارحم اور رنگین کے ساتھ مل کر لان میں کرکٹ کا میدان سجا لیتی اور جان بوجھ کر شور مچاتی تا کہ زارون ڈسٹرب ہو کر کمرے سے نکلے مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا، اس لئے سب سے بڑھ کر اپنا فیوچر اور پڑھائی تھی، سو کھڑکیاں دروازے بند کیے کمرے میں پڑھتا رہتا، اس دن اس کا آخری ٹیسٹ تھا، س ارادہ تھا کہ شام میں دوستوں کے ساتھ تھوڑی آؤٹنگ پہ جا کر انجوائے کرے گا اور پھر آ کر لمب تان کر سو جائے گا، کیونکہ اگلے دن یونی کا آف تھا، وہ شام میں اپنے کمرے میں ہی اور فون کسی دوست سے بات کر رہا تھا کہ تبھی درواز پہ دستک ہوئی تھی۔

"یس...... آ جائیں۔" اس نے فون ذر

بھی بہت مدھم سی خوشبو اس کے مسام سے ٹکرائی تھی، وہ بے ساختہ ہی پلٹا تھا، سامنے ہی نک سیک سے تیار زار یہ کھڑی تھی، وہ کتنے ہی لمحے اس کے سجے سنورے روپ سے نگاہ نہیں ہٹا پایا تھا، وہ شاید کہیں جا رہی تھی اور معمول سے ہٹ کے کافی زیادہ تیار تھی، وہ بہت زیادہ خوبصورت نہیں تھی مگر ایک عجیب کشش تھی اس کی شخصیت میں ایک سحر جو سامنے والے کو جکڑے، اس کی رنگت کھلتی ہوئی گلابی سی دکھتی تھی حالانکہ وہ بہت زیادہ گوری نہیں تھی، مگر اس کا چہرہ معصومیت سا تھا، اس کی آنکھیں بڑی اور پلکیں گھنی اور نوک دار تھیں، اس کی ناک لمبی تھی اور اس کی ناک کی نوک پہ ذرا سا بائیں جانب ایک تل تھا، جو بہت زیادہ نمایاں نہیں تھا مگر اتنا ضرور تھا کہ دیکھنے والے کو اپنی طرف نمایاں کر سکے اور بالکل ویسا ہی ایک تل اس کی پیشانی پہ دائیں جانب تھا جہاں ابرو کی نوک تھی، اس کے اوپر، اس کی شخصیت میں سب سے خوبصورت اس کے بال تھے، جو بے حد گھنگھریالے تھے، گھنے اور لمبے جو اس وقت اس نے ہاف پن اپ کر کے باقی پشت پہ پھیلا رکھے تھے اور ایک گھنگھریالی لٹ رخسار پہ جھول رہی تھی، وہ اس وقت اسکن کلر کے خوبصورت انگرکھے میں ملبوس تھی، جو اس کی رنگت پہ بے حد اٹھ رہا تھا، زارون کی مسلسل خود پہ جمی نگاہیں اسے نروس کر گئیں تھیں، اس نے بے ساختہ بھی گھبرا کر گھنگھریالی لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا تھا، کلائی میں پڑی چوڑیوں کا شور زارون کو چونکا گیا تھا، اس نے بے ساختہ ہی نگاہ چرا کر خود کو سرزنش کی تھی اور پلٹ کر پھر سے فون کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، مگر اس بار انداز بدلا ہوا تھا، چند سیکنڈز بعد ہی اس نے کال ڈس کنیکٹ کی تھی۔

سادی ہے۔ وہ اپنی غلطی مٹانے کو ذرا سخت لہجے میں بولا تھا۔

''وہ زونی، میری دوست ہے نا سحرش اس کی منگنی ہے، پلیز مجھے وہاں ڈراپ کر آؤ، ماموں گھر پہ نہیں ہیں، امی نے کہا ہے کہ تمہارے ساتھ چلی جاؤں۔'' اس نے تفصیل بتانے کے ساتھ ساتھ اس سے ریکوئسٹ بھی کی تھی کہ وہ اسے چھوڑ آئے۔

''ٹھیک ہے میں ڈراپ کر دوں گا، ویسے بھی میں باہر ہی جا رہا ہوں، مگر پہلے منہ دھو کر آؤ، اتنا تیار ہو کر تم جا رہی ہو، کوئی ضرورت نہیں ہے ایسے جانے کی، ایسے میں لے کر نہیں جاؤں گا۔'' زارون نے رخ پھیر کر ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بالوں میں برش پھیرتے ہوئے اسے کہا تھا، کوئی اور اس اس روپ میں دیکھے بھلا کب دل کو گوارا تھا۔

''واٹ، میں نے پورے دو گھنٹے لگا کر یہ تیاری کی ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ میں منہ دھو کر آؤں، کبھی نہیں، لے کر جانا ہے تو ایسے ہی لے جاؤ، ورنہ میں راحم کے ساتھ چلی جاؤں گی۔'' وہ دھونس بھرے انداز میں بولی، لہجے میں بضد تھی کیونکہ یقین تھا کہ وہ اس کی بات مان لے گا۔

''ایز یو وش، اگر امی اور پھپھو راحم کے ساتھ جانے کی اجازت دیں تو ضرور چلی جاؤ، ویسے بھی میں لیٹ ہو رہا ہوں، میرے دوست میرا انتظار کر رہے ہیں، چلتا ہوں۔'' وہ خوشبوئیں بکھیرتا اپنا والٹ اور موبائل اٹھا کر کمرے سے باہر چلا گیا تو وہ پاؤں پٹختی اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھی۔

''مامی دیکھیں ناں یہ زونی مجھے سحرش کی طرف لے کر نہیں جا رہا ہے۔'' کمرے سے باہر

نکلتے ہی اس نے لاؤنج میں مامی سے فوراً اس کی شکایت جڑی تھی۔

''پلیز مامی اس کو کہیں نا، میں لیٹ ہو جاؤں گی۔'' وہ فوراً ہی آنکھوں میں آنسو بھر لاتی تھی، ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتے زارون نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا، وہ آنکھوں میں اشک لئے اسے ہی دیکھ رہی تھی، زارون کے لبوں کو مدھم مسکراہٹ نے چھوا تھا، دل فوراً ہی اس کی طرف داری پہ اتر آیا تھا۔

''زونی لے جاؤ بیٹا، تمہارے بابا گھر پہ نہیں ہیں، ورنہ وہ لے جاتے راحم کو نہیں بھیج سکتی ہوں، تمہاری پھپھو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے وہ بھی ساتھ نہیں جا رہی ہیں، تم چھوڑ آؤ گے تو تسلی رہے گی، جاؤ میرا بچہ چھوڑ آؤ شاباش۔'' مامی نے اس کے التجائیہ انداز کو دیکھ کر زارون کو پچکارا تھا، وہ بے خبر تھیں کہ زارون کیوں منع کر رہا ہے، وہ سمجھیں کہ اپنی کوئی مصروفیات ہے اس لئے منع کر رہا ہے، آج ہی تو اپنے ٹیسٹ سے فری ہوا تھا اور صبح اس نے بتایا بھی تھا کہ شام میں اس کا اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی پلان ہے۔

''اچھا امی چھوڑ آتا ہوں، آجاؤ زاریہ۔'' اس نے امی کو اللہ حافظ کہہ کر گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر نکل آیا تھا، ابھی ڈرائیونگ سیٹ پہ آ کر بیٹھا ہی تھا کہ وہ بھی چلی آئی تھی، زارون کی مزید خفگی کے خیال سے اس نے بجائے دوپٹے کے امی کی بڑی سی چادر لے رکھی تھی، زارون کو اچھا لگا تھا کہ زاریہ نے اس طرح سے اس کا مان رکھا تھا، مگر اس نے ظاہر نہ ہونے دیا تھا، سحرش کا گھر ان کے گھر سے تقریباً پندرہ منٹ کی ڈرائیو پہ تھا اور یہ پندرہ منٹ خاموشی کی نظر ہوئے تھے۔

''جب فری ہو جاؤ تو کال کر دینا لینے آ جاؤں گا۔'' زارون نے گاڑی روک کر سنجیدگی سے کہا تھا اور اس کے اترنے کا انتظار کرنے لگا تھا، نگاہیں سامنے جمائے رکھیں تھیں۔

''اگر یہی پھولا ہوا منہ لے کر آنا ہے تو مت آنا میں ماموں جان کر کال کر لوں گی۔'' وہ زارون کی خاموشی سے چڑ کر بولی تھی، بجائے اپنی غلطی مان کر سوری کرنے کے وہ الٹا اس پہ خفا ہو رہی تھی۔

''ٹھیک ہے شوق سے کرنا، مجھے بھی کوئی شوق نہ ہیں ہے تمہارا ڈرائیور بننے کا، اب اترو، مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' اب کہ وہ بھی خفا ہوا تھا۔

''زونی۔'' اس کے الفاظ زاریہ کو ہرٹ کر گئے تھے، اس کی آنکھیں پھر سے پانیوں سے بھرنے لگیں تھیں۔

''کبھی کبھی اپنی غلطی مان لیتے ہیں زاریہ، تم جانتی ہو نا میں تمہارے بارے میں کتنا پوزیسو ہوں، مجھے نہیں اچھا لگتا، اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں زاریہ، تم جانتی ہو نا کہ تم جیسی تقریب میں جا رہی ہو وہ مخلوط محفل ہے اور وہاں کتنی نگاہیں تمہارے اسے سجے سنورے روپ پہ اٹھیں گی، کیا ہر اٹھنے والی نگاہ کا انداز ایک ہی ہوگا، تم سمجھ رہی ہو نا، میں کیا کہہ رہا ہوں۔'' اب زارون نے اسٹیرنگ سے ہاتھ ہٹا کر اس کی طرف رخ موڑ لیا تھا، اس کا انداز سمجھانے والا تھا۔

''میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا یار، ہر بات پہ آنکھوں میں پانی بھر لیتی ہو، یہ کہاں کا انصاف ہے، بندہ آگے سے مزید کچھ اور کہہ بھی نہ سکے۔'' زارون کا اشارہ اس کی جھیل سی آنکھوں میں ٹھہرے پانی کی طرف تھا۔

''آئی ایم سوری زونی، مجھے واقعی تم سے اس طرح سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی، دراصل پہلے امی نے ڈانٹا پھر تم نے تو میں ذرا ہائپر ہو گئی

اچھا تو ڈور پہلے ہی کٹ چکی ہے،
خواہ مخواہ میں ہی ٹائم ضائع کیا۔" اب کے
زارون نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش نہیں
کی تھی اور اس کے لبوں پہ کھلنے والی اس مسکراہٹ
نے زاریہ کے دل کو ایک آسودہ سی خوشی دی تھی۔
یہ شاندار دل اور دل نشین مسکراہٹ والا مرد
اس کا نصیب بننے والا تھا وہ یہ سوچ کر ہی خود کو
خوش نصیب سمجھتی تھی۔

"اگر میرا جائزہ مکمل ہو گیا ہو تو اب گاڑی
سے اترو، کہیں تمہاری دوست تمہارے بغیر انگوٹھی
نہ پہن لے اور میرے دوست بھی میری جان کی
رو رہے ہوں گے۔" زارون نے اس کی نگاہوں
کی چوری پکڑی تو وہ جھینپ کر مسکرا دی تھی۔

"اچھا جا رہی ہوں، کال کروں گی آ جانا۔"
وہ چادر سنبھال کر اترنے لگی۔

"آ جاؤں گا یار، اچھا سنو۔" اس نے اترتی
ہوئی زاریہ کو پکارا تھا، وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی
اور ابرو اچکا کر پوچھا کہ کیوں روکا۔

"ویسے میں نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ میری
پاگل سی خبطی سی زاریہ کبھی اتنی خوبصورت بھی لگ
سکتی ہے، آؤ تمہاری نظر اتار دوں اور ہاں یہ چڑیا
کا گھونسلہ باندھ کر رکھا کرو۔" زارون کا اشارہ
اس کے گھنگھریالے بالوں کی طرف تھا۔

زارون نے ذرا سا آگے جھک کر اپنے
دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی پہ اس کی آنکھ سے ذرا سا
کاجل لے کر اس کے کان کے پیچھے لگا دیا تھا،
ذرا سا چھونے پہ کان کے پیچھے بمشکل ٹکی
گھنگھریالی لٹ آگے کو جھول کر رخسار کو چھونے لگی
تھی، یکدم ہی اس کا چہرہ بلش کر گیا تھا، اس کے
سارے وجود میں اس لمحے دل دھڑکنے لگا ہو جیسے،

بڑھا دی تھی۔

☆☆☆

"زاریہ آپی، آپ کو مہندی لگانا آتی ہے؟"
وہ کچن میں مامی کا ہاتھ بٹا رہی تھی، تبھی نگین کچن
میں کون مہندی پکڑے چلی آئی تھی، جب سے
اس نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا، وہ کافی
زیادہ ذمہ دار ہو گئی تھی، یا پھر شاید امی کی ڈانٹ
اثر کر گئی تھی، اب وہ اکثر ہی ان دونوں کی مدد
کے لئے کچن میں آ جاتی تھی۔

"ہاں آتی ہے نگین، کیوں۔" اس نے دم پہ
رکھے چاولوں کے نیچے آنچ دھیمی کی تھی۔

"آپ مجھے لگا دیں گی، میری دوست ہے
نارمشہ اس کی بہن نے اس کو بہت پیاری مہندی
لگائی تھی، وہ بہت براؤڈ فیل کر رہی تھی، میں
نے اس سے کہا کہ کل میں بھی اپنی زاریہ آپی سے
تم سے زیادہ پیاری مہندی لگوا کر آؤں گی، آپ
مجھے لگا دیں گی نا بہت پیاری والی مہندی، پلیز
زاریہ آپی۔" نگین کے معصومیت بھرے انداز پہ
اسے بے ساختہ ہی پیار آیا تھا۔

"ہاں میری جان بالکل لگا دوں گی، آپ
یہاں بیٹھو، میں ذرا ہاتھ دھو لوں، پھر آپ کو مہندی
لگاتی ہوں۔" اس نے نگین کے پھولے پھولے
گالوں پہ پیار کر کے اسے وہیں کچن ٹیبل کی چیئر
پہ بٹھایا تھا اور خود سنک میں ہاتھ دھونے لگی تھی،
ہاتھ دھو کر تاول سے خشک کر کے وہ خود بھی اس
کے پاس ہی آ بیٹھی تھی اور اس سے چھوٹی چھوٹی
باتیں کرتے ہوئے اسے مہندی لگانے لگی تھی،
پتہ نہیں اسے کیا شوق چڑھا تھا ورنہ نگین اب
سنگھار وغیرہ نہیں کیا کرتی تھی، عید وغیرہ پہ

موقعوں پہ بھی زاریہ خود ہی اسے اپنے ساتھ ساتھ لگا دیتی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے بھئی، یہ بے موسم مہندی کیوں لگ رہی ہے۔" اس وقت زارون شاید سیدھا یونی سے آرہا تھا، پیاس کی شدت نے ستایا تو وہ سیدھا کچن میں چلا آیا تھا، جہاں چاولوں کی خوشبو کے ساتھ ساتھ مہندی کی خوشبو بھی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

"بس ویسے ہی نگین کو شوق ہو رہا تھا۔" زاریہ نے اس کے ننھے ہاتھ کو خوبصورت ڈیزائن سے سجاتے ہوئے کہا تھا، زارون بھی پانی کی بوتل فریج سے نکال کر وہیں ایک چیئر کھینچ کر بیٹھا تھا اور خاموشی سے پانی پیتے ہوئے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"تھینک یو زاریہ آپی، بہت پیاری لگائی آپ نے۔" نگین نے جب دونوں ہاتھ سج گئے تو اسے ڈائزین بہت پسند آیا تھا، وہ خوشی سے اسے پیار کر کے باہر بھاگ گئی تھی، زاریہ نے مسکرا کر اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

"شش یہاں بیٹھو تم۔" زارون نے اٹھتی ہوئی زاریہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس وہیں بٹھا دیا تھا اور مہندی کی کون اپنے ہاتھ میں پکڑ لی تھی۔

"کیا ہوا۔" زاریہ نے واپس بیٹھتے ہوئے حیرانگی سے پوچھا تھا، زارون نے خاموشی سے کون ہاتھ میں پکڑ کر اس کا ہاتھ اپنے سامنے سیدھا کر لیا تھا۔

"زونی کیا کر رہے ہو۔" زاریہ نے اپنی شفاف ہتھیلی پہ بنتی کون کی نوک کو دیکھا تھا، مگر زارون خاموشی سے اپنا کام کرتا رہا تھا، اس کی ڈرائنگ کی مہارت آج کام آرہی تھی، اب زاریہ بھی اسے خاموشی سے دیکھنے لگی تھی۔

"دیکھو اب کیسا لگ رہا ہے۔" چند منٹوں بعد زارون نے اس کا ہاتھ اس کے سامنے کیا تھا، جہاں ایک ہارٹ بنا تھا اور اس کے بیچ میں زاریہ اور زارون بہت صفائی اور مہارت سے لکھا تھا، اس لمحے زاریہ کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا، محبت کی یہ کون سی ادا تھی، کون سا اسم تھا، جو دن بدن لمحہ بہ لمحہ اسے جکڑ رہا تھا، اسیر کر رہا تھا، وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

"بتاؤ نا کیسا لگ رہا ہے۔" زارون نے اس کا کوئی جواب نہ پا کر دوبارہ پوچھا تھا، وہ زارون جو تھوڑا Reserver سا تھا، وہ اس طرح سے اپنی محبت کا اظہار کرے گا زاریہ نے کبھی سوچا نہیں تھا، مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ زارون کے جذبے اس سے بھی کہیں زیادہ اپنے اندر شدت رکھتے ہیں، جان جاتی تو خود یہ ناز کرتی تھی۔

"بہت اچھا، بہت خوبصورت، یہ نام، یہ وجود ایک دوسرے کے بنا بالکل ادھورے سے لگتے ہیں زونی، دیکھو تو ساتھ ہی کتنے حسین لگتے ہیں۔" ہتھیلی اپنے سامنے پھیلائے وہ دھڑکتے دل سے بولی تھی، اس لمحے اس کے روم روم سے یہ دعا نکلی تھی کہ یا اللہ یہ نام، یہ وجود، یہ دو دل ہمیشہ اسی طرح ساتھ رہیں، اس لمحے زارون نے ایک عجیب حرکت کی تھی، اس نے زاریہ کا مہندی سے سجا ہاتھ اپنے سامنے کر کے اپنی چوڑی ہتھیلی اس کے ہاتھ پہ رکھ دی تھی اور چند سیکنڈز پھر جب ہٹائی تو ویسا ہی ہارٹ اور وہ نام اس کی ہتھیلی پہ بھی سج چکے تھے، زاریہ کتنے ہی لمحے اس خوبصورت اظہار کو خاموشی سے محسوس کرتی رہی تھی۔

"صرف تمہارے ہاتھ پہ تھے تو ادھورے سے لگ رہے تھے اور اب دونوں کے ہاتھوں پہ سج کر مکمل لگ رہے ہیں میری جنگلی بلی۔" اس

نے زاریہ کے سر پہ ہلکی سی چپت لگائی اور پانی کی بوتل اٹھا کر کچن سے باہر نکل گیا تھا، جبکہ زاریہ کتنے ہی لمحے وہیں اس لمحے کی قید میں بیٹھی رہی تھی اور یوں بھی محبت کے لمحوں کی قید تو بہت حسین ہوتی ہے۔

☆☆☆

اس طوفانی رات کی صبح بے شک بے حد نکھری ہوئی اور صاف شفاف تھی، مگر میرب کے اندر ایک طوفان سا مچا تھا، امی اور بابا ناشتے کے فوراً بعد ہی اسے لینے آ گئے تھے، سب لوگ ان سے بہت اچھے سے ملے تھے، وہ دونوں نگین کی ان کے بہت شکر گزار ہو رہے تھے، کہ ان کی وجہ سے وہ آرام سے وہاں رات رک گئے تھے کہ میرب بالکل محفوظ ان کے گھر میں ہے، حیدر یونیورسٹی کے لئے نکل رہا تھا انہیں دیکھ کر رک گیا تھا، میرب نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا تھا، اس نے اس تمام عرصے میں ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر میرب کی طرف نہیں دیکھا تھا، گزری رات کا ایک شناسا احساس تک اس کی آنکھوں میں نہ تھا، اس کی آنکھوں کے کنارے ابھی بھی ہلکے سرخ تھے، وہ گویا وہ ساری رات سو نہ سکا ہو، میرب نے بظاہر اس مغرور نظر آتے شخص کو اس لمحے بہت غور سے دیکھا تھا۔

کوئی کیسے اتنا کمپوزڈ نظر آ سکتا ہے جبکہ اندر میں غم کے طوفان چھپے ہوں، جب پورا وجود، پوری ذات محبت میں ماتم کناں ہو، پورے وجود میں مکمل ہستی میں محشر برپا ہو اور کیا کوئی بھی انسان اپنی محبت میں اس حد تک بھی جا سکتا ہے کہ اپنی دنیا تیاگ دے، کیا کسی سے اتنی سچائی کی امید رکھی جا سکتی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے آٹھ سال قیمتی آٹھ سال گنوا دے اور وہ بھی سب کچھ جانتے بوجھتے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے، وہ بے معنی ہے، لاحاصل ہے، ایک ایسے انسان کی خاطر زندگی کی خوشیوں اور رعنائیوں سے منہ موڑنا جو شاید آپ کی لکیروں سے بھی مٹ چکا ہے، یا پھر وہ کبھی آپ کی لکیروں میں لکھا ہی نہیں گیا تھا، اس کا اور آپ کا ساتھ اتنا ہی تھا، تو لاحاصل کے پیچھے بھاگنا کیا قسمت سے تقدیر سے سرتابی نہیں، اس وقت میرب کے ذہن میں بیک وقت کئی سوچیں آ رہی تھیں، جانے کیوں اور کب اس کا دل زارون حیدر کے لئے دھڑکنے لگا تھا اور اسے خبر تک نہ ہوئی تھی، اور پھر جب دل کسی کے لئے دھڑکنے لگتا ہے تو بھلا کب گوارا کرتا ہے کہ کوئی اس کی طرف دیکھے بھی جو آپ کے دل کا مکین ہے، جبکہ یہاں تو زارون کا پورا وجود ہی کسی کی محبت کے ہجر میں ڈوبا تھا، میرب اس دن وہاں سے چلی تو آئی تھی، مگر اپنا دل وہیں اس سوگ میں ڈوبے شخص کی گلابی آنکھوں میں چھوڑ آئی تھی، اس کے قدموں کی دھول بن گیا تھا اس کا دل۔

اور برسوں سے محبت کی آگ میں جلتے زارون حیدر کی نگاہوں سے میرب کی آنکھوں میں بھڑکتی محبت کی چنگاری چھپی نہیں رہی تھی، یہ رنگ اس کے لئے جانا پہچانا تھا، وہ بھلا اس رنگ کو کیسے نہ پہچانتا، یہ رنگ تو اس کی پوری ذات پہ بہت گہرا چڑھا تھا، اتنا کہ اسے نیلوں نیل کر گیا تھا، مگر اس بار اس نے اس رنگ سے نگاہ چرائی تھی، اس کے لئے ایک ہی عشق کافی تھا۔

☆☆☆

باقی آئندہ ماہ

# تیری ناسمجھی کی ٹھوکر

کنیز زہرہ

''کہا تھا نا بارش میں باہر مت نکلو، مگر آج کل کی نسل بات کہاں سنتی ہے بڑوں کی، اوپر سے کاشی کے گھر بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے ہیرو بن کر بارش میں ہی گھر کی طرف نکل آئے، بھیگ کے بخار تو ہونا ہی تھا، تمہیں پتا ہے دو دن بعد ڈسچارج ہوئے ہو تم، یہ دو دن میں نے یہاں تمہارے ساتھ اور دادی اور اماں نے گھر میں کیسے پریشانی سے گزارے ہیں تمہیں کیا پتا، تمہارا تو کمبائن اسٹڈیز کا شوق پورا ہو گیا نا ہم جائیں بھاڑ میں۔'' دو دن سے وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھا اور دو دن سے ہی امل اس کے ساتھ ہاسپٹل میں ایک ٹانگ پہ کھڑی تھی چڑنا تو بنتا ہی تھا آج ڈاکٹر نے ڈسچارج کیا تھا اور اب وہ لوگ ہاسپٹل کے تھرڈ فلور سے باہر کی طرف جا رہے تھے۔

''اچھا نا میری پیاری اپیا! اب معاف بھی کر دو نا۔'' فہد کو کچھ دیر پہلے ہی سسٹر نے دوا دی تھی، اس کے دماغ پہ غنودگی طاری تھی، کچھ بخار کی کمزوری تھی کہ اس سے معافی مانگتا فہد لڑکھڑایا تھا۔

## ناولٹ



''سنبھل کے پاگل لڑکے میں تمہیں ڈانٹ نہیں رہی سمجھا رہی ہوں، ابا کے بعد تم ہی تو ہمارا واحد سہارا ہو، دادی اور امی ہی کیا میری بھی تم میں جان ہے۔'' فہد کو بازو سے پکڑ کر سنبھالتے ہوئے اس نے دل گرفتگی سے کہا وہ سیکنڈ فلور کے طویل کاریڈور میں پہنچ چکے تھے جس کے آخری سرے پہ سیڑھیاں تھیں، کوریڈور اس وقت سنسان پڑا تھا، جبکہ فہد بہت آہستہ آہستہ چل رہا تھا، اسے بازو سے پکڑے امل بھی اس کی رفتار سے چلنے پہ مجبور تھی۔

''اب میں نہیں جاؤں گا کہیں بھی دوستوں کو گھر بلا لیا کروں گا بس؟ اب برائے مہربانی میرے کان کھینچنا بند کر دیں۔'' فہد نے کان

پکڑے ہوئے نقاہت سے پر لہجے میں کہا تو وہ مسکرادی، فہد اس سے پانچ سال چھوٹا تھا، پندرہ سولہ سال کے بھائی میں حقیقت میں اہل کو جان سے زیادہ عزیز تھا۔

''اچھی بات ہے، میں سوچ رہی ہوں واپسی پہ کچھ جوس اور فروٹس تمہارے لئے لے چلوں، اف اللہ پرس تو میں وہاں روم میں ہی چھوڑ آئی، تم یہاں رکو میں لے کر آتی ہوں۔'' اہل نے خوشگوار لہجے میں کہتے ہوئے آخر میں اپنا ماتھا پیٹا، وہ اسے دیوار کے ساتھ کھڑا کرتے ہوئے تقریباً بھاگتے ہوئے واپس پلٹی تھی، وہ لڑکھڑا رہا تھا بمشکل حواس قائم رکھتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف پلٹا تھا جب کوئی بے دھیانی میں آکر اس سے ٹکراتے ہی زمین بوس ہو کر چیخنے لگا، گرتو وہ بھی جاتا اگر دیوار کے ساتھ نا کھڑا ہوتا تو، اس نے دیکھا سامنے زمین پہ پڑی ایک بہت مارڈرن حلیے والی طرح دار سی لڑکی اپنی پلاسٹر میں جکڑی پاؤں پہ ہاتھ رکھے اسے کوس رہی تھی، اس سے پہلے کہ وہ اسے اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھاتا کسی نے پیچھے سے آکر اسے بہت زور سے دھکا دیا تھا۔

''تمہاری جرأت کیسے ہوئی میری یعنی فاخر حیات کی کزن کو دھکا دینے کی، میں بتاتا ہوں تمہیں دھکا کیسے دیتے ہیں۔'' فاخر نے ایک زور دار دھکا فہد کو دیا تھا جس سے نڈھال سا فہد بری طرح دیوار سے ٹکرا کے کوریڈور کے چکنے فرش پہ جا پڑا تھا، یہ سب اتنا اچانک ہوا تھا کہ بند ہوتی آنکھوں سے وہ دھکا مارنے والے کو دیکھ تک نا سکا تھا، فاخر نے مغلظات بکتے ہوئے زمین پہ بے ہوش پڑے فہد کو پاؤں سے ٹھوکر ماری تھی، ٹھیک اسی وقت سامنے سے آتی اہل کے ہاتھ سے بیگ چھوٹ کے گرا تھا، اس سے پہلے کہ فاخر پلٹ کر آفرین تک آتا اہل اس پہ پل پڑی تھی، پے در پے جوڈو کرانے کے وار کرتی وہ اپنے ہوش میں ہی نہیں رہی تھی اور ہوش تو فاخر کو بھی تب آیا تھا جب چند منٹوں میں ہی وہ اچھی بھلی دھلائی کے بعد زمین بوس ہوا تھا، اس کی رعونت اس کی اعلیٰ حیثیت ایک لڑکی کے ہاتھوں خاک چاٹ رہی تھی، فاخر نے بند ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

''انسانوں کا بھیس بدل کر اگر آبادی میں اتر ہی آئے ہو تو لوگوں کو انسان سمجھنا بھی سیکھ لو، ایک معصوم بچہ بخار میں تپ رہا ہے اور تم اسے ٹھوکریں مار رہے ہو، میں بتاؤں ٹھوکر کیسے مارتے ہیں۔'' اہل نے جوتوں سمیت ایک زوردار ٹھوکر فاخر کے جبڑے پہ ماری تھی، اہل کے کمر تک آتے گھنگھریالے بال بکھر کر اس کے چہرے پہ اس طرح سایہ فگن تھے کہ ستواں ناک کے علاوہ کوئی نقش واضح نہیں ہو رہا تھا، اسے ایک اور ٹھوکر رسید کر کے وہ بے ہوش فہد کی طرف بڑھی تھی، وہ بے ہوش تھا، فاخر بڑی مشکل اٹھا تھا زمین پہ کراہتی آفرین کو سہارا دے کر اٹھایا، سہارا دے کر چلاتا ہوا اس تک آکے رکا۔

''تم نے اچھا نہیں کیا مجھ سے پنگا لے کے اس کا انجام تمہیں بھگتنا ہوگا، تم پاتال میں بھی چھپ جاؤ گی تب بھی میں تم سے اپنی بے عزتی کا بدلا ضرور لوں گا۔'' وہ اس کے قریب رکا اور کف اڑاتا ہوا آگے نکل گیا، جبکہ اہل بیگ سے پانی کی چھوٹی بوتل نکالتے ہوئے ہاتھ کی اوک میں پانی لے کر فہد کے منہ پر چھڑکنے لگی۔

''فہد! اٹھو فہد کیا ہوا ہے تمہیں۔'' اس نے تقریباً اسے جھنجھوڑتے ہوئے پکارا تھا دوسرے ہی پل فہد نے آنکھیں کھول دیں، اس نے اسے کچھ بھی پوچھنے کی بجائے سہارا دے کر اسے باہر لے

لئے دیر ہو گئی، بس اب جلدی سے چلیں اماں ...ر کر رہی ہوں گی۔'' اس نے دوائیں گود میں ...ئے ہوئے ہوا سے اڑتی چادر کا ہالہ چہرے کے ...س کر فضل چچا سے کہا تھا، فضل چچا ان کے ...یں ہی رہتے تھے، اس کے دادا سے بڑھے ...ر جاب نہ ملنے کی وجہ سے انہیں رکشہ چلانا ...ابھی بھی وہ ہی انہیں لینے آئے تھے، اماں اور ...ی بھی ان پہ بلا کا اعتماد کرتی تھیں اس لئے وہ ...بھی جاتی فضل چچا کے رکشے میں جاتی تھی۔

''تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا بیٹا، سامنے ایم ...ے کی گاڑی کھڑی ہے، بڑا کپتا (فسادی) ...ہے، کبھی بھی کہیں بھی کسی کے بھی پیچھے پڑ ...ہے۔'' اس نے سامنے دیکھا سیاہ کرولا بہت ...ست میں کھڑی تھی کہ رکشہ نکلنے کی جگہ نہیں ...ی، اس نے دیکھا سامنے وہیں شخص تھا جو اسے ...کی دے کر گیا تھا، اس نے بے اختیار چادر سے ...ا چہرہ ڈھانپا اور کچھ آگے کو کھسک آئی تھی اور ...رخ سے بیٹھ گئی کہ گزرنے والوں کو بھی ...نہیں موندے سیٹ پر سر ڈالے بیٹھا فہد پر نظر ...نہ آرہا تھا، وہ شخص اب ایک واڈ بوائے ٹائپ ...ے کا گریبان تھامے کھڑا تھا۔

''اوئے تجھے نظر نہیں آتا؟ آفرین بی بی کا ...دکھا دیا تو نے چل چھوڑ وہیل چیئر میں خود بٹھا ...ں گا انہیں گاڑی میں، او صفیان لے جا اسے ...ور نہ میں اسے گولی سے اڑا دوں۔'' وارڈ ...ئے جو بخشش کے چکر میں اپنے دھیان میں ...ل چیئر گھسیٹتا لا رہا تھا گاڑی تک آتے مریضہ کا ...ر میں جکڑا پیر گاڑی سے ٹکرا بیٹھا تھا جس پہ ...فرین بلبلا اٹھی تھی، فاخر کے لئے آفرین کی

...بارن کا رد تو ہم دیا۔

معذرت صاحب، میں تو ٹھیک ہی لا رہا تھا، جی پتا نہیں کیسے یہ ہو گیا۔'' زرد پڑتی رنگت کے ساتھ وضاحتیں دیتا واپس پلٹا، فاخر کے منہ سے مغلظات کا طوفان نکل رہا تھا۔

''پتا نہیں کس نے اس کی دم پہ پیر رکھ دیا ہے جو یوں بلبلا رہا ہے۔'' چچا نے سرد پڑتے تماشے پہ نظر جمائے ہی کہا۔

''چچا! طاقت کے نشے میں چور ان جیسوں سے لڑنے کی ہمت بھی تو اللہ کسی کسی کو دیتا ہی ہے، آپ فکر مت کریں بس رکشہ اسٹارٹ کریں مجھے لگتا ہے راستہ صاف ہونے والا ہے۔'' اس ناصحانہ انداز میں سمجھاتے ہوئے کہا، فاخر آفرین کو سہارا دیتے ہوئے گاڑی میں بیٹھا چکا تھا دوسرے ہی پل دھول اڑاتی سیاہ کرولا منظر سے غائب ہوئی تھی۔

''آ گئے تم لوگ، اب کیسی طبیعت ہے فہد کی، کیا کہا ہے ڈاکٹر نے، اب چیک اپ کب کروانا ہے، کب تک ٹھیک ہو جائے گا یہ۔'' گھر پہنچتے ہی صحن میں جلے پاؤں کی بلی کی مانند چکراتی صباحت نے پہلی دستک پہ ہی دروازہ کھول دیا اور تابڑ توڑ سوالات شروع کر دیئے۔

''ارے امی! ہمیں اندر تو آنے دیں، بالکل ٹھیک ہے آپ کا صاحبزادہ بس ڈاکٹر نے کچھ احتیاط بتائی ہیں اور آرام کرنے کو کہا ہے۔'' دادی کے کمرے میں آ کر سارے سوالات کا جواب ایک ساتھ دیتی وہ دادی کے پاس ہی ان کے بیڈ پہ بیٹھ گئی تھی، اماں فہد کو بازو سے پکڑ کے اس کے کمرے میں لے گئیں جبکہ دادی اس کے تھکے چہرے کو دیکھنے لگیں، وہ چادر تہہ کر کے دادی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

''تھک گئی ہو تم دو دن سے ہاسپٹل میں جو ہو پتا نہیں ٹائم پہ کھانا بھی کھاتی ہو گی کہ نہیں۔'' دادی نے فکر مندی سے اس کے مرجھائے ہوئے چہرے کو دیکھا اور اس کے بال سنوارنے لگیں۔

''بہت تھک گئی ہوں دادی اور بھوک بھی بے تحاشا لگی ہے، مگر ابھی آپ کی گود میں سکون مل رہا ہے، اٹھوں گی تو کھالوں گی کھانا ویسے بنا کیا ہے؟'' اس نے آنکھیں موندتے ہوئے دل میں اٹھتے اندیشوں کو کچل کر خوشگوار لہجے میں پوچھا تھا، کچھ بھی تھا آج اس کے گھنگھریالے بال اس کے بہت کام آئے تھے وہ شخص اس کا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا۔

''تمہاری پسند کے بھگارے بینگن اور ابلے چاول بنائے ہیں، تمہارا صبح فون سن کے ہی میں بینگن لینے چلی گئی تھی۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا اور دادی کی انگلیوں میں نا جانے کیسا جادو تھا کہ اس کی آنکھیں نیند سے یکا یک بھر جایا کرتی تھیں، ابھی تو اس کا جسم اور دماغ دونوں شدید تھکن کا شکار تھے وہ چند لمحوں میں ہی بے سدھ ہوئی تھی، تحسین بانو نے محبت سے اپنی پوتی کا ماتھا چوما تھا۔

عرفات احمد جوانی میں ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے، سوگواران میں شامل ان کے دو چھوٹے بچے بیوی اور ماں جیسے یکلخت بے آسرا ہوئے تھے، تب ہی تحسین بیگم اور صباحت کمر کس کے میدان میں اتر آئیں، وہ مرنے والے کے ساتھ مر جاتیں اگر ان دو معصوم بچوں کا ساتھ نا ہوتا تو، وہ چاہتیں تو بینک میں موجود رقم سے گزر بسر کر سکتی تھیں لیکن وہ رقم عرفات صاحب نے اس مقصد سے فکس کروائی تھی کہ امل کو ڈاکٹر بنائیں گے مگر وقت نے مہلت نا دی، تحسین بیگم پراندے کروشیے کے رومال بنانے لحافوں میں ڈورے ڈالنے اور چارپائیاں بننے کا ہنر جانتی تھیں، جبکہ صباحت نے قریبی اسکول میں جاب کر لی یوں گھر کی گاڑی آرام سے چلنے لگی تھی، بچے بڑے ہو کر اسکول میں پہنچ گئے، ایف ایس سی کے بعد انہوں نے عرفات کی خواہش کے عین مطابق امل کا ایڈمیشن میڈیکل کالج میں کروا دیا تھا لیکن گزرتا وقت جیسے ان کی ہمت توڑ رہا تھا، وہ اب اکثر بیمار رہتی تھیں اور بیماری کی چڑچڑاہٹ میں ان کی ایک ہی خواہش تھی، کہ ان کی پوتی کی ان کے جیتے جی کہیں شادی ہو جائے، پھر بنتی رہے آرام سے ڈاکٹر جبکہ امل کو دادی سے اختلاف تھا، وہ دادی کے وہم کی وجہ سے لگائی گئی پابندیوں سے عاجز تھی، دادی اکثر اسے ساتھ بٹھائے زمانے کی اونچ نیچ کے بارے میں بتاتیں تھیں۔

امل زمانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینے کی خواہش رکھتی تھی، اس لئے اس نے کسی کو بھی بتائے بنا کرائے انسٹیٹیوٹ اپنی ایک دوست فرحی کے کہنے پہ جوائن کیا تھا، فرحی کو ڈاکٹر بننے کا جنون کی حد تک شوق تھا مگر اس کے نمبر میرٹ سے کم تھے اس لئے اس نے ڈس ہارٹ ہو کر کرائے سینٹر کھول لیا جسکی تربیت وہ کافی عرصے سے لے چکی تھی، امل اور باقی سب کلوز فرینڈز کو بھی بصد اسرار فری میں انسٹیٹیوٹ میں ایڈمیشن دیا، شام کی کلاسز میں بی ایس سی میں ایڈمیشن بھی لے لیا۔

☆☆☆

''میرا خون کھول رہا ہے اور تم ہنس رہے ہو دل چاہتا ہے تمہارا منہ توڑ دوں، میں نے دوست سمجھ کے تمہیں اپنا دکھ بتایا ہے تم دشمن بن کے ہنس رہے ہو۔'' فاخر اس وقت اپنے جگری دوست

آفاق حیدر کے ساتھ جم آیا تھا ایکسر سائز کرتے ہوئے وہ آج کی واردات بتا بیٹھا، آفاق پہلے تو ششدر سا اسے دیکھتا رہا پھر پیٹ پکڑ کے جو ہنسا بس ہنستا ہی چلا گیا، فاخر حسب معمول غصے میں آ گیا تھا، اسے مکا دیکھاتے ہوئے وارننگ دیتا وہ منہ موڑ گیا۔

''اچھا نا اب نہیں ہنستا میں، مجھے تو حیرت ہو رہی ہے کہ ایک لڑکی نے تمہیں آٹے دال کا بھاؤ بتا دیا، ابھی تو تم۔''

''شکر کرو کہ وہاں لوگ نہیں تھے ورنہ ایک منٹ میں پریس والے آ جاتے اور کل کی اخبار پہ بڑی سی شہہ سرخی ہوتی، علاقہ کے ایم پی اے جناب فاخر حیات صاحب ایک نامعلوم لڑکی سے پٹ گئے۔'' وہ سنجیدہ ہو گیا تھا مگر انداز ابھی بھی اسے چڑانے والا ہی تھا۔

''میری تو خبر نہیں لگی لیکن لگتا ہے آج تمہارے میرے ہاتھوں قتل کی خبر ضرور کسی اخبار میں لگے گی۔'' آگ بگولہ ہوتے ہوئے وہ وزنی ڈمبر لہراتا اسے جارحانہ انداز میں دیکھنے لگا، اس کی آواز یکلخت بلند ہوئی تھی، جم میں موجود اکا دکا لوگ انہیں دیکھنے لگ گئے تھے، آفاق فوراً شرافت کے لبادے میں آیا تھا۔

''بس بس میرے جذباتی دوست، کیا کر رہا ہے یار، لوگ دیکھ رہے ہیں، تم ایس پی آفاق حیدر کو قتل کی دھمکی دے رہے ہو، عزت ہے میری بھی تم تو ویسے ہی سیاست دان ہو تمہارے ماموں وزیر ہیں، تمہیں تو کوئی کچھ کہہ نہیں سکتا۔'' آفاق نے سہنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا تھا جس پر شدید غصے میں بھی فاخر کو ہنسی آ گئی مگر وہ ضبط کر گیا جانتا تھا کہ اسے ہنستا دیکھ کے آفاق پھر پھیل جائے گا۔

''دیکھ لوں گا میں تمہیں بھی اور چھوڑوں گا تو میں اس لڑکی کو بھی نہیں میں۔'' اس کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے جو سب کچھ بھسم کرنے کی تیاری میں تھے۔

''صبر شہزادے صبر تجھے پتا ہے نا کہ الیکشن ہونے والے ہیں ایسے میں تم جو کچھ بھی کرو گے بہت ہائی لائٹ ہوگا، چاہے وہ نیکی ہو یا گناہ ہر قدم سوچ سمجھ کے اٹھانا نہیں تمہیں پچھتانا نا پڑے جائے۔'' آفاق سنجیدہ لہجے میں سمجھاتے ہوئے کسی بھی انتہائی قدم سے روکا، وہ دونوں ایکسائز کر چکے تھے۔

''میں سب سمجھتا ہوں یار، فکر کیوں کرتے ہو، تم بس ہوسپٹل سے کسی نہ کسی طرح اس کا ایڈریس نکلوا دو باقی سب میں دیکھ لوں گا، ظاہری بات ہے آنے والے الیکشن مجھے کامیابی دینے والے ہیں جبکہ یہ بدلہ مجھے کچھ بھی نہیں دینے والا۔'' اسے مطمئن کرتا وہ گاڑی کی چابی اٹھا کے تیز ڈرائیو کرتا گھر آ گیا، گھڑی رات کے گیارہ بجا رہی تھی، جب وہ بیڈ پہ نیم دراز ہوا تھا۔

''آ گئے بیٹا، کھانا لاؤں تمہارے لئے؟'' عفت نے اندر آ کر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا تھا، وہ اٹھ کے بیٹھ گیا، حیات صاحب اور فرزانہ تو اس کے بچپن میں ہی ایک حادثے کا شکار ہو کے چل بسے تھے، عفت بی بی تو اس گھر کی ملازمہ تھی مگر انہوں نے اسے ماں کی طرح پالا تھا، سونے سہاگا اس کے ماموں آفتاب قیوم تھے جو ان کے نگران اور بے حد محبت کرنے والے دوست تھے، وہ تو ویسے بھی سونے کا نوالہ منہ میں لے کر پیدا ہوا تھا، مگر آفتاب قیوم کی محبت نے اس سر پھرے کو گویا اور غرور بخشا تھا، آفتاب قیوم کے ہی مشورے پہ وہ سیاست کی طرف آیا تھا، پیسے کے بل پہ ہی وہ کچھ عرصے میں ایم پی اے بن گیا تھا اور اب ایم این اے کے

الیکشن کی تیاری کر رہا تھا، آفرین آفتاب قیوم کی اکلوتی بیٹی اور اس کی بچپن کی منگیتر تھی، شروع سے اس نے آفرین کو ہی اپنی شریک حیات کے روپ میں دیکھا تھا۔

☆☆☆

''میری پیاری عفت بی، مجھے بالکل بھوک نہیں ہے آپ بس پاس بیٹھ کر مجھ سے باتیں کریں۔'' اگر عفت نے اسے ماں بن کے پالا تھا تو وہ بھی اسے ہمیشہ ماں جیسی ہی عزت بخشتا تھا، ان کے لاکھ سمجھانے پہ بھی گھر کے باقی نوکروں کے ساتھ اس کا رویہ بہت ہتک آمیز ہوتا تھا، عفت بی کو ہاتھ پکڑ کر اپنے مقابل بٹھاتے ہوئے وہ شہد آگیں لہجے میں بولا تھا۔

''مجھ بڑھیا کے پاس کون سی باتیں ہیں بیٹا میں تو کہتی ہوں تم شادی کر لو، اس گھر میں بھی رونق ہو جائے گی، تمہاری تنہائی بھی دور ہو جائے گی، تعلیم تو مکمل کر چکے اپنے پیروں پہ بھی کھڑے ہو اب تمہیں شادی کر لینی چاہیے۔'' عفت بی نے حسب معمول وہ موضوع چھیڑ دیا جس موضوع پہ وہ کافی عرصے سے اصرار کر رہی تھیں اور فاخر ہر بار یہ کہہ کے ٹال دیتا تھا کہ ابھی وہ شادی نہیں کرنا چاہتا، لیکن آج وہ چپ تھا، وہ جو سارا راستہ سوچتا آیا تھا وہ معاملہ گھر آتے ہی سلجھ جائے گا اس نے سوچا نہیں تھا۔

''ٹھیک ہے عفت بی جیسے آپ چاہیں میں شادی کے لئے تیار ہوں، مگر ابھی صرف نکاح رخصتی جب میں چاہوں تب۔'' غیر مرئی نقطے پہ پرسوچ نگاہیں ٹکاتے ہوئے وہ گہری سوچ میں مگن تھا۔

''جیتے رہو بیٹا، تمہاری شادی کے مجھے بہت ارمان تھے، میں کل ہی آفتاب صاحب کے گھر جاتی ہوں اور کہتی ہوں کہ آفرین کو اب ہمیں سونپ دیں، اسے ہی پسند کرتے ہو نا تم۔'' عفت بی اس کی رضامندی پہ پھولی نہیں سما رہی تھیں، ان کے تصور میں الٹرا ماڈرن طرح دار سے آفرین گھوم گئی۔

''نہیں عفت بی، آفرین نہیں میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں مگر کچھ مسائل ہیں، وہ لڑکی مڈل کلاس سے تعلق رکھتی ہے اور وہ لوگ مڈل کلاس میں ہی شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' اس کے شاطر ذہن نے بہت تیزی سے جال بنا تھا، وہ جال جو وہ کسی کو سبق سکھانے کے لئے بڑی سمجھداری سے بچھا رہا تھا۔

''حیرت کی بات ہے لوگ اپنی بیٹیوں کی شادی اعلیٰ حسب نسب والے اونچے گھرانوں میں کرنا چاہتے ہیں، یہ کیسے لوگ ہیں جو لڑکی کو غریبوں میں بیاہنا چاہتے ہیں۔'' عفت کی حیرت بجا تھی، لیکن وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ دنیا میں ہر طرح کی نفسیات کے لوگ تھے۔

''عفت بی اگر آپ میرا ساتھ دیں تو میں اپنی پسند حاصل کر سکتا ہوں، مڈل کلاس گھر کا انتظام میں کر لوں گا، آپ بس مجھے اپنا بیٹا اور ایک عام سا انجینئر ظاہر کر کے ہمارا نکاح کروا دیں باقی سب میں سنبھال لوں گا۔'' اس نے پر جوش انداز میں عفت بی کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے بیٹا، مگر یہ تو دھوکا ہو گا نا، اگر ان لوگوں کو شک ہو گیا تو؟ ویسے بھی جن لوگوں نے بیٹی دینی ہے وہ آس پاس سے پتا کروائیں گے تمہاری جاب کے بارے میں پوچھیں گے، تب وہ جان لیں گے کہ تم کون ہو، اس لئے سچ بولو تا کہ کبھی ندامت محسوس نا کرنی پڑے۔'' عفت بی نے خدشات سے اٹے چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے مدلل انداز میں

...سنبھال
ں گا، میں نہیں چاہتا اپنی حیثیت کی وجہ سے میں
ے کھودوں، ویسے بھی اس میں جھوٹ کیا ہے کیا
ں آپ کا بیٹا نہیں؟ آپ اپنے بیٹے کے لئے اتنا
ہیں کر سکتیں۔'' اپنی شاطر نگاہوں میں دنیا جہان
ی آس سموئے اس نے پوچھا تو عفت کا فوراً دل
دبا تھا۔

☆☆☆

''دیکھو امل! رشتہ بہت اچھا ہے ویسے بھی رشتہ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ لڑکی پڑھ نہیں سکتی، تم دیکھنا ہم ان لوگوں سے کچھ مہلت مانگ لیں گے تب تک تم اپنا ایم بی بی ایس مکمل کر لینا پھر شادی کر لیں گے۔'' کچھ دنوں سے گھر میں اس کے لئے آئے ہوئے رشتے کا تذکرہ بہت سنجیدگی سے کیا جا رہا تھا، جس سے جان چھڑا کے وہ پڑھائی کا بہانہ کرتی اپنے کمرے میں آ گئی ورنہ اس وقت وہ لاؤنج میں سب کے ساتھ بیٹھ کے چائے کے دوران ڈھیروں باتیں کرتی تھی، ابھی اس نے ڈائننگ چیئر پہ بیٹھ کے ٹیبل پہ رکھی کتاب ہاتھ میں لی ہی تھی کہ ہلکی دستک دے کر کوئی داخل ہوا تھا، اس نے گردن موڑ کے بے تاثر چہرے سے دیکھا صباحت چلی آئیں، اس کا الجھا ہوا ذہن پراگندہ سوچوں کی آماجگاہ بنا تھا، سے ان کو دیکھا، وہ اندر آ کے اسے وہ بات سمجھانے لگیں جو وہ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

''رشتہ ہی تو ہے مسئلے کا حل نہیں ہوتا، پھر اگر وہ لوگ دو سال کی مہلت نا دیں تب؟ ویسے بھی میں دنیا سے ڈر کے کوئی قدم اٹھائیں بھی تو کیوں، یہ میری پوری زندگی کا سوال ہے کوئی مذاق تو نہیں۔'' اس نے جیسے ان کے تعمیر کیے ...بوں لیے تھے، اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی صباحت ایک پل کے لئے لاجواب ہو کے واپس پلٹیں تب ہی دادی اندر آئیں تھیں، صباحت کے چہرے پہ ٹھنڈی لاچاری نظر جمائے وہ اس تک آئی تھیں، جبکہ صباحت مطمئن سی کچن کی طرف چل دیں وہ جانتی تھیں کہ اب تحسین بیگم امل کو منا ہی لیں گی۔

''میرے عرفات کے جانے کے بعد تم نہیں جانتی کہ ہم دو تنہا عورتوں نے کیسے تم دو بچوں کو پروان چڑھایا ہے، ہم ایک بھرے پرے محلے میں رہتے تھے، پھر بھی تم بچوں کو اکیلا نہیں چھوڑتے تھے، میں تو اس حق میں بھی نہیں تھی کہ صباحت جاب کرے مگر یہ ہماری مجبوری تھی، اس گھر کی حفاظت کے ساتھ ساتھ کفالت کی ذمہ داری بھی ہم پہ آ پڑی تھی، صباحت اسکول سے آتی تھی تو میں گھر کا سودہ سلف اور مال دینے اور لینے جاتی تھی، پھر بھی دھڑکا لگا رہتا تھا کہ ہم تنہا عورتیں اور دو بچے چور یا لٹیرے گھر میں گھس آئے تو ہم کیا کریں گے، اللہ نے ہماری حفاظت کی تم لوگوں پالنے اور بڑھانے میں ہماری مدد کی، اب جب سے بیمار رہنے لگی ہوں دل میں نا جانے کیوں بہت وہم آتے ہیں میں آج ہوں کل نہیں، مجھے ڈر لگتا ہے یوں لگتا ہے ادھر دم نکلے ادھر ظالم دنیا تمہیں نگل لے گی۔'' تحسین بیگم نے اس کے عین پیچھے رکھے صوفے پہ تقریباً گر کر وہ اسے خود پہ گزرے حالات سے آشنا کرنے لگیں، گزرے حالات کی تلخیاں اپنی ساری جزئیات کے ساتھ ان کے جھریوں زدہ چہرے پہ ثبت تھیں، ان کے ابہام مکمل طور پہ بے بنیاد نہیں تھے، ایک پل کے لئے اس نے دادی کی جگہ خود کو رکھ کے دیکھا تو گنگ رہ گئی۔

''دادی! آپ دنیا سے اتنا کیوں ڈرتی ہیں، آپ کے پوتا پوتی اب بڑے ہو چکے ہیں دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے اس سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔'' اس نے صوفے پہ دادی کے ساتھ بیٹھ کر کمزور لہجے میں انہیں یقین دلایا، جانے کیوں مگر وہ دادی کے سامنے ہمیشہ یوں ہی کمزور پڑ جاتی تھی۔

''تم دنیا نزاکتوں کو نہیں سمجھتی، تمہارے باپ کے بعد میں نے ہر سجدے میں ایک ہی خواہش کی کہ میری تب تک جان نا نکلے جب تک میں تمہیں اپنے گھر میں ہنستا بستا اور محفوظ نا دیکھ لوں، تمہارا بھائی بڑا ہوتا تو مجھے فکر نا ہوتی، وہ ابھی خود چھوٹا ہے تمہاری حفاظت کیا کرے گا۔'' دادی کے چہرے کی افسردگی میں چنداں فرق نہیں آیا تھا۔

''یہ کیا بات کر دی دادی، آپ نے میں اب اتنا بھی چھوٹا نہیں رہ گیا، پورے سولہ کا ہو گیا ہوں، کالج جاؤں گا کچھ عرصے بعد، میں آپی کی اور اماں کی حفاظت اچھے سے کر سکتا ہوں۔'' فہد انہیں ڈھونڈتا ہوا یہاں آیا تھا، ان کی آخری بات سن کے ان کے پاس آ کر صوفے پہ بیٹھ کر کہتا وہ انہیں بہت اچھا لگا، انہوں نے دل ہی دل میں اس کی بلائیں لیں۔

''تم وہ کمزور سہارا ہو جو ریت کی دیوار کی طرح ایک دھکے ایک ٹھوکر سے گرایا جا سکتا ہے، مگر نکاح کی ڈور ایسا مضبوط حصار ہے کہ جو عورت کے لئے ایک مضبوط پناہ گاہ ثابت ہوتی ہے، یہ وہ حد بندی ہے جس کے اندر اور باہر بس سلامتی ہی ہوتی ہے، اس کے بعد کوئی بھی منفی سوچ یا رویہ تمہاری آپی کو صراط مستقیم سے ہٹنے نہیں دے گا اور نا کسی آفت کو اس تک آنے دے گا۔'' دادی سمجھا فہد کو رہی تھیں جبکہ ان کی چیاندیدہ نظریں امل کے رنگ بدلتے چہرے پہ تھیں، امل کے ذہن کی اسکرین پہ وہ طاقت کے نشے میں چور شخص آ گیا جو واقعی فہد کو اپنی ٹھوکروں کی زد میں لئے ہوئے تھا۔

''دادی! مجھے آپ کی اتنی گہری باتیں سمجھ میں نہیں آتیں لیکن اگر آپی راضی نہیں ہیں تو آپ انہیں مجبور مت کریں۔'' فہد نے التجائیہ انداز میں کہتے ہوئے امل کی طرف دیکھا۔

''تم نہیں سمجھتے مگر امل میری ہر بات کو بخوبی سمجھ چکی ہے کیوں امل؟'' انہوں نے خاموش بیٹھی امل کو بولنے پہ اکسایا تھا۔

''دادی ٹھیک کہہ رہی ہیں فہد، دادی کبھی بھی ہمارے لئے غلط نہیں سوچ سکتیں۔'' امل اپنی نیم رضا مندی ظاہر کرتی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''مگر دادی! آپی خوش نہیں ہیں پلیز یہ مت کریں، میں ہوں نا بڑا ہو کے جاب کروں گا دھوم دھام سے اپنی آپی کی شادی کروں گا۔'' فہد نے پر سمجھانا چاہا تھا۔

''تب تک میں نا رہی تو؟ کیا میرا حق نہیں کہ ایک عمر صعوبتیں جھیلنے کے بعد میں مرنے سے پہلے امل کی خوش دیکھ سکوں؟'' ان کی بوڑھی آنکھوں میں بے بسی کی نمی تھی، اب کی بار فہد نے ان کے گلے لگتے ہوئے بے اختیار خود کو رونے سے روکا تھا۔

''اللہ نہ کرے دادی یہ کیسی باتیں کرتی ہیں آپ، جیسا آپ چاہتی ہیں ویسا ہی ہوگا۔'' گلو گیر لہجے میں مختصر کہتا وہ اٹھ کے اپنے کمرے میں چلا گیا، تحسین بیگم مسکرا دیں۔

دادی نے رشتے کے بارے میں چھان پھٹک کی ذمہ داری فضل چچا کو دی تھی، جنہوں نے لڑکے کے گھر جانے بنا اس پڑوس سے مکمل پوچھ

...تھا جو دوبئی میں انجینئر کی جاب کر رہا تھا، لڑکے کے دوستوں نے جو اس کے محلے دار بھی تھے لڑکے کی شرافت کی قسمیں کھائی تھیں، دادی اور اماں دو تین بار ان کے گھر بھی ہو کر آئی تھیں، سونے پہ سہاگا لڑکے والوں نے نکاح کا کہا تھا رخصتی وہ بھی لڑکے کے دوبئی سے ہو کر آنے پہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ لڑکے کی چھٹیاں ختم ہونے والی تھیں، اس طرح چند ہی دنوں کے اندر ان کا نکاح ہو گیا تھا، وہ ایک انجانے سے نام سے بندھ گئی تھی بنا کسی جذباتی وابستگی کے، اس نے سراسر یہ نکاح دادی کو مطمئن کرنے کے لئے تھا اور دادی تو جیسے اسی انتظار میں تھی، فوراً ہی اپنے ازلی گھر کے لئے رخت سفر باندھا تھا، وہ جو سوچ رہی تھی کہ اب مطمئن ہو کر اپنی پڑھائی پہ توجہ دے گی، وہ دادی کے چلے جانے سے بالکل ہی ٹوٹ گئی۔

☆☆☆

وقت اپنے پروں میں دو ماہ کا عرصہ سمیٹ کر لے گیا تھا، دادی کی جدائی کا غم مکمل تو نہیں مگر کچھ حد تک مندمل ہوا تھا، شام کے چھ بج رہے تھے، موسم کافی حد تک بدل گیا تھا، وہ ہڈیوں میں سرائیت کرتی سردی جیسے اپنا دم خم کھو رہی تھی، اوائل فروری کی یہ شام ہلکی سرد تھی، وہ اس وقت پڑھ رہی تھی جب فون کی گھنٹی بجی، انجان نمبر تھا اس کا دل یکبارگی دھڑک اٹھا ابھی کل ہی تو اس کی ساس اس کا نمبر لے کر گئیں تھیں، اس نے ریسیو کر کے کان سے لگایا۔

''السلام علیکم کیا مسز فاخر حیات سے بات ہو سکتی ہے۔'' مقابل کو جیسے یقین تھا کہ فون وہ ہی اٹھائے گی، کھنکتی ہوئی آواز میں پوچھے گئے سوال میں جانے کیوں لیکن امل کو گہرے طنز کی آمیزش ...اپنا وہم گردانتے ہوئے تحمل سے جواب دیا۔

''جی میں بول رہی ہوں، کہیے کیسے فون کیا آپ نے۔'' سلام کے بعد اس نے سرسری لہجے میں پوچھا تھا کیونکہ اماں نے زیادہ بات سے منع کیا تھا، ان کا کہنا تھا کہ منگنی ایک ناپائیدار رشتہ ہے اس لئے زیادہ بات کرنا مناسب نہیں، اس کے لئے دیئے انداز پہ اپنے لگژری بیڈ پہ لیٹا فاخر یوں قہقہے لگانے لگا جیسے کوئی لطیفہ سن لیا ہو۔

''تمہیں سچائی سے آگاہ کر کے تمہاری بے بسی کا تماشہ دیکھنے کے لئے فون کیا ہے مسز، کیا نام ہے تمہارا؟ خیر جو بھی ہے، کاش میں اس وقت تمہاری بے بسی اپنی آنکھوں سے دیکھ پاتا۔'' خوب قہقہے لگانے کے بعد وہ بولا، نہیں تھا گویا اس نے سور پھونکا تھا جس سے امل کے ذہن میں خدشات کے جھکڑ چلنے لگے تھے، اپنے دل سے اٹھتے وہم سے نظریں چراتی مہر بلب کھڑی امل نے جیسے اپنی سب ہمتیں یکجا کر کے پوچھا تھا۔

''کیا مطلب ہے میں سمجھی نہیں کون ہو تم اور یہ کیا بکواس ہے۔'' امل کا لرزتا لہجہ جیسے فاخر کے دل کو تقویت دے رہا تھا، وہ پھر مسکرایا تھا۔

''اتنی جلدی بھول گئی کل دو ماہ پہلے ہی تو ہمارا نکاح ہوا ہے، تم مجھے کیسے بھول سکتی ہو مسز فاخر حیات، تم آج کے بعد مجھے ساری زندگی یاد کرو گی کہ پالا کس سے پڑا، تم نے تو مجھے تنہائی میں ٹھوکر مار کے ذلیل کیا تھا نا اب تم بس دیکھتی جاؤ کہ دنیا تمہیں ساری زندگی میرے نام کی ٹھوکروں سے کیسے ذلیل کرتی ہے، ایم بی اے فاخر حیات کو دی گئی ذلت کسی نے نہیں دیکھیں مس عرفات، مگر تم فاخر حیات کی دی گئی ذلت تمام عمر نہیں بھول پاؤ گی، کیونکہ اب تمام عمر تمہاری

رخصتی نہیں ہو گی۔'' ہلکی مسکراہٹ میں چھپی سفاکیت روز روشن کی طرح عیاں تھی، وہ جو دم بخود سی اسے سن رہی تھی تقدیر کے اس وار پہ انگشت بدنداں رہ گئی۔

''یہ بھی سمجھ لو کہ ایک سیاست دان سے طلاق لینا بھی ناکوں چنے چبوادے گا تمہیں، اس لئے ایسی ویسی کوئی حرکت کرتے ہوئے اپنے اکلوتے بھائی کے بارے میں ضرور سوچنا کیا پتا کون سی اندھی گاڑی کی زد میں آ کے حادثے کا نشانہ بن جائے، چھوڑ تو میں تمہیں دوں گا مگر تمہاری ماں اور بھائی کو قتل کروانے کے بعد، تاکہ تم بالکل تنہا رہ جاؤ۔'' انجانے اندیشوں کے تحت فاخر نے اسے دھمکانا بھی ضروری سمجھا تھا۔

''بکواس بند کرواپنی تم، اگر میرے بھائی یا ماں کو کچھ ہوا نا تو مرنے سے پہلے تمہیں مار کے نا مری تو مجھے بھی اہل عرفات مت کہنا۔'' جب تک بات خود تک تھی وہ برداشت کر گئی، فہد کی بات آتے ہی وہ بپھر گئی۔

''ہاہاہا تمہاری یہ ہی جی داری تمہاری دشمن ہے لڑکی، اب اس کا انجام تمام عمر بھگتو، بائے اپنا خیال رکھنا اور ہاں تمام عمر دنیا کی دی ہوئی ذلت ضرور سہنا کہ کیوں تمہاری رخصتی نہیں ہو رہی، اس ذلت کو اپنی منہ دیکھائی سمجھ لینا۔'' کانوں کے ذریعے اس کے دل میں نشتر اتارتا فون ساکت ہو چکا تھا، فاخر نے مکروہ قہقہہ لگاتے ہوئے موبائل سائیڈ ٹیبل پہ اچھال دیا، تب ہی آفرین کی کال آئی تھی۔

''کہاں ہو تم جناب،۔ آج تو ڈنر کا پروگرام تھا نا کہاں تک پہنچے، میں تو بالکل ریڈی ہوں۔'' آفرین نے ازلی بے تکلفی سے اسے وہ پروگرام یاد کروایا جو کل بنا تھا لیکن آج اس کے ذہن سے مکمل طور پر محو ہو گیا تھا۔

''اوہ شٹ میں واقعی بھول گیا تھا، ویسے یہ یاد دلانا تمہاری ذمہ داری ہے منگیتر کس چیز کی ہو تم۔'' فاخر نے شوخ لہجہ اپناتے ہوئے ساری غلطی اس پہ ڈال دی تو وہ کھلکھلا اٹھی۔

''اچھا جی؟ یعنی تمہارے بھلکڑ ہونے میں اب میری ہی غلطی ہے، مگر میں ان جاہل لڑکیوں میں سے نہیں جنہیں منگیتر کو اہمیت دینے کے سوا کوئی کام نہیں ہوتا۔'' آفرین نے مغرور انداز میں کہتے ہوئے فون بند کر دیا، وہ مسکراتا ہوا اٹھ کر فریش ہونے چلا گیا وہ جانتا تھا وہ آفرین کو منا لے گا۔

☆☆☆

کچھ ہی دنوں میں وہ جیت کا یہ سرشار کر دینے والا احساس بھی فراموش کر چکا تھا، الیکشن قریب آ رہے تھے، وہ اردگرد سے بے نیاز الیکشن کی تیاری میں مصروف ہو گیا، یہ اس کی لگن دن رات کی کوشش اور آفتاب قیوم صاحب کی اسپورٹ تھی کہ وہ ایم این اے بن گیا تھا، تنی ہوئی گردن گویا زمین پہ دیکھنا بھول چکی تھی، تب ہی آفتاب قیوم نے خود اس سے اس کے اور آفرین کے رشتے کی بات کی تھی، اس نے گھر آتے ہی عفت بی کو شادی کی تیاریوں کا کہا تو وہ شاک کے عالم میں اسے دیکھے گئیں۔

''شادی تو تم کر چکے ہو فاخر بیٹا، آفتاب صاحب کو بتایا نہیں تم نے؟'' بہت دیر بعد جب وہ بولنے کے قابل ہوئیں تو بس اتنا ہی پوچھ پائیں۔

''وہ شادی نہیں تھی عفت بی، وہ بس میرا انتقام تھا، وہ اس لڑکی کی سزا تھی، فاخر حیات سے پنگا لینے کی سزا جو اسے ملنی ہی تھی، اب ساری زندگی نا میں اسے طلاق دوں گا نا کبھی رخصتی کرواؤں گا۔'' اس دن کا واقعہ تفصیل سے بتاتا وہ

آخر میں نخوت سے بولا تو عفت بی دنگ رہ گئی۔

''نہیں فاخر بیٹا تم جزا اور سزا کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتے، یہ حق صرف خدا کے پاس ہے، سنبھل جاؤ میرے بیٹے ایسے دو لڑکیوں کو دھوکا دے کر تمہیں کچھ نہیں ملے گا، مت کرو یہ ظلم، مظلوم کی آہ میں بہت اثر ہوتا ہے، آہ مت لو اس کی۔'' عفت بی نے روتے ہوئے سمجھایا تھا، جو بھی تھا وہ انجانے میں ہی سہی مگر اس ظلم میں وہ بھی شریک تھیں۔

''عفت بی، یہ ٹھیک ہے کہ میں نے ہمیشہ آپ کو اپنی ماں جتنی عزت دی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ میرے معاملات میں دخل اندازی کرنا شروع کر دیں، میں نے کہہ دیا کہ میری اور آفرین کی شادی کی تیاری کریں تو بس کریں بنا ایک بھی سوال کیے۔'' اب کی بار فاخر کے لہجے میں سختی تھی، عفت نے حیرت سے سامنے بیٹھے بے حس شخص کو دیکھا تھا۔

''ایک بار سوچ لو بیٹا، کہیں تمہیں پچھتانا.....''

ان کی بات منہ میں تھی جب فاخر کا ضبط جواب دے گیا۔

''مجھے بہت نیند آ رہی ہے عفت بی، اب آپ جا سکتی ہیں۔'' ان کی بات کاٹ کر جیسے اس نے انہیں جانے کے لئے کہا عفت کو بہت برا لگا وہ وہاں سے چلی گئیں، گو فاخر نے انہیں جلد منا لیا تھا، مگر اپنے فیصلے سے ایک انچ نہیں ہٹا تھا۔

آفرین وہ لڑکی تھی جسے اس نے بچپن سے چاہا تھا، دو ماہ کے مختصر عرصے میں ان کی شادی بہت دھوم دھام سے ہو گئی تھی، اللہ نے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ سے کیا نوازہ گویا ہفت اقلیم کی دولت بخش دی تھی، خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولتے وہ بھول ہی گیا تھا کہ کسی کو خود ساختہ انا کی بھینٹ چڑھا چکا ہے۔

☆☆☆

اس کے نکاح کے کچھ عرصے بعد سے اس کے سسرال میں تالا لگا تھا، صباحت روز فہد کے ساتھ نئی امید لے کر جاتیں روز ہولتا دل لئے واپس لوٹتیں، محلے والوں سے پوچھتیں وہ لاعلمی کا اظہار کرتے کہ انہیں بھی اس فیملی کے غائب ہونے کی وجہ نہیں معلوم، انہیں اب یہ ملال شدت سے ستاتا تھا کہ انہوں جلد بازی میں غلط فیصلہ کر دیا، فضل چچا اپنی کوتاہی پہ معافیاں مانگتے صباحت بیگم بے بس نظروں سے بس انہیں دیکھتیں رہ جاتیں، محلے والے طرح طرح کی باتیں کرتے وہ یہ کہہ کے مطمئن کرتیں کہ ڈاکٹر بننے تک مہلت مانگی ہے بیٹی کے سسرال والوں سے، لیکن کچھ تاویلیں اپنے بودے ہونے کا اعلان خود کرتی ہیں۔

صباحت کی گرتی ہوئی طبیعت، تفکرات سے اٹا چہرہ محلے کی جہاندیدہ عورتوں کی نظروں سے چھپا کب تھا، محلے میں چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں، امل کی کمیاں تو لی جا رہی تھیں، کسی کا خیال تھا کہ شاید لڑکے والوں نے فوراً رخصتی مانگی اور انہوں نے نہیں دی اس لئے وہ ناراض ہو کے رشتہ ہی توڑ گئے، کچھ امل کے کردار کو مشکوک ٹھہرا رہے تھے، فہد الگ افسردہ رہتا وہ چاہ کے بھی اپنی امی کی پریشانیاں دور نہیں کر پا رہا تھا، ایک امل ہی تھی جو سب باتوں سے واقف تھی لیکن سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کرے تو کیا کرے، اگر وہ حقیقت سے اپنی بیمار ماں کو آگاہ کر دیتی تو وہ برداشت نا کر پاتیں اور اگر حقیقت نا بتاتی تو چنگاریوں جیسی چہ مگوئیاں آگ اگلتے سوال بن جاتے جو ان کے دلوں کو چھید دیتے اور اس کی پاک دامنی پہ برملا سوال اٹھانے کی جرأت دیتے، وہ رات اس نادیدہ درمیانی راستے کو کھوجتے گزری اس کی، بالآخر

اسے وہ درمیانی راستہ مل ہی گیا۔

''اماں! کیا کہا ڈاکٹر نے کیوں آپ کی طبیعت رات اتنی خراب ہوگئی تھی، آپ کی حالت دیکھ کے میرا تو دل ہی دہل گیا تھا، ہمارا ہے ہی کون آپ کے سوا؟'' دروازہ کھولتے ہی وہ شروع ہوگئی تھی، وہ ابھی کالج سے آئی تھی، ساتھ والی اتیقہ بھابھی جو کہ اپنے گھر کی سیڑھیاں دھو رہی تھیں، انہوں نے اسے صباحت کی بیماری کے بارے میں بتایا۔

''ارے اپیا، کیوں پریشان ہو جاتی ہو اب ٹھیک ہیں امی، بس ان کے لئے اچھا سا سوپ بنا کے لئے آؤ، ڈاکٹر کہہ رہے تھے بی پی بہت زیادہ لو ہونے کی وجہ سے یہ بے ہوش ہوگئیں تھیں۔'' انہیں ان کے کمرے تک لے جاتا فہد اسے تفصیل بتانے لگا، وہ وہیں سے کچن کی طرف مڑ گئی، آدھے گھنٹے بعد جب سوپ کا پیالا تھامے ان کے کمرے تک آئی تو دروازے میں ہی ٹھٹک کر رک گئیں۔

''تم کمال کرتے ہو فہد، کیسے نا پریشان ہوؤں میں، پتا نہیں کس غلطی کی سزا ملی ہے، جو یوں دنیا کو ہم پہ انگلی اٹھانے کا موقع ملا ہے، تم تو سارا دن کالج ہوتے ہو، ہمدردی کے نام پہ ان محلے والیوں کی طنزیہ باتیں مجھے سننی اور سہنی پڑتی ہیں۔'' سر دباتے فہد کا ہاتھ جھٹکتی وہ منہ پھیر کر بوجھل ہوتی آنکھیں موند گئیں، اس نے اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے، سوپ سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے صباحت سے مخاطب ہوئیں۔

''اماں آج کے بعد آپ سے کوئی سوال نہیں پوچھے گا، آج میں کالج میں تھی تو مجھے فاخر کا فون آیا تھا۔'' اس نے نظر جھکاتے ہوئے جھوٹ بولا تھا، جبکہ صباحت بیگم کے نڈھال وجود میں کسی نے نئی روح پھونک دی تھی فوراً آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی۔

''اپیا، جلدی سے بتائیں نا کیا کہہ رہے تھے وہ؟ اور وہ گھر کیوں چھوڑا انہوں نے؟ اب کہاں ہیں وہ؟'' فہد جیسے بے تحاشا خوش ہوتے ہوئے تابڑ توڑ کئی سوال پوچھ گیا، صباحت بھی اسے دیکھنے لگیں تو وہ مسکرا دی۔

''اماں جب تک آپ اٹھ کر یہ سارا سوپ کا پیالا نہیں ختم کریں گی میں آپ کو کچھ نہیں بتاؤں گی کہ کیا بات ہوئی۔'' اس نے مڑ کر سوپ کا پیالا اٹھاتے ہوئے دھمکی دی، فہد نے سہارا دیتے ہوئے صباحت بیگم کو بٹھایا تھا، پیچھے تکیے رکھے۔

''اچھا میری ماں پی لیتی ہوں سوپ مگر جلدی بتاؤ کہ بات کیا ہوئی تھی، مجھے یقین ہے اس کی کچھ مجبوری ہی ہوگی ورنہ عفت بہن تو بڑی رکھ رکھاؤ والی تھیں، فاخر بھی بہت شریف اور سمجھدار بچہ لگا تھا مجھے۔'' انہوں نے اس کے ہاتھ میں تھامے چمچ سے سوپ پیتے ہوئے کہا تو امل کا دل اداسی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرا، مگر اپنے احساسات پہ قابو پاتے ہوئے اس نے ہونٹوں پہ مسکراہٹ سجائی، صباحت تو جلدی جلدی سوپ پی رہی تھیں، اس کی مسکراہٹ دیکھ کر اندر تک مطمئن ہوگئیں۔

''فاخر کہہ رہے تھے کہ ان کے ماموں کا انتقال ہوگیا تھا اس لئے وہ بنا اطلاع دیئے عفت آنٹی کو لے کے اچانک دوبئی چلے گئے، وہ آپ سے معافی بھی مانگ رہے تھے۔'' مختصر بتاتی وہ خاموش ہوگئی تھی، جیسے بڑے امتحان سے گزر کر پرسکون ہوگئی ہو، اسے سچ کی تربیت دی گئی تھی مگر اس وقت وہ جھوٹ بول رہی تھی۔

''دیکھا میں نا کہتی تھی کہ کوئی مجبوری ہی ہو گی ورنہ وہ لوگ بے حد شریف اور خاندانی ہیں۔''

گھوڑے پہ بیٹھ کے اپنی دلہن کو لینے آئیں گے۔"
بدلے آنکھوں میں شرارت سموتے ہوئے اسے چھیڑا تھا، وہ یوں دل جمعی سے سوپ کا آخری چمچ اماں کے منہ میں ڈالنے لگی جیسے اہم کام دنیا میں کوئی نہیں۔

"میں نے ان سے دو سال کی مہلت مانگی ہے جو انہوں نے بخوشی دے دی، ویسے بھی انہیں اب پاکستان آنے میں دو سال لگ ہی جائیں گے تب تک میں بھی ڈاکٹر بن جاؤں گی۔" مختصر جواب دیتی وہ سوپ کا خالی پیالا اٹھا کے کمرے سے نکل گئی۔

"اماں! اب تو آپ خوش ہیں نا اب اپیا کو بھی دو سال تک آپ بالکل کچھ نہیں کہیں گی، جب فاخر بھائی کو اعتراض نہیں تو ہم بھی اب کچھ نہیں کہیں گے۔" فہد نے اماں کے پاؤں دباتے ہوئے کہا تھا اماں مطمئن سی مسکرا دیں۔

"اچھا دادا ابا، کچھ نہیں کہتی میں تمہاری اپیا کو۔" صباحت نے پرسکون ہو کر آنکھیں موند لیں، جبکہ باہر کھڑی امل کے دل سے جیسے بہت بڑا بوجھ ہٹا تھا، یہ دوسرے دن کی بات ہے جب اماں کی خبر لینے کے بہانے آس پاس کے گھروں کی ٹوہ لینے کی عادی عورتیں ان کے گھر آئی تھیں، امل نے آج کالج سے چھٹی کی تھی، وہ موبائل ہاتھ میں لئے کچن میں چلی آئی، ان کے لئے چائے ٹرے میں سلیقے سے سجائے وہ اندر اماں کے کمرے میں آ گئی۔

"ارے سلطانہ خالہ، میری چھوڑیں آپ اپنی کی سنائیں، اس کی طلاق ہو گئی تھی نا ملا کوئی دوبارہ رشتہ؟" مہوش نے سینٹرل ٹیبل پہ ٹرے رکھتے ہوئے اس نے خوشی سے کھنکتے لہجے میں پوچھی ساتھ آئی سلمیٰ سے آنکھوں ہی آنکھوں میں معنی خیز اشاروں کے تبادلے کر رہی تھیں، وہ محفل میں اپنی بیٹی کے تذکرے پہ دم بخود رہ گئیں۔

"ارے میری بیٹی میں کیا کمی ہے، وہ تو لوگ ہی برے مل گئے، ورنہ لاکھوں کا جہیز دے کر رخصت کیا تھا ہم نے، ویسے اس کے سر پہ تو باپ کا سایہ ہے ہم اسے پھر کوئی اچھا رشتہ دیکھ کے رخصت کر دیں گے، اصل فکر تو مجھے تمہاری ہے بھئی یتیمی بھی ایک بڑا دکھ ہے اب کہیں تمہارے سسرال والے فراڈ نا نکل آئیں، کہیں وہ تمہیں طلاق ہی نا دے جائیں، محلے دار ہونے کے ناطے ہمیں پتا ہونا چاہیے نا کہ کیا چل رہا ہے تمہارے گھر، پتا ہوگا تو مدد کے لئے پہنچیں گے نا۔" اس نے ایک نظر صباحت کے پھیکے پڑتے چہرے پر ڈالی اور کھول کر رہ گئی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو سلطانہ، بیٹیاں تو سب کی سانجھی ہوتی ہیں، اللہ ان کی حفاظت کرے بس۔" ساتھ بیٹھی سلمیٰ نے بات ٹکڑا لگایا تھا، وہ شاید یہ نہیں چاہتی تھیں کہ بات ان کی بیٹیوں تک آئے اور مہوش ان کے بارے میں کوئی گوہر افشانی کرے سو بات کو سمیٹ گئیں، تب ہی اس کے فون کی بیل بجی۔

"لیں خالہ، جن کا ذکر کر رہی تھیں ان کی کال آ گئی ہے، اماں فاخر کی کال ہے میں بات کر لوں ذرا۔" اس کا لگایا ہوا ریمائنڈر ٹھیک دس منٹ بعد بولا تھا جسے آف کر کے کان سے لگاتی وہ اجازت ملتے ہی کمرے سے نکل گئی، سلطانہ جو ان کی تکلیف کا مزہ لینے کی نیت سے آئی تھی برا سا منہ بنا کے سلمیٰ سے باتوں میں لگ گئی، جبکہ صباحت نے دل ہی دل میں سجدہ شکر ادا کیا۔

باتیں کرتی کبھی پڑوسیوں اور کبھی گھر والوں کے سامنے، وہ اچھی ایکٹر تھی یا شاید اسے بھرم اچھا رکھنا آتا تھا، اکثر اکیلے میں وہ رو دیتی تھی کہ جانتی بھی مضبوط تھی لڑکی ہی تھی نا کمزور اور ناتواں دل رکھنے والی۔

☆☆☆

وقت اپنے آنچل میں کئی موسموں کو سمیٹ کر ایک ہی جست میں کئی لوگوں کو روندتا پانچ کیلنڈر بدل گیا تھا، اس زندگی کے وہ قیمتی پانچ سال جو فاخر نا ہوتا تو بس خوشگوار گزرتے، وہ چاہتی تو خلع لے لیتی، لیکن وہ ڈر گئی اپنا بھائی اور ماں اسے اپنی زندگی سے زیادہ عزیز تھے، وہ جانتی تھی اثر رسوخ والے لوگ ان جیسے عام لوگوں کو تنکوں کی طرح اڑانے کی طاقت رکھتے تھے، اس لئے اس نے اپنا مقدمہ اس خدا کی عدالت میں پیش کر دیا جو دلوں کا حال تک جانتا تھا، وہ اب ایک کامیاب ڈاکٹر تھی، اسکالرشپ پر وہ اسپیشلائزیشن بھی کر آئی تھی، مگر گھر میں اور محلے میں اس نے یہ ہی ظاہر کیا تھا کہ وہ اسپیشلائزیشن فاخر کی اسپورٹ اور خواہش پہ کر رہی ہے، چائلڈ اسپیشلسٹ ڈاکٹر کی حیثیت سے وہ ڈیفنس میں پرائیویٹ کلینک چلانے کے ساتھ ساتھ سرکاری ہسپتال میں جاب بھی کر رہی تھی، سرکاری ہسپتال کا انتخاب اس نے خود کیا تھا، وہ جتنے مریضوں کو بھی چیک کرتی تھی وہ سب اس کے اخلاق کے گرویدہ تھے، وہ بہت تندہی سے مریض دیکھتی تھی سرکاری ہسپتال میں ڈاکٹروں کی بے توجہی کے باعث سسکتے لوگ اپنے معصوم بچوں کو اس کے پاس لاتے وہ ان کا علاج پوری توجہ سے انہیں بھرپور عزت دے کر کرتی تو لوٹتے وقت ان کے لبوں پہ اس کے لئے دعائیں ہوتیں۔

صباحت اب بہت بیمار رہنے لگیں تھیں، ان کو اہل کی فکر کھائے جاتی تھی، اہل جیسے اب اس بھرم کا بوجھ اٹھائے تھک رہی تھی، ہر صبح کسلمندی سے یہ سوچتی کہ آخر یہ چار دن کی زندگی اتنی لمبی کیوں ہے کہ اسے جھیلنے کے لئے میں آج پھر اٹھ گئی ہوں، پھر سارا دن انسانیت کی خدمت کر کے جیسے اپنا غم فراموش کر بیٹھتی تھی، ان دن بھی بہت تھکی ہاری واپس آئی تھی، دل چاہا اماں کی گود میں سر رکھ کر کچھ سستا لے، وہ سیدھی اماں کے کمرے میں چلی آئی، وہ بیڈ پہ نیم دراز آنکھیں موندے ہوئے تھیں۔

''السلام علیکم اماں؟ کیسی ہیں آپ؟ فہد آیا نہیں ابھی تک؟'' اس نے پاس بیٹھ کر حال پوچھتے ہوئے سوال بھی کر دیا۔

''وعلیکم السلام میں ٹھیک ہوں، وہ آ چکا ہے کچن میں ہے کہہ رہا تھا چائے بنانے لگا ہے۔'' انہوں نے مختصر بتاتے ہوئے ایک اچٹتی سی ایک نظر اس کے تھکے تھکے چہرے پر ڈالی۔

''اہل ایک بات پوچھوں تم سے؟'' انہوں نے مضمحل آواز میں اس سے پوچھا تو اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر بغور ان کا چہرہ دیکھا جس پہ کافی عرصے سے افسردگی کا بسیرا تھا۔

''میں جانتی ہوں اماں آپ کیا پوچھنا چاہتی ہیں میرا جواب آج بھی وہ ہے جو پچھلے پانچ سالوں سے ہے، خدا کے لئے اماں پریشان مت ہوں اس پریشانی کی وجہ سے ہی آپ کی طبیعت بہتر نہیں ہوتی۔'' جھک کر جوتے اتارتی وہ اماں سے التجا کرتی ان کی گود میں سر رکھ کے لیٹ گئی، جسم کو توڑتی تھکن بیڈ کے سپرد کرتے وہ گہرا سکون محسوس کر رہی تھی۔

''تجھے مجھ پہ رحم نہیں آتا؟ میں آج ہوں کل

ہاؤس جاب تک اس کے ساتھ تھی، پھر اپنے آبائی گاؤں بیاہ کر چلی گئی، جاتے ہوئے اپنی لکھی شاعری اس کے پاس بھول گئی تھی۔

تو نے خوابوں کی دہلیز پر کھڑے ہو کر
میں نے اندر جھانک کر دیکھا تھا
وہاں کچھ سپنے سہانے تھے
کچھ درد پرانے تھے
کچھ بیتی حسین یادیں تھیں
کچھ لوگ دیوانے تھے
کچھ ہجر کے اداس لمحے تھے
کچھ وصال کی حسین شامیں تھیں
میں نے وہ سب کچھ دیکھا تھا
پھر وہ سب کچھ ختم ہو گیا
اور رہ گئی تو ٹوٹے ہوئے خواب
اور خوابوں کے ٹوٹنے کا درد
وہ درد بھی جان لیوا تھا
جو میں نے اکیلے سہا تھا
تو نے خوابوں کی دہلیز پر کھڑے ہو کر
میں نے اندر جھانک کر دیکھا تھا

وہ اس نظم کے زیر اثر تھی، بینش احساسات سے گندھی ایک خاص لڑکی تھی، جو جب تک اس کے ساتھ رہی اس کا حوصلہ بڑھاتی رہی، زمانے کی بھیڑ میں کھوئی تو جیسے اس کے دل پہ اپنی یاد کے نقش چھوڑ گئی، اس نے نظم کے آخر میں لکھے نام کو ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا، جانے وہ بینش کو یاد کر رہی تھی کہ اس کی یاد اس کے اندر کا غبار آنسوؤں کے ذریعے بہا لے جانے کا سبب بنی تھی، وہ ساری رات سو نا پائی تھی، تکیہ بھگوتے جانے کتنے گھنٹے گزرے تھے کہ فجر کی اذان شروع ہوئی، اس نے جلدی سے اٹھ کے وضو کیا اور سجدے میں گر کر بے چین دل کو پر سکون کیا، دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے اس کی آنکھیں پھر بھیگ گئیں۔

"اے مالک ارض و سما؟ تو، تو میری بے بسی سے خوب واقف ہے، میں اپنا بھرم رکھتے رکھتے تھک گئی ہوں، اب مجھ سے حالات نہیں سنبھالے جاتے، میرے مالک، میری مدد کر یا مجھے اپنے پاس بلا لے ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا، تو چاہے تو میری مشکلات کا پہاڑ مجھ پہ تنکوں سا ہلکا کر سکتا ہے، بے شک تیرے قبضہ قدرت میں دو جہان ہیں۔" پورے یقین کے ساتھ آمین کہتے ہوئے اس کے دل میں اطمینان کی لہریں اٹھنے لگیں، خدا ہی تو وہ ہستی ہے جس کے سامنے رو کر انسان کا بے قرار دل یوں پر سکون ہو جاتا ہے کہ جیسے کبھی درد میں مبتلا ہوا ہی نہ ہو۔

☆☆☆

آج بھی وہ کلینک کے لئے بہت لیٹ ہو گئی تھی، ایک تو وہ ہاسپٹل سے لیٹ نکلی تھی، اس پہ ٹریفک کا رش، وہ جیسے بھاگم بھاگ کلینک پہنچی تھی، کلینک میں حسب معمول کافی رش تھا، خدا نے اس کے ہاتھ میں بلا کی شفا رکھی تھی، اپنے آفس میں بیٹھی ہی تھی کہ اس کی اسسٹنٹ نرس نے مریض اندر بھیجنے شروع کر دیے، پھر سارا وقت اسے سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملی، وہ چاہتی بھی تو یہی تھی کہ اسے سوچنے کا ٹائم ہی نہ ملے، وہ زندگی کی کٹھنائیوں کو سوچ کے نا امید نہیں ہونا چاہتی تھی، سارا دن گزار کر مایوسی بھری سوچوں والی رات گزارنا بھی ایک الگ عذاب تھا، کام میں مگن کب شام رات میں تبدیل ہو گئی، اندازہ نہیں ہوا تھا، کلینک بند کرنے کا وقت ہو رہا تھا، جب کافی دیر تک کوئی مریض اندر نہ آیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی، حجاب سلیقے سے اوڑھتی وہ ابھی اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی کہ ہلکی سی دستک کے بعد کوئی اندر آیا اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا، سامنے

UUNOVELS.COM
UUNOVELS.COM
100% FREE

موجود شخص پہ اٹھی اس کی نظر جھپکنا بھول گئی لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کے دماغ نے تعارف کی رسم نبھائی تھی، جبکہ سامنے والا پریشان حال لگ رہا تھا، گود میں اٹھایا ہوا چھوٹا سا بچہ کسمسا کے رویا تھا، ایسے کہ اس کی آواز بمشکل نکل رہی تھی، اہل کے دل میں نفرت کی ایک لہر موجزن ہوئی تھی، یہ وہ شخص تھا، جس کے نام کی ٹھوکر نے اس کی آدھی زندگی درد میں ڈبودی تھی۔

''السلام علیکم ڈاکٹر، اسے دیکھیں اسے شدید بخار ہو گیا ہے، میں ڈیفنس میں ہی رہتا ہوں، آپ کا کلینک سب سے نزدیک تھا سوچا پہلے آپ کو دیکھا لوں، پھر ضرورت پڑنے پہ ہاسپٹل لے جاؤں گا۔'' بڑھی ہوئی شیو، سوجی ہوئی آنکھیں، اترا ہوا چہرہ، آنکھوں کے گرد پڑے حلقے گویا وہ غرور کے فلک سے بری طرح زمین پہ پٹخ کے عاجزی سے روشناس کرایا گیا تھا، ایک سرسری نظر اس پہ ڈالتا وہ پھر پریشان سا اپنے بیٹے کو دیکھتا شیشے کے ٹیبل کے سامنے رکھی کرسی پہ بیٹھ گیا، آج اس شخص کی آواز میں عاجزی تھی، آج وہ اسے مسیحا سمجھ کے آیا تھا وہ بھی ایک شیر خوار بچے کا، حساب لیتی بھی تو کیسے دشمنی نکالتی بھی تو کس سے ایک شیر خوار بچے کی مسیحائی نا کر کے وہ اپنے مقدس پیشے کو داغ لگاتی بھی تو کیسے لحظہ بھر میں دماغ کی سرزنش پہ اس نے نفرت لپیٹ کر دل کے ایک خانے میں رکھی اور بس مسیحا بن گئی۔

''کیا ہوا ہے بچے کو مجھے دیں میں دیکھتی ہوں۔'' ٹرانس کی سی کیفیت میں اس تک آتی وہ بچے کو گود میں لے کر الگ کمرے میں لے گئی تھی، بچے کے دل کی دھڑکن بہت مدھم تھی اور بخار بہت تیز اہل نے نرس کی مدد سے فوراً ڈرپ لگائی اور ٹریٹمنٹ دینے لگی، کچھ گھنٹوں میں ہی بچے کی حالت بہتر ہو گئی تھی، فاخر کبھی شیشے کے دروازے سے اندر دیکھتا کبھی ٹہلنے لگتا اسے ایک پل سکون نہیں تھا، اہل نے حیران نظروں سے سابق ایم این اے جن کے فیملی سمیت باہر شفٹ ہونے کی خبر اس نے کئی سال پہلے پڑھی تھی، اسے اتنے سالوں کے بعد یوں پریشان حال چھوٹے سے بچے کے ساتھ دیکھ کے وہ حیران تھی، بچے کی حالت اب بہتر تھی، وہ مطمئن سی باہر چلی آئی، فاخر کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ اہل کو نہیں پہچان پایا۔

''آپ کے بیٹے کی حالت اب بہتر ہے، آپ اسے گھر لے جا سکتے ہیں، ویسے بچے کی ماں ساتھ نہیں ہیں، وہ ہوتیں تو انہیں میں احتیاطی تدابیر بتا دیتی۔'' اہل بچے کو دانستہ سرسری بناتی وہ بات پوچھ گئی جو کب سے پوچھنا چاہ رہی تھی۔

''آیان کی والدہ اس دنیا میں نہیں ہے، وہ ہوتی تو یقیناً اس کی حالت اتنی نا بگڑتی، مجھے بچے پالنے کا تجربہ نہیں ورنہ میں بروقت جان پاتا کہ آیان کو ٹھنڈ راس نہیں آ رہی۔'' دل گرفتگی سے بتاتا وہ دکھی نظر آ رہا تھا، ''رنگ بدلتا ہے آسماں کیسے کیسے'' وہ سوچ کر رہ گئی۔

''آپ مجھے بتا دیں کہ اس کے لئے کیا کیا احتیاط کرنی ہوں گی، میں کروں گا۔'' شیشے سے پریشان نظر پرسکون سوئے بیٹے پہ ڈالتے ہوئے وہ گویا ہوا تھا، دواؤں کا پرچا لکھ کر احتیاطی تدابیر بتاتے ہوئے وہ بولی۔

''آیان اب بہتر ہے یہ ادویات ایک ہفتہ کھلانے کے بعد بچے کو پھر چیک کروائیں، اگر تب تک مکمل ٹھیک نا ہوا تو کچھ ٹیسٹ کروانے پڑیں گے، تاکہ مسئلے کی تہہ تک پہنچا جا سکے۔'' اس نے پروفیشنل انداز میں کہتے ہوئے اسے دیکھا۔

''بہت بہت شکریہ ڈاکٹر میں ایک ہفتے بعد

UUNOVELS.COM

INSTALL

پھر اس کو لاؤں گا چیک اپ کے لئے۔'' شکریہ ادا کرتا وہ آیان کو لئے کلینک سے نکلتا چلا گیا، امل بوجھل دل لئے گھر آ گئی۔

''خیریت اتنی دیر ہو گئی آج؟'' صباحت نے دروازہ کھولتے ہی فکرمندی سے دریافت کیا، وہ اپنے ہوش میں ہوتی تو بتاتی، وہ دل ودماغ کی جنگ میں مبتلا تھی۔

''ایمرجنسی تھی اماں! اس لئے دیر ہو گئی آپ سو جاتیں میرے پاس چابی تھی میں کھول لیتی دروازہ۔'' اس نے ایک نظر صباحت کے اترے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا اور وضاحت دینے لگی، وہ جانتی تھی اس نے اگر اپنی پریشانی ظاہر کی تو صباحت ساری رات سو نہیں پائیں گی۔

''ارے اپیا! تمہیں پتا تو ہے جب تک تم گھر نہیں آتیں نا اماں خود سوتی ہیں نا مجھے سونے دیتی ہیں، ویسے آج اماں نے تمہارے فیورٹ کوفتے بنائے ہیں کچن میں جاؤ کھانا گرم کرو اور عیش کرو۔'' شوخی سے کہتا فہد اپنے کمرے میں چلا گیا، امل نے اماں کو بھی سونے بھیجا اور کمرے میں آ گئی، اس کا کھانا کھانے کا بالکل موڈ نہیں تھا، کپڑے بدل کر بیڈ پہ لیٹتی وہ حیران تھی ابھی کل ہی تو اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تھا، اس نے مشکلات سے ہار کر پہلی بار خدا کو پکارا تھا، پہلی بار میں ہی شنوائی ہوئی تھی، کیا وہ رب کے لئے اتنی ہی قیمتی تھی؟ کیا اس تقدیر بس اک دعا کی منتظر تھی، جو بھی تھا وہ اس معجزے پہ حیران تھی، اور دل تو جیسے نفرت کے آسباق ازبر کیے ہوئے تھا، دل ودماغ کی جنگ میں دماغ جیتا تھا، وہ سب فیصلے رب کے اختیار میں دے کر پرسکون ہو گئی تھی، اس رات وہ بہت گہری نیند سوئی تھی۔

☆☆☆

ٹیسٹ سے اس کا خدشہ درست ثابت ہوا تھا، آیان کو نمونیہ تھا جو کہ بگڑ چکا تھا، پھر تین ماہ کے کورس سے وہ بھلا چنگا ہو گیا تھا، ان تین ماہ میں وہ تو وہ نرس بھی آیان سے کافی اٹیچ ہو گئی تھی، اسے گود میں لئے گھومتی رہتی، آج آخری بار وہ آیان کو لئے کلینک آیا تھا، وہ حسب معمول کلینک بند ہونے کے وقت میں آیا تھا، نرس نے فوراً آیان کو گود میں لیا وہ بہت کمزور تھا دوسرے کمرے میں بیڈ پہ لٹا کے نرس نے ڈرپ سیٹ کرنی شروع کی۔

''آپ نے بتایا نہیں آپ کی مسز کی ڈیتھ کیسے ہوئی تھی۔'' اس نے کئی بار پوچھا ہوا سوال آج پھر پوچھا تھا۔

''شاید کسی کی بددعا لگی تھی۔'' اس کا دھیما لہجہ آزردگی لئے ہوئے تھا، وہ اس سوال کو کئی بار ٹال چکا تھا، وہ اپنی غلطی کا اعتراف ایک اجنبی عورت کے سامنے کرتا بھی تو کیسے، دل میں بوجھ بھی تھا کہ چاہے کسی کے سامنے بھی کرے مگر اپنی غلطی کا اعتراف کر کے دل کو اس بوجھ سے آزاد کر لے جس نے روح تک میں بسیرا کر رکھا تھا۔

''کسی کی بددعا میں کبھی نہیں۔'' اس نے دانستہ انجان بنتے ہوئے پوچھا، جبکہ دل چاہ رہا تھا کہ سامنے بیٹھے شخص کو گریبان سے پکڑ کے اس سے اپنے درد میں ڈوبے ماہ و سال کا حساب مانگے۔

''ڈاکٹر امل، یہ جو طاقت اور غرور کا نشہ ہوتا ہے نا یہ انسان سے اس کی انسانیت چھین لیتا ہے، میں بھی برتری کے زعم میں ڈوبا اخلاقی پستی میں گرا ہوا ایک عام سا انسان تھا، ایک آہ نے مجھے برباد کر دیا، میری پانچ سال پہلے شادی ہوئی تھی، شادی کے بعد ہم باہر شفٹ ہو گئے، میری بیوی میں میری پہلی محبت تھی، پانچ سال ہم نے بے اولادی کی سزا کاٹی، پھر اللہ نے ہمیں آیان

کی صورت اپنی نعمت سے نوازا آفرین بہت بیمار رہنے لگی تھی، آیان ایک ہفتے کا تھا جب آفرین ہمیں چھوڑ گئی۔" مضمحل انداز میں کہتا وہ جیسے ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنا درد بیان کر گیا۔

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے بعض دفعہ انسان خود خدا بن بیٹھتا ہے، اپنے غرور میں سزا اور جزا کا مالک بن بیٹھتا ہے، حالانکہ اس چیز کا اختیار بس اللہ بزرگ و برتر کے پاس ہے۔" پیچ ویٹ گھماتے ہوئے غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے وہ بولی تھی۔

"بے شک مگر انسان خطا کا پتلا ہے، انسان وہ ظالم ترین شخصیت ہے جو برائی پہ آئے تو خود پہ بھی ترس نہ کھائے اور خود کو بھی جہنم کا ایندھن بنا دے، صرف اپنی انا کی تسکین کے لئے، پھر خدا کی طرف سے بخشی ہوئی مکافات کی آگ کو جھیل کے اس میں جلتا رہے۔" شکست خوردگی میں ڈوبا لہجہ اپنے سچے ہونے کی چیخ چیخ کے گواہی دے رہا تھا، اس کا دل لمحوں میں صاف ہوا تھا، اس شخص کو کیا سزا دیتی جو خود مکافات سے گزر رہا تھا، وہ

کیا سزا دیتی جو خود مکافات سے گزر رہا تھا، وہ فاخر کو سزا دیتی بھی تو کیسے جب رب فاخر کو معاف کر چکا تھا۔

"آپ نے جس کا دل دکھایا ہے آپ اس سے معافی کیوں نہیں مانگ لیتے، ہو سکتا ہے وہ آپ کو معاف کرے تو آپ کے دل کا بوجھ ہٹ جائے۔" اس نے مدلل الفاظ میں کہتے ہوئے ایک تاک کر تیر پھینکا تھا، جو فاخر کی شرمندگی کی حقیقت کھول کے سامنے لانے والا تھا، وہ جھوٹا ہوتا تو غرور میں ڈوبے لہجے میں معافی لفظ پہ تڑپ اٹھتا اور اگر سچا ہوتا تو معافی کے لئے بے قرار ہو جاتا۔

"معاف کیے جانے کے قابل کب ہوں میں، میں نے کسی کے کئی سال بدنامی کی دلدل

UUNOVELS.COM

میں ڈبو دیئے، جس کا چہرہ میں نے رسوائی کی سیاہی سے رنگ کیا وہ تو رہی شفاف دعا جیسی معافی دے پائے گی مجھے بھی بھی نہیں کوئی بھی اتنے ظرف والا نہیں ہوتا کہ اپنے مجرم کو معاف کر سکے۔" دل گرفتگی لئے ہوئے بوجھل لہجے میں بولتا فاخر شاید یہ بات دل میں بٹھا کے بیٹھ گیا تھا کہ اسے معافی نہیں مل سکتی۔

"مجھے کسی اور کا نہیں پتا لیکن امل فاخر حیات اس کی طرف سے کہ احساس ندامت میں ڈوبے ہوئے شخص کو معاف نہ کر سکے۔" اتنا کہتے ہی وہ بیگ اٹھائی اٹھ کھڑی ہوئی، فاخر حیرت سے گنگ باہر کی طرف جاتی ہوئی امل کو دیکھے گیا، یعنی وہ تین ماہ سے جسے مسیحا سمجھتا رہا وہ اسی مسیحا کا مجرم نکلا، آیان کی ڈرپ ختم ہو گئی تھی وہ اسے لئے گھر چل دیا۔

دوسرے دن امل نا ہاسپٹل گئی نا کلینک شاید وہ اس شخص سے چھپ رہی تھی، یا شاید وہ خود سے ہار رہی تھی وہ شدید نفرت جو ان تین مہینوں میں رحم اور پھر انسیت میں ڈھلی تھی، خدا نے اس سے فاخر کا پردہ رکھوایا تھا کیونکہ وہ صبح کے بھولے کو معاف کرنا چاہتا تھا پھر وہ کیسے معاف نا کرتی، خدا نے اس کو بھی تو مجرم سلامت رکھا تھا، اب جب سب کچھ ٹھیک ہونے جا رہا تھا تو پتا نہیں کیوں اس پہ کم ہمتی طاری تھی، شدید شب اندھیرے کے بعد چونکا دینے والی روشنی انسان کو یونہی کچھ دیر آنکھیں موندے پہ مجبور کر دیتی ہے، وہ بھی سارا دن طبیعت کا بہانہ کر کے کمرے میں پڑی رہی یہاں تک کہ رات ہو گئی، فہد کے آتے ہی ان تینوں نے مل کے کھانا کھایا اور لاؤنج میں آ گئے، ابھی باتیں ہی جاری تھیں کہ دستک ہوئی امل کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی تھی، گویا وہ جانتی ہو کہ باہر کھڑا شخص صبح کا وہ بھولا ہے جسے رب نے اس کے لئے واپس بھیجا ہے، لاؤنج سے نکلتے فہد نے حیرت سے امل کے چہرے پہ سارے دن کے بعد آنے والی اس مسکراہٹ کو دیکھا تھا۔

"اماں، اپیا، دیکھیں تو کون آیا، آئیں نا فاخر بھائی اندر آئیں باہر کیوں کھڑے ہیں۔" دروازہ کھولتے ہی فاخر کو دیکھ کے دیوانوں کی طرح چیختا فہد اسے لئے اندر آ گیا، فاخر تو جیسے حیرت سے گنگ رہ گیا، وہ تو کسی اور طرح کے استقبال کی امید کر رہا تھا اور یہ سوچ کے آیا تھا کہ صباحت خاتون سے معافی مانگ لے گا چاہے پیروں میں گر کر مانگنی پڑے۔

"السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟" مختصر سوال کرتے اس نے صباحت بیگم کے سامنے سر جھکا دیا، نم آنکھوں سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"وعلیکم السلام میں ٹھیک ہوں بیٹا، تم کب آئے دوبئی سے؟ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم نے اسے معاف کر دیا ورنہ اس نے تو بے وقوفی کی انتہا کر دی تھی، تم بیٹھو میں ذرا شکرانے کے نفل پڑھ آؤں۔" نہال انداز میں اللہ کا شکر ادا کرتیں وہ قریب کھڑی امل کی طرف دیکھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیں، فاخر نے سامنے کھڑی امل کو دیکھا، میرون سیاہ سوٹ میں ملبوس امل کی سرخ و سفید رنگت کھلی پڑ رہی تھی، اس کے چہرے کا سکون اس کی خوبصورتی کو جلا بخش رہا تھا۔

"آہم آہم بھائی، آپ کی بیگم کہیں نہیں جانے والی آپ اطمینان سے صوفے پہ تشریف رکھیں ہم آتے ہیں اور اپیا میں ریفرشمنٹ سامان لے آتا ہوں تم آ کے کچن میں چائے بنا لو۔" فہد نے مسکراتے ہوئے فاخر کو بٹھایا اور اسے کچن میں چلنے کا اشارہ کیا۔

"اپیا، تمہیں پہلے پتا تھا نا کہ آج فاخر بھائی

UUNOVELS.COM
UUNOVELS.COM

آنے والے ہیں اس لئے چھٹی کی تھی تو آج چھٹی ہے؟ میں سارا دن غور میں گھومتا رہا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے۔" دونوں ہاتھ کمر پہ ٹکاتے ہوئے حساب لیتے فہد کو دیکھ کر اس کی ہنسی نکل گئی۔

"ہاں مجھے پتا تھا کہ بھائی ہو، میری مرضی میں نے نہیں بتایا تمہیں، چلو اب باہر جا کے بیٹھو تمہارے لاڈلے دلہا بھائی بھاگ نہ جائیں کہیں۔" فہد کو باہر بھیج کر وہ چائے کی طرف متوجہ ہوگئی، چائے پی کر فاخر صاحب کی اجازت سے اہل کو باہر لے آیا تھا، کچھ ہی دیر میں وہ معروف ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے، فاخر نے آئس کریم آرڈر کی۔

"مسز اہل فاخر حیات، آپ تو کل سے مجھے حیران کیے دے رہی ہیں، میں تو آج اس ارادے سے آیا تھا کہ دھکے، گلے اور دھتکار سے تواضع ہوگی، لیکن آنٹی اور فہد کا رویہ تو مجھے حیران کر گیا، وہ تو ایسے پیش آ رہے تھے، جیسے میں نکاح کے کچھ دن بعد پہلی بار سسرال گیا ہوں۔" فاخر نے حیران نظروں سے اہل کے چہرے کا احاطہ کرتے ہوئے وہ سوال پوچھ ہی لیا جس کی کھد بد اسے کب سے لگی تھی۔

"مسز فاخر حیات، ان کا رویہ اس لئے اچھا تھا کہ وہ کچھ بھی جانتے ہی نہیں، جب آپ نے مجھے چھوڑ دیا تو اپنا بھرم رکھنے کی خاطر مجھے یہ جھوٹ بولنا پڑا کہ آپ کے خاندان میں ایک عزیز کی فوتگی ہوگئی جس کے بنا پر آپ کو ایمرجنسی میں اپنی والدہ کو لے کر دوبئی جانا پڑا، میں یہ نہ کرتی تو کیا کرتی دنیا کی ٹھوکروں سے اپنے گھر والوں کو کیسے بچاتی۔" وہ بتا رہی تھی اور فاخر شرمندگی کی دلدل میں دھنستا چلا جا رہا تھا۔

"مجھے معاف کر دو اہل، شاید میں تمہارے قابل ہی نہیں تھا، لیکن یقین جانو پانچ سال اولاد کو ترس کے اور آفرین کو ٹھوکر میں نے انسانیت کو وجہ پا لیا، ورنہ میں تو خدا بن بیٹھا تھا، شاید میں تمہارے ساتھ ظلم نہ کرتا تو آج آفرین کے ساتھ خوش ہوتا، بہر حال اب میں اپنی دی ہوئی ہر تکلیف کا مداوا کروں گا۔" فاخر نے اس کا ہاتھ تھام کر ڈبڈبائی آنکھوں سے عہد کیا تھا، آئس کریم آ چکی تھی اہل آئس کریم کھانے لگی۔

"فاخر! آپ کو رب نے معاف کر دیا تب ہی کفارے کا موقع دیا نا اور جب معاف کر دے تو انسان سزا دینے والے کون ہوتے ہیں، ویسے بھی پانچ سال کی سزا آپ کے اور میرے دونوں کے لئے کافی ہے، پھر بھی اگر آپ میرے کہنے کے ٹھہریں تو جائیں فاخر حیات میں نے آج آپ کو معاف کر دیا۔" اہل کے کہنے پہ اس نے ممنون نگاہیں اس پہ ٹکا دیں۔

"بہت شکریہ مسز فاخر، بندہ ناچیز ساری زندگی آپ کا احسان کبھی نہیں بھولے گا۔" بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس فاخر نے دائیاں ہاتھ اپنے سینے پہ باندھتے ہوئے قدرے جھک کر سر تسلیم خم کیا تھا۔

"اب گھر چلیں اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔" آئس کریم کی آخری بائٹ لیتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی، فاخر بھی مسکراتا ہوا باوقار قدم اٹھاتی اہل کے ہم قدم ہوا تھا، آگے کی راہیں روشن تھیں جس پر چل کر اسے اہل کے ہمراہ زندگی گزارنا تھی۔

☆☆☆

UUNOVELS.COM

TRAPLADDERS

INSTALL

# بادِ نوبہار

مہوش طالب

لاجوردی گگن کی نیلاہٹ مزید گہری ہونے کو تھی، خورشید مشرق سے مغرب تک مائل بہ سفر تھا، فلک کی وسعتوں میں پر پھیلائے واپسی کا قصد کرتے پرندے اداسی کی بولیاں بول رہے تھے، وہ حسب معمول چائے کا مگ تھامے اپنے کمرے سے متصل بالکونی میں رکھی کرسی پر براجمان تھی۔

"ادی پھپھو۔۔۔ ادی پھپھو۔" ردابہ انہیں ڈھونڈتی ہوئی وہاں آئی تھی۔

"یہ بات ہے؟" انہوں نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

"بتادوں؟"

"مرضی ہے۔" وہ بھی اسی کی پھپھو تھی۔

"یہ کیا، آپ کو ذرا تجسس نہیں۔" وہ بدمزہ ہوئی۔

"تم کچھ بتاؤ گی تو تجسس ہوگا نا۔" اب کے انہوں نے بھی ضد چھوڑ دی۔

"بات ایسے خاص آپ کے متعلق ہے۔"

## ناولٹ

انداز رازدارانہ تھا۔

"کیا؟" لہجے میں استعجاب در آیا۔

"ایسے کیسے، میری پیاری پھپھو۔" اس نے اپنی پشت ریلنگ سے ٹکائی۔

"تنگ نہ کرو بچے۔" بھاپ اڑاتی چائے کا ایک اور گھونٹ بھرا گیا۔

(بتانا ہے تو بتاؤ، ورنہ میرا سر نہ کھاؤ)۔

"ادی بتی نے کہا ہے کہ آپ کو اطلاع کر دوں، مون غوری کے گھر والے آرہے ہیں۔" ردابہ نے شیفون کے اڑتے ہوئے دوپٹے کو سنبھالا، نگاہیں بدستور ادیبہ پر ٹکی تھیں۔

جس کے چہرے کی پژمردگی یکلخت غائب ہوئی، مرجھائے ہوئے گلاب مہک اٹھے تھے اور

UUNOVELS.COM

INSTALL

امید کی کرنیں یقین بن کر چمکی تھیں، ادیبہ نے چار برس تک اک آس کی ڈور تھامے جس شخص کا انتظار کیا تھا، آخر کار وہ اپنی منزل کی جانب لوٹ آیا تھا۔

☆☆☆

روشن بی بی اور صوفی محمد بخش کی یہ حویلی (جس کے ماتھے پر جلی حروف میں آشیانہ صوفی کندہ تھا) برسوں سے امن و آشتی کا گہوارہ تھی، وسیع و عریض احاطے پر تعمیر یہ پر شکوہ عمارت باہر سے دیکھنے والوں کو تو مسحور کرتی ہی تھی، اندرونی حصے کی طرز تعمیر بھی قابل رشک و لائق تحسین تھی، صدر دروازے سے داخل ہوتے ہی تھوڑے فاصلے پر دائیں جانب مہمان خانہ (ڈرائنگ روم) تھا صحن جس کے سینے پر ایک باغیچہ تھا جس کے وسط میں انار کا پیڑ اور اطراف میں خوشبودار پودے باغ و بہار کیے رہتے، اس باغیچے کے دائیں جانب کونے میں باورچی خانہ تھا جس کی کھڑکی دوسرے مگر نسبتاً چھوٹے باغیچے کی جانب کھلتی تھی جہاں سے اٹھنے والی امرود، دھنیے، لیموں، پودینے، املی، ایلوویرا کے پیڑوں کی باس ہر وقت نتھنوں سے ٹکراتی، کچن کے پچھلی جانب ادیبہ اور روشن بی بی کا مشترکہ کمرہ تھا، مگر گھر کے دیگر کمروں سے قدرے وسیع ہونے کے باعث اسے بڑا کمرہ بھی کہتے تھے، پھر چونکہ ہر طرح کے اجلاس (مشاورت و میٹنگ) بھی یہیں منعقد ہوتے تھے لہٰذا اس کمرے کی حیثیت قومی اسمبلی سے کم نہیں تھی، بڑے کمرے کا دوسرا دروازہ اسٹور روم میں کھلتا تھا، پھر تینوں بیٹوں کے پورشنز تھے جو قطار میں بنے ہوئے تھے، اس رہائشی حصے کے بعد وسیع برآمدہ شروع ہو جاتا جس کی بغلی دیوار نارنجی اور سرخ بوگن ویلیاں کی بیلوں سے ڈھکی ہوئی تھی، ادیبہ کا ذاتی کمرہ البتہ چھت پر تھا۔

یوں تو تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہی روشن بی بی اور صوفی بخش کی کل میراث ہیں مگر محنت کش ایماندار صوفی محمد کو اللہ نے ویسے بھی زر سے بہت نواز رکھا تھا، گاؤں کے وسیع احاطے پر پھیلی ان کی زرخیز زمین تھی، اپنی رحم دلی اور منکسر المزاجی کے باعث وہ نا صرف اپنے گاؤں بلکہ آس پاس کے دیہات میں بھی نہایت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، ایسا ہی رتبہ اور اچھی شہرت وہ اپنی آل اولاد کے لئے بھی چاہتے تھے اور ان کی یہ تمنا بہت حد تک پوری بھی ہو رہی ہے، مگر جیسے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، اسی طرح کسی بھی والدین کی ساری اولاد بھی ایک ہی طرح کے عادات واطوار کی مالک نہیں ہو سکتی، ہر ایک کی خصلت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، سو یہی معاملہ ان پانچوں بہن بھائیوں کا تھا، سب سے بڑے سپوت فیض صاحب تو باپ کے ساتھ ہی زمینوں پر ہوتے تھے اور اب ان کے انتقال کے بعد بھی بخوبی اپنی ذمہ داری انجام دے رہے تھے، عائشہ، مریم اور سعد ان کے بچے تھے۔ منجھلے صاحبزادے منیر کا شہر کی طرف جاتی سڑک پر کچن یوٹینسلز (باورچی خانے میں استعمال ہونے والے آلات) کا شوروم تھا، ردابہ اور فصیح کو ان کی آل اولاد ہونے کا شرف حاصل تھا، اس کے بعد صاحبزادی یعنی صبیحہ بیگم تھیں، جو اپنے پھوپھوزاد کے ساتھ بیاہی گئیں اور چار بچوں سمیت خیر و سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھیں، چھوٹے اور چہیتے بیٹے عارف نے خاندانی روایات کو توڑتے ہوئے کزن میرج کرنے کی بجائے، پسند کی شادی کو ترجیح دی اور اماں جی کے بقول نئی نسل کو نیا رستہ دکھا دیا، آخر کو وکالت پڑھ رکھی تھی اس لئے اپنا مقدمہ چیف جسٹس (اماں

جی) کے روبرو پیش کرنے میں بھی کامیاب رہے، عائلہ لاکھ کوششوں کے باوجود گھر کی من پسند بہو تو نہ بن سکی، تاہم من چاہی بیوی کا درجہ تو وہ پہلے دن سے ہی حاصل کر چکی تھی، حبیب اور حسنہ ان کے دو بچے تھے، اس کے بعد گھر کی لاڈلی ادیبہ پھپھو تھی، خوش اخلاق خوب صورت، ادیبہ نا صرف بچوں کی پسندیدہ ادبی پھپھو تھی، بلکہ بھابیوں سے بھی پورے لاڈ اٹھواتی تھی، اپنی والدہ کی سخت گیر شخصیت کے برعکس وہ بے حد ملنسار اور احساس کرنے والی تھی، ان کی نسبت محمد بخش کے دوست کے بیٹے سے طے تھی، مگر دو سال بعد ہی بچی ڈور سے بندھا یہ رشتہ بدبختی کہہ لیں یا اپنوں کی حماقت وانا کی نذر ہو گیا۔

ویسے بھی یہاں تو ادیبہ اور مون غوری کی منگنی ہو جانا ہی کسی آگ کے دریا کو پار کرنے سے کم نہ تھا، مگر اب ادیبہ کو لگتا تھا کہ ناحق اپنی جان جوکھم میں ڈالے رکھی، اس آگ کو پاٹنے کے باوجود اندر جو بھانبھڑ مچے تھے، ان شعلوں کو بجھانے کا کوئی راستہ تا حال دکھائی نہ دیتا تھا، یہ نہیں تھا کہ خاندان بھر میں کوئی ان کے جوڑ کا نہ تھا یا یہ کہ ان کے لئے ویسے ہی کوئی رشتہ نہ آتا تھا، دراصل ایک تو اماں جی کے معیار پر کوئی رشتہ جلدی نہ چڑھتا، کوئی نہ کوئی مین میخ نکال کر اچھے بھلے رشتے کو ناپسندیدگی کا سرٹیفکیٹ دے دیتیں، دوسرے یہ کہ ادیبہ بھی اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی، مون غوری ان کی زندگی میں آنے والے پہلے مرد تھے، جو جلد ہی ان کے دل میں بھی جگہ بنا گئے، ادیبہ کو لگتا کہ مون نے ان کے دل کی چوکھٹ پر دھرنا دے رکھا ہے جو وہ کسی اور کے بارے میں سوچنے کو تیار نہیں، یہی وجہ تھی کہ اب وہ انہی کو اپنی زندگی میں آنے والا آخری مرد بھی قرار دینا چاہتی تھی۔

فیض بھائی، شمیم بھابھی بھی اپنے تئیں سمجھا کر دیکھ چکے تھے، مگر وہ ایسی چپ سادھ لیتی کہ شمیم کا اپنا کلیجہ منہ کو آ جاتا اور مزید کچھ کہنے کی ہمت نہ رہتی۔

☆☆☆

اے جذبہ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کے لئے دو گام چلوں اور سامنے منزل آ جائے

ریڈیو پر تیرو نور کی آواز دل کے تاروں کو چھیڑ رہی تھی اور قریب تھا کہ غزل کے اشعار کی چھیڑ چھاڑ سے تنگ آ کر دل رونا ہی شروع کر دیتا، جب روابہ اور مریم اچھلتے ہوئے بڑے کمرے میں آ گئیں۔

''تم لوگ یونیفارم تو تبدیل کر لو۔'' انہوں نے ریڈیو بند کیا، یوں معلوم ہوتا تھا دونوں نے جوتے بھی گیٹ سے داخل ہوتے ہوئے راستے میں ہی اتار دیئے ہیں۔

''بس پھپھو چپ رہیں، بلکہ ہمارے ساتھ آ کر ٹی وی دیکھیں۔'' روابہ نے ریموٹ ہاتھ میں لے لیا۔

''اماں جی نے دیکھ لیا نا تم لوگوں کے سارے کس بل نکل جائیں گے اور میرے پاس بھی ان فالتو چیزوں کو دیکھنے کا وقت نہیں۔'' ادیبہ نے میز صاف کر کے کمپیئرنگ کرتے سلمان خان کو دیکھتے ہوئے رکھائی سے کہا۔

وہ بھی کہاں ٹلنے والی تھیں، روابہ تخت پر نشست سنبھال چکی تھی جبکہ مریم ٹانگیں اوپر کر کے کرسی پر بیٹھ گئی، ان دونوں کا انہماک قابل دید تھا، سب جانتے تھے کہ پورا شو ختم ہونے سے پہلے یہ دونوں یہاں سے ہلنے والی نہیں۔

☆☆☆

گرمیوں کی پہلی پھوار کیا پڑ گئی، دادی جی کی سوئی ایک ہی گردان پر آ کر رک گئی۔

100% FREE

UUNOVELS.COM

100% FREE

بھری سلائی کے چرچے خاندان بھر میں تھے، اماں جی نے لڑکیوں بالیوں کو بھی اپنے نادر مشورے سے نوازا تھا۔

''ارے جب گھر میں اتنی اچھی درزن موجود ہے تو کیوں بازار جا کر مغز ماری کرنی۔'' تائی شمیم تو لفظ درزن اور ساس کے انداز پر جز بز ہو کر رہ گئیں۔

''اب دادی جی کو کون سمجھائے، میرا کامدانی غرارا تائی ای سے سنبھالا بھی جائے گا بھلا؟'' روابہ جو سیڑھی لگائے الماری کے اوپری حصے سے پچھلے سال والے کامدانی ملبوسات نکال کر جا رہی ... لے رہی تھی بولی۔

''وہ میرے ... اور گینڈرا کے دوپٹے پر جو کام ہونا ہے، وہ دادی تو ہرگز نہیں کر سکتی۔'' جمیم بیگم نے ... بیٹھی ... ہوئی۔

مریم ہونے ... ہاتھ میں پکڑے یو ٹیوب پر برائیڈل ... دیکھ رہی تھی کو بھی خوب ہی تاؤ آیا، سو چپ چاپ بازاروں کے چکر لگانے لگے، کبھی فصیح کی منت کی جاتی تو کبھی سعد کو واسطے ڈالے جاتے، وہ دونوں بھی ایک نمبر کے کمینے تھے، ہزار شرطوں پر مانتے، روابہ ابو کی لاڈلی تھی سو فصیح نے اس کو ابو کے سامنے اپنا سفارشی پیش کیا کہ اسے برینڈ نیو موبائل کی اشد ضرورت تھی اور ایسی شرط کو پورا کرنے کے لئے ظاہر ہے وقت اور مشقت دونوں درکار تھے، سو روابہ نے بھی اس سے ایک دو ماہ تک کا وقت مانگ لیا، سب کے ہر قسم کے فیشل کی ذمہ داری ادی پھپھو کی تھی، آخر دو سال پرانے بیوٹیشن کے کورس سے قرابت داروں کو بھی تو فیض یاب ہونا چاہیے تھا نا۔

ہرے نیلے پیلے لال چمکتے آنچل ابھی سے یہاں وہاں بکھرنے شروع ہو گئے تھے ایک دلچسپی نہیں تھی تو عائشہ فیض کو ہی نہیں تھی، اس کی پریشانی تو کپڑوں لتوں سے کہیں پرے کی تھی، جب سے پھپھو ہو کر گئی تھیں پھر سے ایک احساس ندامت نے اس کے ارد گرد گھیرا ڈال لیا تھا، پھپھو کی خالی خالی نظروں سے اسے اندازہ ہو گیا کہ ان سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں اور کچھ چھپا ہوا ہو بھی کیسے سکتا تھا بات اگر اتنی بڑی نہ تھی تو اس قدر معمولی بھی ہرگز نہ تھی کہ ہر کوئی بالخصوص وہ یوں لاتعلق بنی پھرتی رہتی، اگر اس کے گھر والے اس معاملے کو گزرے وقت کی بات سمجھ کر اس پہ مٹی ڈال چکے تھے تو ضروری نہیں فریقین نے بھی اپنی یادداشت کھو دی ہو اور پھر جہاں دل کا معاملہ ہو، وہاں ایسی باتیں تو بھلائے نہیں بھولتیں جذبات اور احساسات ہمہ وقت آپ کے گرد یوں جمگھٹا بنائے رکھتے ہیں کہ آپ کو کچھ بولنے دیتے ہی نہیں۔

روابہ اور مریم کالج کے لئے نکل چکی تھیں، سعد آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا، جبکہ فصیح باپ کے آگے مودبانہ گزارش لئے کھڑا تھا کہ اسے آج آخری دن گاڑی یونیورسٹی لے جانے دی جائے۔

''کیا ارادے ہیں برخوردار؟'' منیر صاحب نے اخبار سے نظریں اٹھائیں اور عینک کے پیچھے سے اسے گھورا۔

''نیک ارادے ہیں ابو جی۔'' اس نے مسکراہٹ چھپا کر جواب دیا۔

''نیک ہی رہیں تو اچھا ہے۔'' تنبیہا کہا گیا۔

''یہ چابی لے جاؤ۔'' انہوں نے میز پر پڑی چابی کی جانب اشارہ کیا تو اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کرتے ہوئے وہاں سے دوڑ لگائی۔

☆☆☆

UUNOVELS.COM

بے دلی سے ناشتہ ختم کر کے وہ بھی نکلنے ہی والی تھی جب سعد نے اسے روکا۔

"میں بھی نکل رہا ہوں ساتھ ہی چلتے ہیں۔"

"دیر نہیں ہو گی آپ کو آج۔" اس نے چشمہ اور پرس بیگ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہو تو گئی ہے، مزید پندرہ منٹ سے کیا فرق پڑ جائے گا۔" اس نے سائیڈ میز کی دراز سے چابیاں نکالیں تو وہ سر ہلاتی اس کے پیچھے ہو لی۔

"اتنی گم صم کیوں ہو گئی ہو؟" موڑ کاٹتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"نہیں تو۔" وہ چونکی۔

"تمہیں خوشی نہیں ہے، لائبہ کی شادی کی؟"

"مجھے بھلا کیوں نہیں ہو گی۔"

"ظاہر ہے تمہاری ہم عمر ہے، جیلس ہو رہی ہو گی کہ یہ مجھ سے آگے نکل گئی۔" سعد کے انداز پر وہ اپنا قہقہہ نہ روک سکی۔

"ہاں ویسے یہ پوائنٹ بھی ہو سکتا ہے۔"

"یعنی کوئی دوسری وجہ ہے۔" اس کا انداز جتاتا ہوا تھا، اس کے لب سمٹ گئے۔

"چلیں آ گیا آپ کا سنٹر۔" وہ اتر کر گیٹ سے اندر تو گئی مگر حتی ہی دیر آگے نہ بڑھ سکی۔

"کیا میرے دل کی حالت میرے چہرے سے بھی عیاں ہونے لگی ہے جو سعدی نے بھی مشاہدہ کر لیا، یہ سعدی بھی نا۔" اس نے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گئی۔

سعد ایسا ہی تھا، بظاہر لاابالی سا نظر آنے والا، مگر درحقیقت سب (خصوصاً اپنے پیاروں) کا خیال رکھنے والا خوش شکل اور خوب سیرت انسان۔

☆☆☆

"بھابھی میں تو کہہ رہی ہوں کل اتوار ہے، یہ لوگ بھی فارغ ہوں گے، چلے چلتے ہیں، آخر کب جانا ہے دن تو پر لگا کر اڑتے جا رہے ہیں۔"

"کہتی ہوں ان سے، مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ لائبہ کو دیں کیا، بقول فصیحہ کے سارا سامان تو اس کا خرید لیا گیا ہے، اگر ہم سے تھوڑا بہت پہلے مشورہ کیا ہوتا تو کیا مدد کو نہ آتے، مگر بالا ہی بالا سارے معاملات نپٹا لیے اب کیا کر سکتے ہیں ہم۔" تائی شمیم پیازوں والی ٹوکری صاف کر رہی تھیں۔

"تو پھر ٹھیک ہے نا اماں جی نے اپنے اور ہم سب کی طرف سے فصیحہ کے گھر بھر کے سوٹ تو سلوا ہی لیے ہیں، اگر وہ در پردہ کیش دینا چاہ رہے ہیں تو پھر ٹھیک ہے نقد تھما دیتے ہیں ہم بھی، مسئلہ ختم۔" مہرین چچی نے پریشر ککر کی سیٹی دباتے ہوئے مشورہ دیا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے، پھر بھی ایک بار سعد کے ابو سے مشورہ کر لوں، یہ نہ ہو کل کلاں کو سنا دیں کہ میری بہن کے بچوں کی خریداری کے لیے وقت نہ نکل سکا اور ویسے آئے روز بازار کے پھیرے ہی ختم نہیں ہوتے۔" مہرین نے سر ہلایا۔

☆☆☆

اماں جی آج پڑوسیوں کی خبر گیری کو نکلی تھیں، سو وہ چاروں بڑے کمرے میں دھاوا بول چکے تھے، مریم نے فصیح کو اشارہ کیا تو وہ گلا کھنکارتے ہوئے بولا۔

"عائشہ تم نے ویسے کبھی محسوس کی ہے ان دروازوں کی حرکت۔" فصیح گھٹنوں پہ کشن رکھے تخت پر نیم دراز تھا، لہجہ سرسری سا تھا، روابہ

بدستور چینل گھما رہی تھی۔

"نہیں نا، حالانکہ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے دل چاہتا ہے کہ یہ غیر انسانی مظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔"

"کن دروازوں کی بات کر رہے ہو؟" ٹی وی پر کچھ بھی سواد کا نہیں لگا تھا سو اس نے ریموٹ پٹخا۔

"ارے یہی اسٹور کا اور اس کمرے کا۔"

"ہاں تو کیا ہوا نہیں۔"

"تمہیں نہیں پتا؟" مریم کے لہجے سے حیرت اور سنسنی مترشح تھی۔

"کیا؟"

"لے اتنی بڑی بات تمہیں کیسے نہیں معلوم یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" عائشہ نے اداکاری کی۔

"یہی۔" وہ جیسے قسم اٹھانے کو تیار تھی۔

"دادی جی بتا رہی تھیں کہ ہمارے گھر میں سایہ ہے۔" سدا کی ڈرپوک روابہ کے چہرے کی رنگت بدلی۔

"جھوٹ تمہیں کیسے پتا۔" خود پر قابو پانے کی کوشش کی گئی۔

"لو سب کو پتہ ہے، امی نے خود بتایا تھا، ایک مرتبہ گھر میں آئی کوئی خاتون بھی یاد کر کے پوچھ رہی تھیں۔"

"کک... کیا؟"

"یہی کہ شمیم! تمہاری ساس کے کمرے کے دروازے پر اب بھی دستکیں ہوتی ہیں یا ختم ہو گئیں۔"

"یار مجھے ڈراؤ نہیں۔" اس بیچاری نے تھوک نگلا۔

"لے اس میں ڈرنے والی کیا بات ہے، ہمارا تو گھر ہی شمشان گھاٹ پر بنا ہوا ہے صدیوں پرانا۔" فصیح نے عام سے لہجے میں کہا۔

"شم... شمشان گھاٹ؟"

"چلو، اس کو الف کا نہیں پتہ ہم اسے کی پڑھا رہے ہیں۔" عائشہ نے تاسف سے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"چلو چھوڑو بچی ایویں پریشان ہو جائے گی۔"

"پھر ہمیں نہ کوسنا۔" شرط باندھی گئی۔

"بھئی ہندوؤں کے قبرستان کو شمشان گھاٹ کہتے ہیں، اب تم سوچو کس گھر کے قریب قبر ہو تو وہاں کوئی انسان رہنا مناسب نہ سمجھے، لیکن یہاں تو گھر کے نیچے ہی قبرستان بنا ہے پورا۔" روابہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پھیلتی جا رہی تھی، مریم نے اس کے تاثرات دیکھ کر بمشکل مسکراہٹ دبائی، (اب مزہ آئے گا، مجھے کلاس میں نقل نہیں کروائی تھی نا، فیل کروایا کم بخت بڑا ایمانداری کا بخار آ رہا تھا، بڑی آئیں محترمہ فاطمہ جناح کی رشتہ دار) اس کو اپنی پڑی تھی۔

"پھر روحیں تو چینیں گی ناں، وہ بھی ہمسایہ ملک کی، جو ازل سے ہی ہمارا دشمن ہے۔"

"اس لیے تو ہم سے سوال کرنے کو بدروحیں روز رات کو ہمارے گھر کے سب سے پرانے دروازوں پر دستک دیتی ہیں۔"

"تو ہم یہاں کیسے رہ رہے اتنے عرصے سے؟" روابہ روہانسی ہوئی۔

"اب یہ تو دادی جی یا تائی سے پوچھنا پڑے گا، مگر تم پریشان نہ ہوا اب تو شاید وہ مایوس ہو گئی ہیں، کہ اس حویلی کے مکین تو بہت ہی ڈھیٹ ہیں جو برسوں سے کسی نے دروازہ کھول کر نہ دیا، بھی دستک نہیں دیتیں نہ دروازے یوں کھڑکتے ہیں جیسے تائی بتاتی تھی کہ ہم رات کو سوتے تھے تو رات کے دو بجے پھر دروازے اپنے آپ ہی

UUNOVELS.COM

INSTALL

زور زور سے ہلنا شروع ہو جاتے تھے۔"

"کون کون سے دروازے؟" رداب نے اپنی جگہ بدلی اور لپک کر عائشہ کے ساتھ چپک کر بیٹھ گئی۔

"بھئی یہ اپنا بڑے کمرے اور اسٹور روم کے خاص دروازے۔" مریم نے آگاہ کیا، رداب کو یاد آیا کہ اکثر اگر کبھی ادی پھپھو بڑے کمرے اور اس کے بیچ والے دروازے کے لئے خاص دروازے کا لفظ استعمال کر بھی لیتی تو دادی جی انہیں ایک گھوری سے نوازتیں۔

رداب کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا، ان تینوں کی شکلوں کی جگہ پر اب اسے بھیانک چہرے نظر آنے لگے اور قبل اس کے وہ بے ہوش ہو کر پوزیشن کو سنگین بناتی ان کی خوفناک باتوں کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے شدید گھبراہٹ کے عالم میں سرپٹ دوڑ لگائی، اس کا رخ باورچی خانے کی جانب تھا جہاں شمیم اور میرین کب سے بخیے ادھیڑ رہی تھیں (آہاں قمیض کے نہیں، رشتے داروں کے) وہ پل رک کر اس نے اٹکی ہوئی سانسیں بحال کرنی چاہیں۔

"میں نے تو سعد کے رشتے کے لئے صاف منع کر دیا، بھلا کوئی بات ہے، ہماری بیٹیاں جوان ہوئیں تو کسی نے پوچھا تک نہیں اب اپنی بچیاں قد نکال رہی ہیں تو سب کو سعدی یاد آ گیا ہے۔" تائی شمیم نجانے کب کی بھری بیٹھی تھیں۔

"وہ تائی کیا یہ سب سچ ہے؟" اسی پل رداب نے منظر میں انٹری دی۔

"ہاں تو اس میں جھوٹ یا مذاق والی کیا بات ہے۔" تائی نے بھنویں چڑھائیں، انہیں رداب کی یہ مداخلت ایک آنکھ نہ بھائی۔

"کیا ہو گیا؟" اس نے مڑ کر اسے دیکھا، کچن کے دروازے پیچھے سے جھانکتے ان تینوں کی بتیسیوں کی نمائش جاری تھی، وہ شدید بے بسی کے عالم میں اپنی کمر سہلاتی رہ گئی۔

اور پھر اسی رات ناراضگی کے اعلان کے طور پر وہ اپنا تکیہ لے کر چھت پہ چلی گئی، صحن میں دادی جی کی چارپائی اٹھاتی مریم نے حیرت اور کچھ کچھ ترحم آمیز نظروں سے رداب کو دیکھا مگر وہ بھی اونہہ کر کے عازم سفر ہو لی۔

اوپر آ کر ڈرتے ڈرتے بستر بچھایا۔

"اللہ جانے مجھے یہاں نیند کیسے آئے گی؟" حالانکہ سچ تو یہ تھا کہ نیچے بڑے کمرے اور اسٹور کے لکڑی کے دروازوں کی ممکنہ غیر محسوس حرکت سے ڈر کر اس نے اوپر سونے کا ارادہ کیا تھا، مگر یہاں بھی ارد گرد سے مسلسل آتی جھینگروں کی آوازیں اور سامنے تاحد نگاہ پھیلے کھیت اور ایستادہ گھنے بلند و بالا دراز قامت درخت اس کا حلق خشک کیے دے رہے تھے۔

"ادی پھپھو کو بھی آج ہی آپا کے ساتھ جانا تھا۔" وہ جی ہی جی میں ان سے خفا ہوئی۔

اور قبل اس سے کہ وہ پہر میں ہوئی ساری ہولناک باتوں کو سوچ سوچ کر وہ چیخ مار کر سرپٹ نیچے دوڑتی، دائیں جانب ایک گھر چھوڑ اگلے گھر کی چھت سے اٹھتی شہنائیوں نے اس کی سانسیں بحال کی۔

"ارے آج تو ربینا باجی کی مہندی تھی نا، یہ لوگ تو ابھی دیر تک جاگیں گی، تب تک مجھے نیند آ جائے گی۔" اس نے خود کو تسلی دی۔

اسے لیٹے بمشکل دو گھنٹے گزرے تھے جب پرلی چھت سے آتی ککڑوں ککڑوں کی صداؤں نے اس کی نیند میں خلل ڈالا، لاکھ اس نے دوبارہ سونے کی کوشش کی، مگر مرغا بھی آخر رداب کا پڑوسی تھا۔

"ڈھیٹ کہیں کا، اٹھا کر ہی دم لے گا۔"

UUNOVELS.COM

100% FREE

ڈولتے ہوئے وجود اور نیم وا آنکھوں سے اس نے وضو کر کے جیسے تیسے نماز ادا کی اور تکیہ لے کر نیچے چلی آئی۔

''بھاڑ میں جاؤ سب۔'' خود سے کیسے رات والے عہد کو پس پشت ڈالتے (جھٹکتے) ہوئے وہ اپنے پورشن کی جانب آئی۔

☆☆☆

ادیبہ نے بہت عرصے سے گاؤں کے بدتمیز بچوں کو مہذب شہری بنانے کا ٹھیکہ لے رکھا تھا، دادی جی بھی تو خوب ہی اسے کوسیں، اور کبھی خود ہی مطمئن ہو جاتی کہ ''چلو میری بچی کا دل لگا ہوا ہے، ایسی نیکی کا کام تو دور دور تک پورے خاندان میں کوئی نہیں کرتا ہوگا، یا اللہ ان بچوں کی دعائیں میری ادیبہ کو لگ جائیں، تم اس کے نصیب کھول دے۔''

نارنجی کرنیں دیواروں تک سمٹ کر رہ گئیں تھیں بارش کل رات دیر تک ہوتی رہی تھی، صحن اور کیاریاں نکھر نکھری گئی تھیں حالانکہ آج صبح بڑی تیز دھوپ نکلی تھی مگر اب ہلکی ہوا کو بھی پیڑ غنیمت جانتے ہوئے خوب ہی ہل رہے تھے، لیموں اور پودینے کی باس سارے صحن میں پھیلی تھی اور کھلے صحن میں وہ اپنا چھوٹا سا ٹیوشن سینٹر کھول کر بیٹھی تھی۔

عائشہ چائے کے برتن کچن میں رکھ کر صحن میں لگے جھولے پر بیٹھ گئی، کچھ اِدھر اُدھر کی سوچنے کے بعد نظریں ادی پھپھو پر ہی ٹک گئیں، دراز قد، متناسب سراپا، چمکتی رنگت اور پشت پر ہمہ وقت جھولتی لمبے گھنے بالوں کی چٹیا۔

''ان کا حال بھی مجھ سے کچھ مختلف تو نہیں۔'' وہ موزانہ کرنے لگی۔

''ہم دونوں ہی محبت کی زمین پر بیٹھے کونپلیں پھوٹنے کے منتظر ہیں، کہیں یہ زمین بنجر تو نہیں جو کوئی امید بر ہی نہیں آ رہی۔'' اسے وسوسے نے گھیر لیا اور پھر اسے امی کے بتائے گئے چند حقائق یاد آنے لگے، جن پر سے بہت اصرار کے بعد امی نے پردہ اٹھایا تھا، گزشتہ برس کی ہی تو بات تھی، امی کے پاس کوئی جاننے والی آنٹی بیٹھیں تھیں۔

وہ کسی کام سے کمرے میں داخل ہوئی، واپس جانے ہی والی تھی جب انہوں نے راز دارانہ انداز میں ادیبہ کی بابت پوچھ لیا۔

اس کے کان کھڑے ہو گئے، بتیرے انہوں نے اشارے کیے مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی، ٹس سے مس نہ ہوئی، الماری میں سر دیے انفارمیشن کرتی رہی۔

''بس بھئی یہ لوگ برادری سے باہر نہیں کرتے۔''

''لیکن منگنی تو ہو گئی تھی، میں نے سنا۔'' خاتون نے تھوڑی پریشانی نکالی۔

''ارے نہیں، کسی نے بے پر کی اڑائی ہوگی منگنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''ویسے خالہ جی بھی تو ڈھاڈی (رعب دار) ہیں۔'' خاتون نے پیشانی پر بل ڈال کر سرگوشی کی۔

''چائے تو لے لیں۔'' امی بات بدل کر ان سے تو جان چھڑا لی تھی، مگر عائشہ نے سب کچھ اگلوا کر ہی دم لیا۔

''آپ مجھ سے کیوں گھبرا رہی ہیں، میں کوئی شریکہ تو نہیں ہوں جو پھپھو کا جو جاتے ہی اخبار میں اشتہار لگوا دوں گی۔''

''تم ان باریکیوں کو نہیں سمجھو گی۔''

''تو آپ باریکیاں رہنے دیں، موٹیاں بتا دیں میں خود ہی تانے بانے بن لوں گی۔'' اور امی اسے گھور کر رہ گئیں۔

100% FREE

''بھئی ابا جی کے دوست کا بیٹا تھا، سال پہلے اس کی بہن کی شادی پر ہم سب ہی تو گئے تھے وہاں اس نے ادی کو پسند کرلیا، بس یہی جرم ٹھہرا، حالانکہ کیسا اچھا بچہ تھا پڑھا لکھا سوبر اور باوقار، نہ کوئی چھچھورپن نہ کوئی اوچھی حرکت۔''

''تو پھر منگنی اور یہ انتظار لاحاصل؟'' اس نے حیرت بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

''بھئی اماں جی نے اس بات کو مسئلہ بنائے رکھا کہ لڑکے نے خود کیوں پسند کیا ہماری بچی کو، خاندان والوں کو یہ بات معلوم ہوگی تو میرے بچی کے کردار پر سوال اٹھیں گے وہ تو اللہ بخشے تمہارے دادا جی جو ہمیشہ سے ہی وسیع النظر اور وسیع القلب تھے، نے ہزار بار تشفی کرائی اور گرد کی مثالیں دیں کہ آج کے دور میں لڑکے کا لڑکی کو دیکھ کر پسند کر لینا اور پھر رشتہ بھیج دینا بے حیائی نہیں بلکہ تمیز اور تہذیب کے زمرے میں آتا ہے، وغیرہ وغیرہ تب کہیں جا کر انہوں نے رشتے کے لئے ہاں کی۔''

ادیبہ بھی خوش تھی، حالانکہ ہمارے سامنے کی بات ہے، تمہاری پھپھو نے تو اس واقعہ سے پہلے مون کو دیکھا تک نہ تھا، مگر یہ رشتہ ہی ایسا ہے اپنائیت تو چند مہینوں میں پیدا ہو جاتی ہے یہاں تو پھر دو سال منگنی رہی، منگنی کے بعد ہی ایک آدھ بار ہی مون گھر آیا، تمہاری دادی نے ناک بھوں چڑھایا، اس نے برا منائے بغیر آنا ہی ترک کر دیا۔

اس نے عید پہ تحفے تحائف دیے اماں جی نے وہ باتیں سنائی کہ ادیبہ کا دل ہی راکھ ہو گیا اور پھر ابا جی کی وفات کے بعد اماں جی کو پھر سے خدشات گھیرنے لگے، کچھ کمال ان کے رشتہ داروں نے کر دکھایا سو طرح کی باتیں بنائیں اور اماں جی نے ساری مروتیں بالائے طاق رکھ کر آؤ دیکھا نہ تاؤ، بیٹھے بٹھائے فون پر بات ختم کر دی، یہ سوچے بغیر کہ انہوں نے اپنے جگر کے ٹکڑے کا جگر جلا کر رکھ دیا ہے۔

''یہ تو سراسر زیادتی ہے، کسی نے روکا نہیں دادی جی کو۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے نہیں سمجھایا ہوگا، مگر تمہاری دادی کسی کی سن لیں یہ کہاں لکھا ہے، ضد اور غرور تو ان کی شخصیت کا حصہ ہے۔'' امی کے لہجے سے مایوسی جھلک رہی تھی اور اس کا اپنا دل بھی خوب برا ہوا تھا۔

''دادی جی آپ کی بیٹی کا گھر بسے یا نہ بسے مگر اگر آپ کی یہی ضد رہی تو ان کا دل بھی نہیں ہرا ہو سکے گا۔'' اس نے خود سے خیال آرائی کی۔

''عاشی! کہاں مری ہو، تمہاری فیورٹ مووی لگی ہے۔'' ردابہ کے گلا پھاڑنے پر نا چار اٹھنا پڑا کہ پھپھو نے بھی شاید اس کی نظروں کا ارتکاز خود پر محسوس کر لیا تھا، تبھی مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

آشیانہ صوفی کے قدیم دروازوں کے ہلنے ہلانے والی بات پر ردابہ کا یقین قائم تھا یا نہیں، مگر سعد نے تینوں کو ڈپٹ کر ان کی ردابہ سے صلح کرا دی تھی، تاہم ان میں سے کسی نے ردابہ کو حقیقت سے آگاہ کرنے کی کوشش نہ کی تھی کہ آیا وہ سب سچ پر مبنی گفتگو تھی یا محض مذاق تھا۔

''ویسے آپ کو کیا لگتا ہے...... ہمم؟''

مہندی لائبہ کی تھی مگر لگتا یوں تھا گویا شادی اس گھر میں ہو، پھپھو مایوں کی رسم سے پہلے آئیں تھیں اور لڑکیوں کو ساتھ چلنے کو کہا تھا، ردابہ اور مریم تو جھٹ سے تیار ہو گئیں جبکہ عائشہ خاموشی سے منظر سے ہی ہٹ گئی، جلدی جلدی

''بھئی ابا جی کے دوست کا بیٹا تھا، سال پہلے اس کی بہن کی شادی پر ہم سب ہی تو گئے تھے وہاں اس نے ادی کو پسند کر لیا، بس سمجھو یہی جرم ٹھہرا، حالانکہ کیسا اچھا بچہ تھا پڑھا لکھا سوبر اور باوقار، نہ کوئی چھچھورپن نہ کوئی اوچھی حرکت۔''

''تو پھر منگنی اور یہ انتظار لاحاصل؟'' اس نے حیرت بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

''بھئی اماں جی نے اس بات کو مسئلہ بنائے رکھا کہ لڑکے نے خود کیوں پسند کیا ہماری بچی کو، خاندان والوں کو یہ بات معلوم ہو گی تو میرے بچی کے کردار پر سوال اٹھیں گے وہ تو اللہ بخشے تمہارے دادا جی جو ہمیشہ سے ہی وسیع النظر اور وسیع القلب تھے، نے ہزار بار تشفی کرائی اردگرد کی مثالیں دیں کہ آج کے دور میں لڑکے کا لڑکی کو دیکھ کر پسند کر لینا اور پھر رشتہ بھیج دینا بے حیائی نہیں بلکہ تمیز اور تہذیب کے زمرے میں آتا ہے، وغیرہ وغیرہ تب کہیں جا کر انہوں نے رشتے کے لئے ہاں کی۔''

ادیبہ بھی خوش تھی، حالانکہ ہمارے سامنے کی بات ہے، تمہاری پھپھو نے تو اس واقعہ سے پہلے مون کو دیکھا تک نہ تھا، مگر یہ رشتہ ہی ایسا ہے اپنائیت تو چند مہینوں میں پیدا ہو جاتی ہے یہاں تو پھر دو سال منگنی رہی، منگنی کے بعد ہی ایک آدھ بار ہی مون گھر آیا، تمہاری دادی نے ناک بھوں چڑھایا، اس نے برا منائے بغیر آنا ہی ترک کر دیا۔

اس نے عید پہ تحفے تحائف دیے اماں جی نے وہ باتیں سنائی کہ ادیبہ کا دل ہی راکھ ہو گیا اور پھر ابا جی کی وفات کے بعد اماں جی کو پھر سے خدشات گھیرنے لگے، کچھ کمال ان کے رشتہ داروں نے کر دکھایا سو طرح کی باتیں بنائیں اور اماں جی نے ساری مروتیں بالائے طاق رکھ کر آؤ دیکھا نہ تاؤ، بیٹھے بٹھائے فون پر بات ختم کر دی، یہ سوچے بغیر کہ انہوں نے اپنے جگر کے ٹکڑے کا جگر جلا کر رکھ دیا ہے۔

''یہ تو سراسر زیادتی ہے، کسی نے روکا نہیں دادی جی کو۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے نہیں سمجھایا ہو گا، مگر تمہاری دادی کسی کی سن لیں یہ کہاں لکھا ہے، ضد اور غرور تو ان کی شخصیت کا حصہ ہے۔'' امی کے لہجے سے مایوسی جھلک رہی تھی اور اس کا اپنا دل بھی خوب برا ہوا تھا۔

''دادی جی آپ کی بیٹی کا گھر بسے یا نہ بسے مگر آپ کی یہی ضد رہی تو ان کا دل بھی نہیں ہرا ہو سکے گا۔'' اس نے خود سے خیال آرائی کی۔

''عاشی! کہاں مری ہو، تمہاری فیورٹ مووی لگی ہے۔'' ردابہ کے گلا پھاڑنے پر نا چار اٹھنا پڑا کہ پھپھو نے بھی شاید اس کی نظروں کا ارتکاز خود پر محسوس کر لیا تھا، تبھی مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

آشیانہ صوفی کے قدیم دروازوں کے ہلنے بلانے والی بات پر ردابہ کا یقین قائم تھا یا نہیں، مگر سعد نے تینوں کو ڈپٹ کر ان کی ردابہ سے صلح کرا دی تھی، تاہم ان میں سے کسی نے ردابہ کو حقیقت سے آگاہ کرنے کی کوشش نہ کی تھی کہ آیا وہ سب سچ پر مبنی گفتگو تھی یا محض مذاق تھا۔

''ویسے آپ کو کیا لگتا ہے...... ہم؟''

مہندی لائبہ کی تھی مگر لگتا یوں تھا گویا شادی اس گھر میں ہو، پھپھو مایوں کی رسم سے پہلے آ گئی تھیں اور لڑکیوں کو ساتھ چلنے کو کہا تھا، ردابہ اور مریم تو جھٹ سے تیار ہو گئیں جبکہ عائشہ خاموشی سے منظر سے ہی ہٹ گئی، جلدی جلدی

UUNOVELS.COM

(پرسوچ انداز)

"قمیض اس والے کی کر لو اور اور ٹراؤزر اس کا۔" اس نے باری باری دونوں پر انگلی رکھی۔

"دوپٹے کا کیا کریں، ایسا کرو دوپٹے کا جھنجھٹ ہی نکال دو، مزے ہی مزے۔" وہ اسے اوٹ پٹانگ مشوروں سے نواز رہی تھیں۔

"تم...!" ادیبہ کو پکارتے ہوئے چیخی۔

"... جان، کیوں ان آفتوں کے منہ لگتی ہو، ابھی تمہارا مسئلہ بھی حل کر دیتے ہیں۔" وہ نزش کے بالوں پر برش پھیرتے ہوئے زیر لب مسکرائی اور آفتوں نے کھا جانے والی نظروں سے اپنی اوی پھپھو کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

عائشہ پھپھو اور ملازمہ کے ساتھ مل کر تقسیم ہونے والی مٹھائیوں کے پیکٹ بنا رہی تھی (دادی کے اصرار پر وہ بے دلی سے ولیمے کے لئے رکی تھی) جب سعد نے اسے آواز دی۔

"میرے دو پیس کی پینٹ نہیں مل رہی، رکھی بھی تھی یہیں!؟"

"یہیں تو تھی سعدی، ہنو میں جا کر دیکھتی ہوں۔" وہ جھنجھلاتے ہوئے باورچی خانے سے نکلی، جبکہ سعد باورچی خانے میں گھس گیا، لان میں شامیانوں سے پرے اپنے اودے رنگ کے آنچل سے الجھتی عائشہ کا سامنا ایک بار پھر ارتضیٰ سے ہوا، جس سے چھپنے کی وہ بودی سی کوشش کرتی پھر رہی تھی۔

جب اس کی نظر عائشہ پر پڑی تو لاکھ اس نے اپنی نگاہوں کو پلٹنا چاہا، مگر اس کے دلکش سراپے کی کشش کے باعث ایسا نہ کر سکا، اس پل ارتضیٰ کے دل میں یہ خواہش شدت سے دھڑکی تھی کہ وہ اسے پکارے اور اس کی پکار پہ عائشہ نظر اٹھا کر، نظر بھر کے اسے دیکھے، مگر کچھ خواہشوں کا پورا نہ ہونا وقت کا تقاضا بن جاتا ہے، نتیجتاً اس کی نگاہوں کی تپش سے لال ہوتی عائشہ کو ہی منظر سے ہٹنا پڑا اور پیچھے وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

☆☆☆

وہ اس کا پھپھوزاد تھا، بڑوں نے بچپن میں ہی ان کا رشتہ طے کر دیا تھا، وہ میٹرک میں تھی جب اس کو علم ہوا، کچی عمر کے کچے پکے سپنے اس نے تب ہی بننا شروع کر دیے، حالانکہ تب وہ دوسرے فریق کی رائے نہیں جانتی تھی نہ ہی ایسی کوئی تمنا دل میں جاگی تھی، مگر دل کی خوشی کے لئے یہ احساس ہی کافی تھا کہ وہ کسی کے ساتھ منسوب ہے، گھر کی نئی (ینگ) نسل میں صرف اس کو یہ اعزاز حاصل تھا جب ادیبہ کی بات پکی ہوئی کو چند ماہ ہی ہوئے تھے۔

پھر جب وہ سیکنڈ ایئر میں تھی تب اسے ایک تشنگی سی محسوس ہونے لگی، سکھیوں کی چھیڑ چھاڑ اور ناولز کی کہانیوں والا کچھ بھی تو نہیں تھا اس کے اور ارتضیٰ کے بیچ میں، عجیب سے واہمے اسے گھیرنے لگے کہ کیا اسے بے وقوف بنایا جا رہا ہے، بڑے صرف منہ سے بات نکال کر بھول گئے، باقی کسی کو کوئی پرواہ نہیں اور وہ شخص جس کو میرے سر کا تاج بننا ہے لگتا ہے زبردستی اسے میرے ساتھ منسلک کیا جا رہا ہے، مگر جلد ہی اس کے سارے وسوسے پانی کا بلبلہ ثابت ہو گئے جب پھپھو کی طرف سے عید پر پہلی بار بطور خاص ارتضیٰ کی جانب سے گفٹ موصول ہوا، گفٹ کیا تھا کہنے کو ایک کارڈ جس پر "میری عائشہ" اور "تمہارا ارتضیٰ" درج تھا، مگر کوئی اس سے پوچھتا اس کی خوشی کی انتہا، کوئی دیکھتا اس کی آنکھوں کی جوت، جس کے خوشی کے مارے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے، مریم اسے چھیڑتی "اوہو اب تو پیا من بھائی

UUNOVELS.COM

ہونے جا رہی ہو" جبکہ روابہ اسے جان بوجھ کر چڑاتی۔

"ہونہہ، پیا تو دیکھو، ایک نمبر کا کنجوس پچاس روپے والا کارڈ دے کر جان چھڑالی ہی ہی۔"

"چل رہے جل ککڑی۔" وہ پرواہ نہ کرتی اور پھر ہر عید سالگرہ پر اسے یونہی تحفے موصول ہونے لگے، اگر موصوف کبھی پھپھو کے ساتھ بہ نفس نفیس گھر آ جاتے تو گھبراہٹ کے مارے اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے، وہ اقرار کرنا چاہتا، یہ بھاگتی (بھلا جب آنکھوں سے سب عیاں تھا تو اظہار کر کے امتحان میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی) وہ سوچتی اور مسکراتی جاتی، مریم اور روابہ اس کی قسمت پر رشک کرتیں، سب کا خیال تھا کہ پھپھی بھتیجی کی شادی ایک ساتھ ہی ہوگی، مگر ان کے خیال اور عائشہ کی مسکراہٹوں کو نظر تب لگی جب دو سال قبل ایک حادثے کے نتیجے میں ارتابز چلنے پھرنے سے محروم ہو گیا، ہر طرف مانو خاموشی نے اپنے پھن پھیلا لئے تھے، منہ سے کوئی کچھ نہ کہتا تھا مگر آنکھوں سے سب کے ارادے ظاہر ہو جاتے تھے، شمیم بیگم وقتی ہمدردی اور عیادت کے بعد دانستہ کھنچنے لگیں، جس نے عائشہ کو الجھا کر رکھ دیا، اس کے لئے ماں کا بدلا رویہ حیران کن تھا۔

"کیا ساری زندگی مزاج پرسی کرتی رہو گی۔" ماں کے لہجے نے اسے ڈرا دیا۔

"اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی انشاءاللہ چند مہینوں میں وہ بھلے چنگے ہو جائیں گے۔" وہ یقین کامل سے بولی۔

"فضول کی امیدیں مت لگاؤ۔"

"تو کیا کروں؟"

"کچھ نہیں، تمہیں اب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"کیا مطلب؟" اس کا ٹھٹکنا لازم تھا۔

"اس کا خیال دل سے نکال دو۔"

"امی آپ اتنی خود غرض کیسے ہیں؟" وہ تڑپی۔

"جو مرضی سمجھو، جذباتیت کے سہارے ساری زندگی نہیں گزرتی، حقیقت پسندی سے کام لو، اس کی ہڈیاں بری طرح متاثر ہوئی ہیں دوبارہ اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہونے کے لئے بہت سا پیسہ، وقت اور بہت سی محنت چاہیے، کیا تم یونہی برباد کر دو گی اپنا آپ۔" اور وہ کوئی جواب نہ دے سکی اگر وہ ماں بن کر سوچ رہی تھیں تو بالکل ٹھیک کہہ رہی تھیں، لیکن اس کا ارتابز سے صرف ضرورت کا رشتہ تو نہیں تھا جو وہ اسے نااہل سمجھ کر بھول جاتی۔

اماں جی نے ایک دو بار شمیم سے بات کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ بہو کو سمجھائے اور محض وقتی معذوری کی بنا پر ارتابز جیسے لڑکے کو (جو دیکھا بھالا، اپنا بچہ ہے) کو نہ چھوڑے، مگر بیٹے کے دو ٹوک انداز نے انہیں چپ کرا دیا اور وہ بہو کی ہمنوا ہو گئیں۔

عائشہ کا ماسٹرز مکمل ہو گیا تھا، اچھا وقت ہوتا تو اس کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی ہوتیں، مگر سب نے یوں خاموشی کی چادر اوڑھ کر لاتعلق نظر آنے کی کوشش کی، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

اس کے دن بے نور ہو رہے تھے اور راتیں کرب زدہ، ایک ادیبہ تھی جو اس کے دل کا حال سمجھ سکتی تھی مگر بھائی کے غصے سے خائف ہو کر وہ چاہ کر بھی دوبارہ لب کشائی کی ہمت نہ کر سکی۔

پھر بڑی مشکل سے ابو سے اجازت لے کر عائشہ نے قریبی علاقے کے ایک ادارہ بحالی معذوراں میں نوکری شروع کر لی، امی کو معلوم ہوا تو شاکی نظروں سے اسے دیکھا، جیسے کہہ رہی

UUNOVELS.COM

INSTALL

ہوں۔

"شرم تو نہیں آتی لوگ کیا کہیں گے، سعدی کیا سوچتا ہوگا، حویلی کے مرو تم پڑ گئے جو جوان لڑکیاں کمانے نکل پڑیں ہیں۔"

"کیوں شرم کروں، کیا گناہ کر رہی ہوں۔" وہ بھی دل میں جواب بولی کھلی کھڑکی کے پار سے چھن چھن کر آتی دودھیا چاندنی کی لکیریں سیدھا اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں، جہاں پر نجانے کب سے بے رنگ موتی پلکوں کی جھالر پر جمع تھے کہ اس کے پلٹنے پر وہ گرم سیال کی صورت گالوں پر بہہ گئے۔

☆☆☆

نرم گرم سی دوپہریں اور حبس زدہ سی راتیں گزرتی جا رہی تھیں، امی کے پیر کو نجانے کیا غم لاحق ہوا تھا، سوکھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

"رداب کیوں کالج سے بے دخل ہونا چاہتی ہو، آج چوتھا دن ہے، وہ مریم بھی تو بے روز جاتی ہے، تیری کلاس کی پڑھائی نہ ہوگی، بلوچستان میں حکومت کی کارکردگی ہو گئی، جو صفر کی صفر ہی ہے اب تک۔"

"امی اب حکومت بھی کہاں رہی ہے۔" اس نے یاد دہانی کروائی۔

"تو مجھے باتوں میں نہ الجھا، جو میں پوچھ رہی ہوں اس کا جواب دے۔"

"امی بس آج کا دن، کل سے پھر کوئی چھٹی نہیں کروں گی پکا۔" وہ اسے غصے سے گھور کر رہ گئیں، جانتی تھیں کہ یہ یونہی اول فول بکتی رہے گی سیدھی بات نہیں بتائے گی اور ان کے جانے کے بعد۔

ہوا ہے پہلی بار
مجھے ہو گیا ہے پیار

پر اس کے پاؤں تیزی سے تھرکنا شروع ہو گئے، جوش و جذبے سے آنکھیں بند کیے گردن کو اوپر نیچے دائیں بائیں گھماتی وہ اپنے آپ میں نہیں لگ رہی تھی مزید یہ عمل نجانے کتنی دیر تک جاری رہتا جب مریم نے اس کے ہاتھوں سے موبائل چھینا تو کانوں سے ہینڈ فری باہر کو لڑھکنے لگی۔

"کیا افتاد آن پڑی؟" وہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی۔

"تم بتاؤ کیا بدتمیزی چل رہی ہے۔" مریم کا اشارہ اس کی شوخیوں کی جانب تھا جو اس نے چچی کے سامنے ماری تھی۔

"بدتمیزی نہیں پیار ہے یہ پیار، جاہل عورت۔" آج تو جیسے رداب آسمان پر اڑ رہی تھی اور باقی ساری دنیا چرند پرند زمین پر دھکے کھا رہے تھے اور اسی نشۂ احساس میں گھر کر اس نے بے وجہ ہی کالج سے چار لگاتار چھٹیاں کر لیں۔

"مریم تم نے برتن دھو لئے تھے۔" عائشہ نے صحیح وقت میں انٹری دی۔

"ہاں۔" مریم نے رخ پھیرا۔

"پکی بات ہے؟"

"ہاں بھئی۔" وہ جھنجھلائی۔

"تو کچن میں امی کیا تمہارا سر دھونے گئی ہیں۔"

"اوہاں وہ وہ مجھے یاد ہی نہیں رہا۔"

"فکر نہ کرو اب امی تو تمہاری ساری یادداشت واپس لے آئیں گی تھوڑا صبر کر لو۔" وہ اسے تسلی دیتی رداب کے ساتھ تخت پر بیٹھ گئی۔

"یہ ساری تصویریں تم نے کب لیں، ہم کہاں تھے۔" رداب بے دھیانی میں گیلری کھول چکی تھی۔

"مارے گئے۔"

"کیا کہہ رہی ہو۔" عائشہ نے اس کی

UUNOVELS.COM
UUNOVELS.COM

INSTALL

بڑبڑاہٹ محسوس کر لی۔

"کون سی تصویریں، مجھے بھی دکھاؤ۔" مریم پھر سے قریب آ گئی۔

"داؤ کتنی زبردست تصویریں ہیں، کہاں پہ لی تھیں یہ؟ پھپھو کا گھر تو نہیں لگ رہا، سعدی بھی ساتھ تھا کیا؟" سوالوں کی بوچھاڑ، وہ سٹپٹا کر رہ گئی۔

"ذلیل ہم کہاں مرے ہوئے تھے یا تو نے مار دیا جیتے جی ہمیں، ساری پلٹون اکٹھی ہے سوائے ہمارے۔" عائشہ تو بس کلے پیٹنے ہی والی تھی۔

"مریم!" امی کی پکار، وہ بگٹٹ اپنے پورشن کی جانب دوڑی، ردابہ بھی آرام سے کھسک لی۔

مگر عائشہ اتنی بیوقوف نہیں تھی، جھٹ سے اس کے پیچھے باورچی خانے میں آ گئی، صد شکر کہ امی تائی کی طرف ہی تھیں۔

"چل بتا کمینی کیا چھپا رہی ہے؟"

"کچھ نہیں میں تو نمک چکھ رہی تھی۔" ردابہ نے جلدی سے رخ پھیرا۔

"بتاتی ہے یا تیرے سالن کو اور نمکین کروں۔" اس نے ہاتھ میں نمک والی ڈبی پکڑے اسے تنبیہ کی۔

"اچھا..... اچھا..... وہ..... وہ..... اظہار محبت کیا ہے۔"

"کس نے؟"

"انہوں نے۔" شرماہٹ دیکھنے والی تھی۔

"کہنوں نے۔" عائشہ نے اس کے انداز میں پوچھا۔

"وہ..... وہ سعد بھا....." زبان دانتوں تلے آ گئی۔

"بے غیرت، میسنی، سعد کی تو میں خبر لیتی ہوں۔" دانت پیسے گئے۔

"نہ میری پیاری بہن جو سزا دینی ہے مجھے دے دینا، وہ مجھ سے خفا ہو جائے گا۔" وہ تڑپی۔

"خبردار جو بہن کہا تو، تند ہوں تند آج سے، ہاں تند، اور گلی کا گند بھی۔" وہ بے ساختہ بڑبڑائی۔

"ابھی دیکھنا میں دادی جی کو بتاتی، کہ آپ کے دونوں چہیتے پوتا پوتی مین آپ کی ناک تلے کیا گل کھلاتے پھر رہے ہیں۔" وہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی، ردابہ کی سانس ساکن ہو گئی۔

"اس لئے سعد نے سختی سے منع کیا تھا، کسی کو بتانے سے۔" اسے دیر سے سمجھ میں آئی۔

بات بظاہر مذاق میں شروع ہوئی تھی، مگر در حقیقت یہ سنجیدہ معاملہ تھا، وہ بگڑے تیور کے ساتھ اپنے پورشن میں داخل ہوئی۔

"امی یہ میں....." بڑے کمرے سے نکل کر مسکراتے ہوئے امی نے لڈو اس کے منہ میں ڈالا۔

وہ ایک دم سے کچھ سمجھ نہ سکی، اس نے امی کے پیچھے دیکھا، بڑے کمرے کا منظر واضح ہوا، جہاں مبارک سلامت کا سلسلہ جاری تھا، اس نے سوالیہ نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔

"سعدی اور ردابہ کی بات پکی کر دی ہے تمہاری دادی نے۔" اسے آخری تین لفظ جیسے سنائی ہی نہ دیے اور وہ باقی جملے کی لطافت سے بے بہرہ ہو کر عجیب سے منفی احساسات میں گھر گئی، مریم اور شمیم نے حیرت سے اسے دیکھا، لڈو واپس پلیٹ میں رکھ دیا گیا تھا، اس کے اس رویے (ناپسندیدگی) کی خبر ردابہ تک بھی پہنچی تھی۔

"اگر تمہیں اعتراض ہے تو میں منع کر دیتی ہوں۔" وہ اگلی صبح کالج جانے سے پہلے اس کے روبرو ہوئی۔

UUNOVELS.COM

Ramenvergelijker Openen

''میں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا، تمہیں مدوٹر یسا بننے کی ضرورت نہیں، کیا تم مجھے سب کے سامنے فتنہ پرور دکھانا چاہتی ہو۔'' وہ غصے سے پھنکاری، ردابہ حیرت ورنج سے لب کاٹنے لگی۔

''کیا ہوا ہے تمہیں، کیوں یہ تماشا لگا رکھا ہے۔'' رات کو جب وہ کمرے میں آئی تو مریم کو کتاب پڑھتا دیکھنے کے باوجود بدتمیزی سے بتی بجھا کر سونے کی کوشش کرنے لگی تو، مریم نے اس کے اوپر سے چادر کھینچی۔

''آپے میں رہو۔'' وہ چلائی۔

''ہاں اور تم ساری حدیں پھلانگتی جاؤ۔'' وہ کافی دنوں سے اس کی اطلاعیہ بے رخی برداشت کر رہی تھی۔

''منہ بند کرو اور مجھے سونے دو۔'' وہ حسب توقع شدید بے زار لگ رہی تھی۔

''اگر میں نے منہ کھول کر سونا ہو تو۔'' اس کے غصے کی پرواہ کیے بغیر مریم نے تناؤ کی فضا کو کم کرنا چاہا، مگر وہ خاموش رہی، اس نے محسوس کیا کہ عائشہ خود اذیتی کی کیفیت میں ہے۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے، عاشی تم ایسی تو کبھی بھی نہ تھی۔''

''میرے حالات بھی اس سے قبل کبھی ایسے نہ ہوئے تھے۔'' اس کے لبوں سے پھسلا۔

''تم نے جان بوجھ کر خود کو تختی دھوپ میں کھڑا کیا ہے۔'' وہ چاہتی تھی کہ اس کی بہن اپنے دل کا درد اس کے سامنے کھولے۔

''مجھے تو تم سب نے ویسے ہی گھر کا سب سے غیر اہم فرد سمجھ لیا ہے، چپکے چپکے ایک دوسرے کو پسند کیا جا رہا ہے اور پھر جلدی جلدی رشتے پکے کیے جا رہے ہیں اور بڑی بہن کو خبر ہی نہیں، وہ ہونقوں کی طرح سب کو دیکھے جا رہی ہے، اور تم کہتی ہو میں تماشا کر رہی ہوں۔'' اس کی آواز رندھ گئی۔

''تم جیلس ہو رہی ہو۔'' مریم نے اس کے چہرے کے تاثرات پر غور کیا۔

''مجھے نہیں پتا۔'' اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''کسی نے تمہیں غیر اہم نہیں سمجھا تم نے ہی خود کو ہر معاملے سے لاتعلق کر رکھا ہے عائشہ بی بی۔''

''کیا مطلب؟''

''تم بتاؤ کہ شادی کے دنوں میں تم کہاں تھیں، ہر وہ جگہ جہاں سب پائے جاتے، تم غائب ہو جاتی، سارے فنکشنز میں تم بھٹکی ہوئی روح کی طرح پھر رہی تھی اور رشتہ دار خواتین کی کریدتی نگاہیں امی سے سوال کرتی تھیں۔'' مریم کا انداز کچھ جتاتا ہوا تھا، اس نے بے اختیار نظریں چرائیں۔

''اور سعد اور ردابہ کے رشتے کی بات وہیں چلی تھی مجھے بھی بعد میں ہی معلوم ہوا اور ویسے بھی یہ فیصلہ بڑوں نے کرنا تھا یا تم سے مشاورت کی جاتی پہلے کبھی اس طرح کے معاملات ہم سے پوچھ کر طے کیے گئے ہیں؟''

''ہاں وہ تو میں جانتی ہوں اس گھر میں لڑکیوں کے جذبات کی تو یوں بھی کبھی کسی کو پرواہ نہیں رہی، جب چاہا عرش پر بٹھا دیا اور جب دل کیا فرش پہ پٹخ دیا۔'' شکوہ اس کے لبوں پر تھا۔

''ہاں تو اب ہم کیا کر سکتے ہیں۔''

''میں ہی کچھ نہیں کر سکتی، جس نے کام دکھانے تو وہ دکھائی۔''

''تم بات کو غلط رخ دے رہی ہو۔''

''تو کیا ہے سیدھا رخ؟'' وہ چیخ ہی تو پڑی۔

''سعدی بھائی نے پسندیدگی ظاہر کی تھی ار

UUNOVELS.COM

کے درخت پر پرندوں نے ڈھیروں ڈھیر اپنے گھونسلے بنا رکھے تھے اور چوں چوں کرتے وہ نیچے گر جانے والے کچے پکے بیر ٹونگ رہے تھے، اس نے بھی اپنی منڈیر پر رکھے مٹی کے پیالے میں پانی بھر کر رکھا اور ہلکی ہلکی چہل قدمی کرنے لگی، وہ کیوں اس قدر خود ترسی کا شکار ہوتی جا رہی تھی۔

اس کے خود کے لئے اپنا یہ رویہ اجنبی تھا۔

"تمہارے جو بھی مسئلے ہیں تم امی سے بات کر کے سلجھاؤ نا روا یہ اور سعد بھائی پر کیوں اپنی محرومی کا نزلہ گرا رہی ہو۔" ناصحانہ انداز میں مریم نے اس سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے وہ، میں اتنی کمزور تو کبھی بھی نہیں رہی کہ دوسروں کو خوش دیکھ کر خود کو کسی چھوٹی سوچ کے زیر اثر اس حد تک گرا لوں۔"

"اور میں کس شخص کے لئے تڑپتی جا رہی ہوں، وہ جس نے مجھ سے ایک بار بھی دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش نہ کی، وہ ارتابز جو مجھ سے محبت کا دعویدار تھا لیکن ایک بار بھی اس نے شکوہ تک نہ کیا کہ اسے مجھ پر بھروسہ نہیں ہے جو اس نے دوبارہ اس احساس کو جگانے کی ضرورت تک محسوس نہ کی، اس کے لئے اپنا وقار اس قدر اہم ہے اور میری حالت کی اسے کوئی خبر نہیں، کیا اسے واقعی ہی علم نہیں ہوگا کہ میں اتنے عرصے سے روز آس اور یاس کے درمیان جیتی اب بھی اسی کی منتظر ہوں لیکن اگر اسے اپنی انا کے خول میں ہی بند رہنا ہے، تو مجھے بھی اپنی عزت نفس بہت عزیز ہے، میں کیوں مزید اپنے آپ کو ان دیکھی آگ میں جلا رہی ہوں، ہو سکتا ہے اسے میری ضرورت ہی نہ ہو، میں نے کیسے سوچ لیا کہ وہ میرے ہی ہاتھوں سے اپنے زخموں پہ مرہم رکھوانا چاہتا ہے۔"

"اور اگر امی لوگوں نے خاموشی سادھ لی تھی تو پھپھو نے کون سا اس خاموشی کو بھی کریدنے کی کوشش کی، وہ لوگ تو شاید "جو ہو رہا ہے ہونے دو" کی بنیاد پر کسی معجزے کے منتظر ہیں اور خود سے دوبارہ سوال ڈالنے میں عار ہی محسوس کرتے رہ جائیں گے، اس عار میں چاہے کسی کی زندگی تماشا بن جائے۔" وہ اتنے عرصے میں شاید پہلی بار اپنا کتھارسس کر رہی تھی اور اسے پہلی بار ہی احساس ہو رہا تھا وہ بے وجہ اپنی جان پر ظلم کرتی رہی، اس نے آنکھوں میں نمی کو آخری بار بہہ جانے دیا، خنک ہوا اس کے وجود سے ٹکرا کر گزرتی جا رہی تھی، ایسے میں زرد کرنیں اسے ایک عجیب سا احساس بخشنے لگی۔

☆☆☆

اس کے صبح و شام پہلے سے زیادہ مصروف ہو گئے تھے، معذور بچوں کی ذہنی نشوونما اور اعتماد کسی طرح رکنے نہ پائے، اس کے لئے وہ اور دیگر ٹیچنگ اسٹاف پہلے سے زیادہ محنت کر رہے تھے، کچھ اس کے ذہن پر برسوں کی جمی گرد جو اتری تھی (حالانکہ یہ سب ہرگز آسان نہ تھا، مگر اس نے دل کو کسی نہ کسی طرح سمجھا بجھا لیا تھا) تو اسے بھی نت نئے آئیڈیاز سوجھنے لگے تھے۔

عید الاضحیٰ قریب تھی سو بچوں کو تحفے تحائف دینے اور مختلف سرگرمیوں میں مصروف رکھنے کے سلسلے میں سوچ بچار کی جا رہی تھی۔

معذور و یتیم بچوں کو چونکہ گوشت اور چانپوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی لہٰذا طے یہ پایا کہ نقدی کے علاوہ غریب بچوں کے والدین میں گوشت تقسیم کیا جائے (کیونکہ ادارے کو بڑے پیمانے پر قربانی کا فریضہ تو انجام دینا ہی ہے)۔

"علاوہ ازیں مختلف عمر کے بچوں میں عید

UUNOVELS.COM
UUNOVELS.COM

INSTALL

الاضحیٰ کا پس منظر (اسلامی پہلو) اجاگر کرنے کے لئے مختلف مقابلہ جات منعقد کروائے جائیں۔" عائشہ نے پنسل تھوڑی پر ٹکائی۔

"مثلاً۔"

"میٹرک کے بچے اس پر زبردست سے آرٹیکلز لکھ سکتے ہیں، پوزیشنز لینے والے لکھاریوں کے مکالے ہم اپنے میگزین کو دے دیں گے۔"

"اور چھوٹے بچوں سے کوئز لیا جا سکتا ہے۔" شمسہ نے کہا۔

"اور بہت چھوٹے بچوں کی دلچسپی کے لئے یہ مقابلہ رکھا جائے گا کہ وہ قربانی کے لئے حلال جانوروں کی آوازیں نکال نکال کر بتائیں اور باقی بچے ان کی پہچان کریں۔" ماہم کو بھی ایک ایکٹیویٹی سوجھ گئی۔

"یہ بہترین آئیڈیا ہے۔"

"اور ویسے اسے مزید دلچسپ بھی بنایا جا سکتا ہے، تھوڑے بڑے بچوں کے لئے۔"

"چلیں پھر آپ لوگ یہ پوائنٹس نوٹ کرتے جائیں، مسز صدیقی (ڈائریکٹر) اگر کل میٹنگ رکھیں گی تو ہمارے پاس بہت کچھ ہوگا ان سے ڈسکس کرنے کے لئے۔" پرنسپل انہیں گڈ لک وش کرنے لگی۔

☆☆☆

پھر انہی دنوں سون غوری کی واپسی کی خبر نہ صرف ادی پھپھو بلکہ گھر کے سب مکینوں کے لئے خوشی کی نوید بن کر پھیلی۔

ادیبہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی، بڑی بھابھی سے معمہ دریافت کرنا چاہا تو انہوں نے دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا۔

"بھئی ادی مجھ میں ہمت نہیں ہے تمہارے ساتھ دوبارہ سر کھپانے کی، وہ آئے گا نا تمہارا سون سون، اسی سے پوچھ لینا۔" وہ تو جھینپ ہی گئی، اب ان سے دوبارہ کیا پوچھتی بھلا۔

معتدل فضا میں سبک ہوا اور وصل کی امید شام جاں اور روح کو مہکا دیتے تھے، وہ انتظار کے صحرا سے نکل کر ملن کے نخلستان میں قدم رنجہ فرمانے کو تھی۔

کبھی کبھی تو اسے محض یہ خواب ہی لگتا، پہلے اسے بے چینیاں سونے نہ دیتی تھیں، اب اتھل پتھل ہوتی دل کی دھڑکن اور بے یقینیوں نے نیند کی جگہ آنکھوں کے گوشے پکڑ لئے تھے، پھر چہار اطراف پھیلا شور و غوغا، ہلڑ بازی بھی تھی جو رت جگوں کا بہانہ بن گئی۔

بڑے کمرے میں تخت پر براجمان دادی جی نفل پہ نفل ادا کیے جاتیں، پھر بیچ میں کہیں رک کر فرط جذبات میں آ کر ادیبہ کو خوب ہی چومتیں، ادیبہ اس کایا پلٹ پر جتنا بھی حیران ہوتی کم تھا، لاکھ دل چاہتا پوچھ لے، مگر تائی جی کی ممانعت یاد آ جاتی، کچھ دل کا دھڑکا لگا تھا کہ کہیں یہ طلسم نہ ہو، جو کچھ پوچھ بیٹھوں تو ٹوٹ جائے، سو چپ سادھے رکھی، سوچ لیا کہ جب وہ سامنے آئے گا تو ساری حقیقت بھی آپوں آپ ہی سامنے آ جائے گی۔

اور پھر انہیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔

آج صبح سے ہی وہ اپنے کمرے میں تھی، رحمتے چھٹی پر تھی سو صفائی کے بعد اپنے کپڑے بھی دھو ڈالے، نہا کر نکلی تو موسم کے تیور بدلے ہوئے لگے، الگنی سے کپڑے اتار کر ساتھ ساتھ تہہ لگانے لگی، اچانک سیڑھیوں پر آہٹ محسوس ہوئی، وہ چونکی (مریم رداب بھی اتنے مہذب طریقے سے نہیں آتی تھیں، سیڑھیوں پر ہی چنگھاڑنا شروع کر دینا ان کا معمول تھا)۔

قبل اس سے کہ وہ متجسس ہو کر نیچے کو جھانکتی، ریلنگ سے ہی ان کو وہ دشمن جاں نظر آیا،

UUNOVELS.COM

میں مزید تاخیر کی بجائے آپ میرا ساتھ دیں گے۔" وہ دونوں حیران پریشان ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"مگر کس سے کرو گے ادیبہ کی شادی کون مہمان پلک کے بغیر اسے بیاہ کر لے جائے گا" "اور وقت ہوتا تو شاید کہتیں کس نتھو خیرے سے بیاہنے کا ارادہ ہے۔)"

"مہمان پلک؟ آپ ایسے بات کر رہی ہیں، جیسے اپنا ہی کوئی نہیں جانتیں، افسوس ہے، ادیبہ کے لئے مون غوری سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے، قابل اعتبار اور با اخلاق شخص ہے۔" انہوں نے تخت پر بیٹھ کر روشن بیگم کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھا، بڑے کمرے میں موجود ہر شخص کو مانو سانپ سونگھ گیا تھا۔

☆☆☆

عارف دو سال قبل ایل ڈی کے آفس میں مون غوری سے ملے تھے، اپنے دوست کے ساتھ اس کے کسی کام کی مد میں وہ وہاں چلے گئے، اتنے عرصے بعد پہلی ملاقات میں انہیں لگا کہ شاید مون کوئی تیکھی بات کہہ جائیں، کوئی چبھتا ہوا طنز ہی کر جائیں، مگر اس کے برعکس مون غوری (یونی) کام کے علاوہ بھی بہت شائستگی سے ملے اور پہلی ملاقات کے بعد ہی عارف کا دل چاہا کہ وہ ان سے دوبارہ ملیں، حالانکہ مون کے رویے میں محسوس کیا جانے والا گریز تھا، مگر پھر بھی فون نمبرز کا تبادلہ ہوا تو مل بیٹھنے کے بہانے بھی میسر آ گئے، گو کہ ہر بار پہل عارف ہی کرتے، مگر مون نے کبھی کچھ جتایا تھا نہ کبھی انداز میں غرور اپنایا، ان کے چہرے کی متانت اور شخصیت میں جاذبیت عارف کے لئے متاثر کن تھی، بے اختیار ایک دن وہ سوچتے چلے گئے کہ اماں جی نے کیوں اور کیا سوچ کر اس شخص کو اپنی بیٹی ادیبہ سے انکار کیا تھا۔

عارف کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کسی کی یاد کو سینے سے لگائے اب تک تنہائی کی زندگی گزار رہے ہوں گے اور یہ بات تو وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ وہ کسی کوئی اور نہیں ان کی اپنی لاڈلی بہن ادیبہ ہو گی، لیکن ان کی مبہم باتیں لال ہوتی آنکھوں میں چھپی ویرانیاں رفتہ رفتہ رت جگوں کی ساری کہانیاں سنا گئیں۔

اور وہ جو خود سے کبھی سوال کرتے تھے کہ جانے ادیبہ اب تک کیوں بیٹھی ہے تو، مون غوری کے بٹوے میں اس کی چھ سال پرانی تصویر دیکھ کر انہیں ہر سوال ہر سوچ کا جواب مل گیا۔

"تو مون میرے دوست یہ تیری دعائیں اور چاہت کی سچائی ہی تھی جس نے ادیبہ کو بھی اب تک تنہا ہی رکھا۔"

حیرت انگیز طور پر وہ طیش میں آنے کی بجائے نتائج نکالنے لگے تھے۔ اس دن ان کے دوست کا زمین کا مسئلہ حل ہو چکا تھا، اسی خوشی میں اس نے عارف اور مون کو دعوت دی تھی، دونوں ایک ہی گاڑی پر روانہ ہوئے تھے اور اس اتفاق کو یونہی ہونا تھا۔

"تو یہ طے ہے مون غوری کہ میری بہن کی عزت کا رکھوالا اور تنہائیوں کا ساتھی تم کو ہی بننا ہے۔" انہوں نے گاڑی میں گرا ان کا بٹوہ ڈیش بورڈ پر رکھا اور کسی فیصلہ کن نتیجے پر پہنچے، گاڑی کے ٹائر میں ہوا بھروائی گئی تھی، دروازہ کھول کر مون نے بٹوہ ڈیش بورڈ سے اٹھاتے ہوئے رک کر ایک نظر عارف کو دیکھا تھا، جنہوں نے نارمل سی مسکراہٹ ان کی جانب اچھالی تھی، مگر اس نے دو سال تک غور و خوض کرنے کے بعد سوچ لیا کہ اب انہیں کیا کرنا ہے اور اپنی سوچ پر عمل کرنے کے نتیجے میں ہی تو انہیں اپنی بہن کے چہرے پر

UUNOVELS.COM

چھ سال بعد دوبارہ کھلتی ہوئی مسکراہٹ نظر آئی تھی۔

☆☆☆

آج وہ سارا کام سمیٹ کر جلدی گھر پہنچنا چاہتی تھی کہ امی کے ساتھ بازار جانے کا پروگرام بنایا ہوا تھا، مگر چپڑاسی کے "میڈم جی آپ کی ڈاک آئی ہے" کہنے پر وہ چونک گئی، اسی بے دھیانی میں خاکی لفافہ پکڑا اور اس پر موجود نام پتا پڑھنے کی بھی زحمت نہ کی۔

بس جو پڑھنا شروع کیا تو آنسوؤں کا ریلا ساری حدیں پار کر گیا، سلام دعا کے بعد تحریر تھا۔

"جب تم یہ سطروں کو پڑھ رہی ہو گی تو میں یہاں سے بہت دور جا چکا ہوں گا۔" اسے لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔

"بیرون ملک آپریشن کی غرض سے، علاج اور تھراپی میں چھ ماہ سے ایک سال لگ سکتا ہے، مجھے لفظوں کی جادوگری نہیں آتی عائشہ اور میرے تمہارے رشتے میں یوں بھی کبھی لفظوں کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ تم میرے دل کی سچائیوں سے واقف ہو، مجھے ہمیشہ اس بات کا مان رہا ہے اور تمہاری آنکھیں بھی تو ہمیشہ سے ہی میرے لئے کھلی کتاب کی طرح رہی ہیں، پہلے پہل تم سے خود بہت سی شکایتیں تھیں مجھے، میں موقع کی تلاش میں تھا ایک بار پھر سے تمہیں دیکھوں اور تمہاری آنکھوں کے رنگ پڑھوں، تاکہ مجھے جینے کی کوئی وجہ مل سکے، حالانکہ شادی پر تمہیں دیکھنے سے پہلے امی مجھے اکثر تمہارے بارے میں بتا دیتی تھیں۔"

"عاشی تو حال سے بے حال ہو گئی ہے۔"

"بھابھی نے بتایا کہ وہ لوگ اس کا رشتہ کرنا چاہ رہے ہیں مگر وہ راضی نہیں ہوتی۔"

"پھر پچھلے سال جب مریم ایک دو بار آئی تھی ہماری طرف، مجھے وہیل چیئر پر بیٹھ کر بیک وقت غصے اور نروٹھے پن سے بولی۔"

"ارتاز بھیا، بہت خود غرض ہیں آپ۔"

"کیسے بھلا؟ یہ الزام ہی تو لگا تھا مجھ پر۔"

"آپ کو کسی کی پرواہ ہی نہیں۔"

"کیوں نہیں، بالکل ہے۔" ایسا کہتے ہوئے میں اپنے لہجے کا کھوکھلا پن محسوس کر سکتا تھا۔

"جھوٹ، اگر ہوتی تو ابھی تک وہیل چیئر کا سہارا نہ لے رہے ہوتے۔"

"تو تمہارا کیا جاتا ہے۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"لوگ آپ کے انتظار میں اپنی جوانی تیاگ دینے کو تیار ہیں اور آپ کی خفگی ہی ختم نہیں ہو رہی۔" اظہار اس کے انداز میں شوخی تھی، مگر اس کی آواز رندھی ہوئی تھی، دل کیسے دھڑکنا بھول جاتا ہے، مجھے اس پل احساس ہوا تھا۔

"اس کا اشارہ کس طرف تھا، مجھے وقت نہ لگا سمجھنے میں اور پھر شادی پر میں نے تمہیں دیکھا تو اپنے حال پر اور بھی زیادہ شرمندگی ہوئی، اپنے آپ سے نفرت محسوس ہونے لگی۔"

"میں نے جو اپنے تئیں کچھ شکایتیں محبت کے تختے پر درج کر رکھی تھیں تو دل چاہا اسے آگ لگا دوں، میں تم سے کیسے کوئی شکوہ کر سکتا تھا عائشہ تمہاری آنکھوں میں پنہاں بے بسی جو میں نے دیکھی تھی، تو میں خود کو مجرم سمجھنے لگا، تمہاری آنکھوں میں، میں نے اپنے لئے وہی محبت دیکھی تو میں بیک وقت اندر تک سرشار ہو گیا۔"

"جب تم لائبہ کی شادی پر آئی تھیں، تمہارا اترا ہوا چہرہ اور خالی آنکھیں دیکھ کر مجھے بہت تکلیف ہوئی تھی، میں نے تم سے بات کرنا چاہی مگر تمہارے انداز میں ہچکچاہٹ تھی، میں اس کی

UUNOVELS.COM

وجہ سے بخوبی واقف ہو گیا تھا اور پھر میں نے دیکھا سب لڑکیوں نے مہندی لگائی تھی، مگر تمہاری ہتھیلیاں تمہارے دل کی مانند سونی تھی، تم نے جھلمل کرتے لباس تو پہن لئے تھے مگر اندر ہلکورے لیتی ویرانی مجھ سے چھپ نہ سکی، تمہاری مسکراہٹ میں چھپا درد تمہارے قہقہوں میں دفن ہچکیاں میں سن سکتا تھا اور اس کے بعد مجھے زیادہ وقت نہ لگا میں نے ارادہ کر لیا کہ مزید تمہیں اور خود کو نہیں آزماؤں گا پھر ابو سے بات کی، باقاعدہ طور پر علاج کرانے کی وہ اور امی بے حد خوش ہوئے اور ابو کے دوست نے بھی مجھے کافی امید دلائی ہے۔"

"عائشہ فیض آج مجھے ایک بار پھر اعتراف کرنا ہے کہ مجھے تم سے بے پناہ محبت ہے اور مجھے فخر ہے کہ میں نے تم جیسی باصلاحیت لڑکی سے محبت کی، جو اپنی صلاحیتوں اور اختیار کا استعمال دوسروں کی زندگی میں خوشیاں بکھیرنے کے لئے کر رہی ہے۔"

"اور تمہیں اس بات پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں کہ مجھے اس بارے ساری معلومات کہاں سے ملی (ہاں ٹھیک سمجھی مریم ہی ہے وہ بی بی سی) مسکراتے ہوئے تم کتنی اچھی لگتی ہونا، عرصہ ہو گیا تمہاری شوخیوں ایک کھلکھلاہٹ دیکھے۔"

عائشہ گال پر بہہ رہے آنسو ہاتھ کی پشت سے صاف کر رہی تھی، مگر ہونٹوں پر بے اختیار تبسم نمایاں ہوتی چلی گئی۔

"اور مجھے بھی تم سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ تم میرا انتظار کرنا، وقت کی ڈور جس کے ہاتھ میں ہے اس نے تمہارا اور میرا جوڑ بھی لکھا ہو گا، مجھے یقین سا ہے، تم اپنا خیال رکھنا اچھی لڑکی اور میرے لئے دعا کرتی رہنا۔"

"تمہارا اور صرف تمہارا ارتضیٰ۔" اس کے ہاتھ لرز رہے تھے اور وہ خود سے بے خبر ہچکیوں کی زد میں تھی۔

آج اس کی محبت کو مان بخش دیا گیا تھا، آج اس کے نسوانی وقار کو مزید بلندی عطا ہوئی تھی۔

وہ گھر لوٹی تو ایک ہنگامہ سا بپا تھا، جبکہ اس کی نیت تو چپکے سے سیدھا غسل خانے میں گھس جانے کی تھی، مگر یہ بھی اچھا ہوا کہ بروقت اوپر پھپھو نے اسے چھت پر سے آواز دے ڈالی۔

"اوہ اب یہ سوال کریں گی۔" وہ گھبرائی۔

"مگر کم از کم یہ اس جنجال کے بیچ پھنس جانے سے بہتر ہے۔" اور پھر خود ہی اپنے آپ کو تسلی دیتی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"یہ فائلز کیوں واش روم میں لے کر جا رہی ہو؟" اور یہ نے اس کی بدحواسی ملاحظہ فرما کر زیر لب مسکراتے ہوئے کہا، جبکہ وہ جواب دیے بغیر نظریں جھکائے اندر گھس گئی، اور یہ کندھے اچکا کر رہ گئی، واش بیسن کے سامنے کھڑی وہ آئینے میں اپنی متورم آنکھیں دیکھ رہی تھی۔

"اگر پھپھو دیکھ لیتیں تو کیسے ان کو ٹالتی، یہ مجھے بھی نجانے کیوں اتنا جھنجھلا ہو رہا ہے۔" پندرہ منٹ سے زیادہ وہیں کھڑے رہ کر اب اسے شدید کوفت محسوس ہونے لگی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے عاشی کیوں چھپ رہی ہو، ارتابز کو دیکھ لیا کیا؟ حالانکہ ـــــ" اور عاشی یوں جھٹ سے باہر نکلی جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔

"ارے آپا آئی بیٹھیں ہیں، وہ ارتابز معالجے کے لئے بیرون ملک جا رہا ہے اور ـــــ"

"اور ـــــ" عاشی کی سانس رکنے لگی تھیں۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں کس کم بخت نے رلایا ہے؟" انہوں نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔

"آپ میری فکر چھوڑیں بتائیں اور کیا؟"

UUNOVELS.COM
UUNOVELS.COM

Mailchimp
Google Play
INSTALL

''کیسے فکر چھوڑ دوں، رلانے والے کو ذرہ اندازہ نہیں کہ تم روتے ہوئے پوری کالی بلی لگتی ہو، سارا کاجل بہہ گیا۔'' وہ جو بنا بات میں ہنسنے لگی تھی، اویبہ کا آخری فقرہ سن کر مصنوعی سا خفا ہوئی۔

''پھپھو آپ بھی نا، جائیں میں بات نہیں کر رہی۔''

''تو نہ کرو، بھئی اب یوں بھی مزاج کہاں ملیں گے آپ کے۔'' وہ بھی پلٹ کر سنگھار میز جھاڑنے لگیں۔

''اچھا جی اور آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے جو بے وجہ لالیاں ہمہ وقت رخ ریشم کا احاطہ کیے رکھتی ہیں۔'' عاشی نے پیچھے سے آکر ان کے کندھے پر اپنی بازو ٹکائی۔

''شریر۔''

''جو مرضی کہہ لیں پر بتائیں نہ پھپھو کیا کہنے آئی ہیں۔''

''ایک بار پھر ارتابز کے لئے سوال ڈالا ہے، اماں جی اور فیض بھائی تو راضی بہ رضا ہیں پر نسیم بھابھی۔'' وہ ہچکچائیں۔

''مجھے معلوم ہے امی نے ایک بار پھر سے انکار کیا ہوگا، اب اپنی ضد کے چکر میں کیا وہ دادی جی کی طرح ...'' اس کی آواز رندھ گئی۔

''حوصلہ بی بی نسیم بھابھی نے بھی ہاں کہہ دی ہے اور مٹھائی بٹ رہی ہے اب اپنی شکل درست کر کے جاؤ اس سے پہلے کہ پھپھو اوپر آجائیں اور تمہارا حلیہ دیکھ کر دو انکار......''

''وہ پھپھو۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''اچھا یہ فائل تو دیتی جاؤ۔'' وہ پھر سے غسل خانے میں جانے لگی تو اوی نے اسے چھیڑا، جواباً وہ مسکرا اٹھی، بیگ اور دستاویزات سے بھرا فولڈر بستر پر رکھ دیا۔

☆☆☆

نیچے آئی تو پھپھو نے خوب ہی اس کے بوسے لئے، مٹھائی کھلائی، یعنی منسوخ شدہ رشتے کی بحالی پر جشن منایا جا رہا تھا۔

پھر دن جو پر لگا کر گزرنے لگے تو حویلی میں شادی کا غلغلہ اٹھ گیا۔

ارادہ تو محض اویبہ کی شادی کا تھا مگر اماں جی سے کچھ بعید نہ تھا، کہ رداب اور سعد کو بھی ساتھ ہی نپٹانے کا کہہ کر اہلیان آشیانہ صوفی کو وکھت (وقت) ڈال دیتیں، لہٰذا امبرین نے رداب کو مریم کے سنگ پارلر بھیجا جبکہ اوی اور عاشی خریداری کے لئے نکل پڑیں۔

عرصے سے کھوئی ہوئی حویلی کی رونقیں جیسے لوٹ آئی تھیں، سو دادی جی کے کہنے پر شکرانے کے طور پر گھر کی جملہ خواتین نے میلاد منعقد کروانے کا ارادہ کیا، دوسری جانب عائشہ کے رت جگوں کو جہاں قرار آیا تھا وہیں اویبہ کی آنکھوں سے نیند جدا ہو گئی تھی کہ مون غوری کی سنگت میں نئی شروع ہونے والی زندگی کے سپنے جواب نین کٹوروں میں بسیرا کر چکے تھے۔

اب تو خنک ہوتی فضا میں بھی مٹھاس محسوس ہوتی تھی اور خاموش خاموش سے غنچے بھی سرشار لگتے تھے، کہ دل کو جو یقین تھا، ملن کے وہ دن رات آ گئے ہیں جس کا نہ جانے کب سے انتظار تھا۔

☆☆☆

UUNOVELS.COM